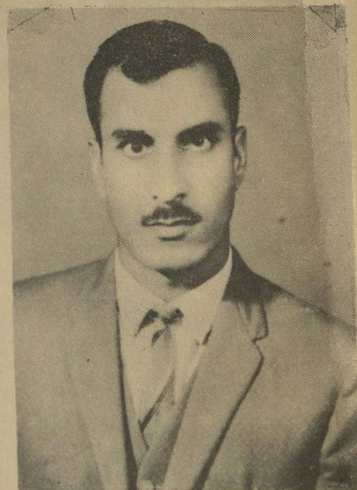


میجر طفیل محمد شہید

محمد حنیف شاہد





"میں سمجھتا ہوں جناب حنیف شاہدؔ
نے شہیدؒ کے حالاتِ زندگی بکمال محنت،
کوشش اور ریاضت —— جمع کرکے
"نشانِ حیدرؓ" لکھ کر ایک
خلا کو پُر کیا ہے —— انھوں نے
ایسی جامع، شاندار اور وسیع، اور
ہمہ گیر سوانح مرتّب کرکے قابلِ قدر
کام کیا ہے —— ان کا طرزِ نگارش
سادہ، سلیس اور تحریر میں روانی ہے
قومی زبان میں ہونے کی وجہ سے

سرورق:

میجر طفیل محمد شہیدؒ

فاتح لکشمی پور

میجر طفیل محمد شہیدؒ

محمد حنیف شاہد

*

ناشرین

شیخ غلام علی اینڈ سنز۔ پبلشرز۔

لاہور ——— حیدرآباد ——— کراچی

طابع - - - - شیخ نیاز احمد

مطبع - - - - علمی پرنٹنگ پریس - لاہور

اشاعت اول - ۱۹۶۹ء

قیمت - [redacted] روپے

ناشرین

شیخ غلام علی اینڈ سنز - پبلشرز

ادبی مارکیٹ - چوک انارکلی - لاہور

خدائے عظیم و برتر کی قسم

"جب تک ہمارے دشمن ہمیں بحیرۂ عرب میں نہ پھینک دیں ہم ہار نہ مانیں گے پاکستان کی حفاظت کے لیے میں تنہا لڑوں گا اس وقت تک لڑوں گا جب تک کہ میرے ہاتھوں میں سکت اور میرے جسم میں خون کا ایک بھی قطرہ موجود ہے۔ مجھے آپ سے یہ کہنا ہے کہ اگر کوئی ایسا وقت آجائے کہ پاکستان کی حفاظت کے لیے جنگ لڑنی پڑے تو کسی صورت میں ہتھیار نہ ڈالیں پہاڑوں، جنگلوں، میدانوں اور دریاؤں تک میں جنگ جاری رکھیں"۔

(قائد اعظم محمد علی جناحؒ)

ہماری افواج

۱۴ جون ۱۹۴۸ء کو سٹاف کالج کوئٹہ کے افسروں سے خطاب کرتے ہوئے بابائے قوم حضرت قائداعظمؒ نے فرمایا:

"ہر افسر اور ہر سپاہی خواہ وہ کسی بھی نسل یا فرقہ سے تعلق رکھتا ہے پاکستان کا سچا خادم ہے۔ اگر آپ متحد ہو کر سچے پاکستانیوں کی طرح بے لوث خدمات انجام دیتے رہے تو پاکستان کو کسی بات کا خطرہ نہیں ہے۔"

*

۱۰ جنوری ۱۹۶۵ء کو "یومِ عساکرِ پاکستان" کے موقع پر صدر مملکت فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے فرمایا:

"ہماری افواج کا شمار دنیا کی بہترین فوجوں میں ہوتا ہے۔ دنیا میں جب کبھی اور جہاں کہیں عالمی امن و آزادی کی بقا اور تحفظ کا مسئلہ اٹھا ہے ہماری افواج نے نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ بین الاقوامی سلامتی کے بقا اور استحکام کے باب میں جب بھی کوئی کارروائی ضروری خیال کی گئی یا وسائل و ذرائع کی فراہمی کا

مرحلہ پیش آیا ہے ہمیشہ ہماری افواج کے اس مثبت کردار کو ملحوظ رکھا گیا جو وُہ اس ضمن میں ادا کر سکتی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ سب کچھ خدائے لایزال کے کرم بے پایاں کا ثمر ہے تاہم اس میں ہمارے بہادر اور شجاع سپاہیوں کی اس شہرت کا بھی عمل دخل ہے جو چار دانگِ عالم میں پھیلی ہوئی ہے۔

جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وُہ طوفاں

اقبالؔ

*

*

"میں سمجھتا ہوں جناب حنیف شاہد نے شہیدؒ کے حالات زندگی بکمال محنت کوشش اور ریاضت جمع کر کے "فاتح لکشمی پور" لکھ کر ایک خلا کو پُر کیا ہے۔ انہوں نے ایسی جامع، شاندار اور وسیع اور ہمہ گیر سوانح مرتب کر کے قابل قدر کام کیا ہے۔ ان کا طرز نگارش سادہ، سلیس اور تحریر میں روانی ہے قومی زبان میں ہونے کی وجہ سے اس سے بچہ، نوجوان اور بوڑھا کماحقہ، مستفید ہو سکتا ہے۔

حنیف شاہد صاحب کی اس کتاب کی تاریخی اور ملی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ سوانحی ادب میں یہ ایک اچھا اضافہ ہے۔ اس میں جیتا جاگتا اور چلتا پھرتا کردار پیش کیا گیا ہے۔ شہید کی زندگی کا ہر اہم موڑ اور سیرت و کردار کا ہر روپ دکھائی دیتا ہے۔"

میجر جنرل محمد سرفراز خان

*

شوقِ شہادت

خالدؓ بن ولید نے تقریباً ڈیڑھ سو مذہبی جنگوں میں دادِ شجاعت دی۔ خوف سے ناآشنا، میدانِ جنگ کو شہادت گاہِ مردِ مومن یقین کرنے والے، جہاد میں موت کے تمنائی لیکن اس غازیٔ اعظم کی بھی تمنا پوری نہ ہوئی۔ جب موت کی ساعت آئی تو آپ نے فرمایا:

"شہادت وُہ مقصود جو جہاد کی اصلی روح ہے۔ میں نے اُسے کہاں نہیں ڈھونڈھا۔ ہر خطرہ اور ہر کارزار میں تلاش کیا۔ لیکن خدائے بزرگ برتر کا حکم غالب ہے اور غالب ہی رہا۔ یہ دیکھو آج میں بسترِ علالت پر مر رہا ہوں میرے بدن میں کوئی جگہ نہیں جہاں راہِ حق میں کھائے ہوئے زخم کا نشان نہ ہو مگر موت وہیں آئی جہاں مقسوم تھی۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ؐ کا اقرار کرنے کے بعد سے میں نے سینکڑوں تاریک و خوف ناک راتیں دیکھیں جب کہ آسمان سے ساری رات موت ہی برستی رہی اور صبح ہوتے ہوتے کفار کا نقشہ بدل کر مسخ ہو گیا۔

اب میری صرف ایک وصیّت ہے کہ میری موت کے بعد میرے اسلحہ اور میرے گھوڑے کو اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے دے دیں۔"

خوش قسمت ہیں وہ لوگ جنہوں نے ملک و ملت کے دفاع میں اپنی جانیں قربان کر کے جامِ شہادت نوش کیا اور حیات دوام پائی ۔ میجر طفیل محمد شہید وہ مایہ ناز سپوت ہیں جنہوں نے اپنی متاع عزیز ملک کی خاطر قربان کر کے سب سے بڑا عسکری اعزاز "نشانِ حیدر" حاصل کیا ۔

*

انتساب

شہیدوں کے نام

ترتیب

تاثرات ۱۹۱

چھٹا باب:

دیباچہ

پاکستان اور بھارت پڑوسی ملک ہیں۔ اس بنا پر انہیں باہم دوستی اور خیرسگالی سے رہنا چاہیے تھا مگر ان کے درمیان پاکستان معرض وجود میں آتے ہی کشمکش کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ اس کی ساری ذمہ داری بھارت پر عائد ہوتی ہے۔ اس کے رہنماؤں نے پاکستان کو صمیمِ قلب سے تسلیم ہی نہیں کیا۔ وہ پہلے دن سے پاکستان کو ختم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے گوناگوں ہتھکنڈے اختیار کیے۔ کشمیر کا مسئلہ بھی ان کی پاکستان دشمنی کا پیدا کردہ ہے۔ ان کا یہی معاندانہ جذبہ دونوں ملکوں کے درمیان امن اور دوستی کی فضا پیدا کرنے کی راہ میں حائل ہے۔ کشمیر میں، لکشمی پور میں اور رن کچھ میں بھارت کی جارحانہ کارروائیوں کے پیچھے ان کا یہی جذبہ کارفرما رہا۔ اور پھر ستمبر ۱۹۶۵ء میں مکمل جنگ کا سبب بنا۔ اس جنگ میں منہ کی کھانے کے بعد اب وہ نئی جارحیت کے ارتکاب کی تیاری میں پھر پورے زور شور کے ساتھ دن رات مصروف ہے۔ بھارت کی ان جارحانہ سرگرمیوں کے مقابلے میں ہماری بہادر اور شجاع افواج کے جوانوں نے جو کردار ادا کیا ہے اور وطن عزیز کی آزادی اور اہل وطن کی عزت و آبرو کے تحفظ کی خاطر جو قربانیاں دی ہیں ان سے پاکستان ہی کی نہیں اسلام کی عسکری تاریخ میں ایک سنہری

باب کا اضافہ ہوا ہے۔ یہ وہ باب ہے جس سے ہماری آنے والی نسلوں کو معرکہ حیات میں سربلند و کامران رہنے کی تحریک اور جوش و جذبہ ملے گا۔ اس باب کو ہمارے جن جوانوں نے اپنے رگِ گلو کے خون سے رنگینی بخشی ہے ان میں سے کیپٹن راجہ محمد سرور شہید نشان حیدر، میجر چوہدری طفیل محمد شہید نشان حیدر اور میجر راجہ عزیز بھٹی شہید نشان حیدر کی زندگی اس کتاب کا عنوان ہے۔

کیپٹن راجہ محمد سرور شہید وہ اہم اور قابل فخر شخصیت ہیں جنہوں نے کشمیریوں کی آزادی اور بقا کے لیے کشمیر کے محاذ پر ۲۷۔جولائی ۱۹۴۸ء میں اپنی جان عزیز قربان کر دی اور شہادت کا بلند مرتبہ حاصل کیا۔ حکومت پاکستان نے انہیں ان کی اعلیٰ کارکردگی کے صلے میں "نشانِ حیدر" عطا کیا۔ راجہ سرور سب سے پہلے شہید ہیں جنہیں پاکستان کا سب سے بڑا عسکری اعزاز ملا۔

دوسرے میجر چوہدری طفیل محمد شہید ہیں جنہوں نے مشرقی پاکستان میں لکشمی پور کے مقام پر بے مثال جرأت، بہادری اور سرفروشی کا مظاہرہ کیا۔ میجر شہید نے چند سرفروشوں کے ہمراہ بھارتی غاصبوں کو نہ صرف پاک سرزمین سے مار بھگایا بلکہ ان پر کاری ضربیں لگا کر انہیں زبردست نقصان پہنچایا اور لکشمی پور پر دوبارہ پاکستانی پرچم لہرایا۔ چونکہ وہ مشرقی پاکستان میں ۷۔اگست ۱۹۵۸ء میں شہید ہوئے اس لیے مشرقی پاکستان میں ان کا ایسا ہی چرچا اور شہرہ ہوا جیسا کہ میجر عزیز بھٹی شہید کا مغربی پاکستان میں۔ مشرقی پاکستان کا بچہ بچہ ان کے نام سے واقف ہے۔ انہوں نے اپنا خون دے کر مشرقی اور مغربی پاکستان کے اتحاد کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قائم کر دیا۔

تیسرے میجر راجہ عزیز بھٹی ہیں جنہوں نے جان بازی، جاں نثاری، فرض شناسی

اور ملک و ملت سے بے لوث اور بے غرض خدمت و محبت کا ثبوت دیا اور وطن عزیز کی خاطر ۱۲ ستمبر ۱۹۶۵ء کو اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔ اسی کے تحت صدر مملکت فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے انہیں "نشانِ حیدر" عطا فرمایا۔

ان شہیدوں کا تذکرہ اب تک صرف اخبارات اور بعض رسائل تک محدود رہا ہے اور وہ بھی نامکمل اور کسی حد تک ادھورا۔ ان کی روشنی میں ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ انہوں نے بے پناہ جذبہ حب الوطنی، حوصلہ مندی اور بے جگری کا مظاہرہ کرتے ہوئے شہادت پائی۔ مگر ہمیں کچھ خبر نہ تھی کہ ہمارے ان عظیم فوجیوں کی تربیت کس ماحول میں ہوئی۔ انہوں نے اپنی شخصیت میں انفرادیت پیدا کرنے کے لیے کیا کیا چیزیں ورثے میں پائیں۔ وہ کیا سوچتے تھے۔ کیا پڑھتے تھے۔ ان کا طرز زندگی اور انداز گفتگو کیا تھا۔ وہ کن چیزوں سے محبت اور کن چیزوں سے نفرت کرتے تھے۔ بحیثیت انسان اُن کا کیا مقام تھا۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے وہ کس رتبے کے مالک تھے۔ ایک دوست اور ساتھی کی حیثیت سے ان کا کردار کیا تھا۔ ان کی گھریلو زندگی کس انداز کی تھی۔ فوجی زندگی میں انہوں نے کیا کیا خدمات انجام دیں۔ اور جب افسر بنے تو قیادت، لیڈر شپ کے کس مقام پر پہنچے۔ پھر فرض کی پکار پر کس طرح لبیک کہی اور آن وطن پر مر مٹ کر اپنی زندگی کے نقوش جاوید چھوڑ گئے۔

زیر نظر کتاب صرف میجر طفیل محمد شہید کے حالات و واقعات پر مشتمل ہے۔ میں سمجھتا ہوں جناب حنیف شاہد نے شہید کے حالاتِ زندگی بکمال محنت کوشش اور ریاضت جمع کر کے "نشانِ حیدر" لکھ کر ایک خلا کو پُر کیا ہے۔ انہوں نے ایسی جامع شاندار اور وسیع اور ہمہ گیر سوانح مرتب کر کے قابل قدر کام کیا ہے۔ ان کا

طرزِ نگارش سادہ سلیس اور تحریر میں روانی ہے۔ قومی زبان میں ہونے کی وجہ سے اس سے بچہ، نوجوان اور بوڑھا کما حقہٗ مستفید ہو سکتا ہے۔

حنیف شاہد صاحب کی اس کتاب کی تاریخی اور ملی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ سوانحی ادب میں یہ ایک اچھا اضافہ ہے۔ اس میں جیتا جاگتا اور چلتا پھرتا کردار پیش کیا گیا ہے۔ شہید کی زندگی کا ہر اہم موڑ اور سیرت و کردار کا ہر روپ دکھائی دیتا ہے

سرفراز خان

۲۵ ستمبر ۱۹۶۷ء (میجر جنرل محمد سرفراز خان)

۳۵ - گلبرگ - ۵ ظفر علی روڈ ہلال جرأت - ملٹری کراس

لاہور

*

"کچھ اپنی زبان میں"

۲۷ جولائی ۱۹۴۸ء، ۷ اگست ۱۹۵۸ء اور ۱۲ ستمبر ۱۹۶۵ء ہماری تاریخ کے تین اہم دن ہیں۔ جب کیپٹن راجہ محمد سرور شہید، میجر چوہدری طفیل محمد شہید اور میجر راجہ عزیز بھٹی شہید نے اپنے خون سے تاریخ رقم کی، شہادت کا بلند مرتبہ پایا اور پاکستان کا سب سے بڑا عسکری اعزاز "نشان حیدر" حاصل کیا۔ ویسے ہمارے عسکری افق پر ہزاروں مہ و انجم جلوہ افروز ہوئے ہیں جنہوں نے اعزازات حاصل کیے اور جن کی جلوہ انگیزیوں اور ضیا پاشیوں سے نہ صرف پاکستان بلکہ اسلام کی تاریخ ہمیشہ منوّر رہے گی۔

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ میجر راجہ عزیز بھٹی شہید سے پہلے "نشان حیدر" پانے والوں کو اتنی شہرت نہ ملی۔ اس کے کئی اسباب ہیں۔ کیپٹن راجہ محمد سرور شہید محاذِ کشمیر پر شہید ہوئے اور یہ وہ وقت تھا جب مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی جا رہی تھی۔ پھر وہ شہید تو ۱۹۴۸ء میں ہوئے لیکن انہیں "نشان حیدر" ۱۹۵۹ء میں "دورِ ایوبی" میں ملا۔ بعد ازاں میجر چوہدری طفیل محمد نے ۱۹۵۸ء میں لکشمی پور (مشرقی پاکستان) میں وطن کا دفاع کرتے ہوئے شہادت پائی۔ ان کی شہادت اور سب سے بڑا اعزاز پانے

کا بھی اتنا چرچا نہ ہوا۔" گو انہوں نے اپنا خون دے کر مغربی اور مشرقی پاکستان کی جغرافیائی دوری کو ختم کیا اور مشرقی پاکستان والوں کے دلوں پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محبت، اخوت اور یگانگت کے ایسے انمٹ نقوش ثبت کیے کہ وُہ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ

"مغربی پاکستان آڑے وقت میں اُن کی خاطر ہر قسم کی قربانی دے سکتا ہے"

میجر چوہدری طفیل محمد شہید کو جو شہرت مشرقی پاکستان میں ملی اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ وہاں جا بجا ان کی یادگاریں قائم ہیں اور بچہ بچہ ان کے نام سے واقف ہے۔ چنانچہ ہر سال ۷ اگست کو "یوم طفیل" نہایت تزک و احتشام سے منایا جاتا ہے لیکن جہاں تک مغربی پاکستان کا تعلق ہے میجر چوہدری طفیل محمدؐ شہید کے نام اور ان کے کارنامے سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔

ستمبر ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کے بعد میجر راجہ عزیز بھٹی شہید آنِ وطن پر شہید ہونے والے ستاروں میں تابندہ تر نظر آتے ہیں۔ ان کو جو مرتبہ اور شہرت ملی وہ محتاج بیان نہیں۔ اور پھر جب صدر مملکت فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے لاہور کے شہریوں کو "تمغۂ استقلال" عطا کیا تو فرمایا:

" اب ادیبوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وُہ پاکستان کے اولوالعزم جانفروشوں کے کارنامے قلمبند کریں"

چنانچہ تمام پاکستانیوں کی طرح میرے دل میں بھی اپنے ان عظیم شہیدوں کے لیے احسان و تشکر کے عمیق اور گہرے جذبات پیدا ہو گئے۔ میں نے ان کی زندگی کی

تفصیلات و جزئیات معلوم کرنے کا ارادہ کیا۔ میں چاہتا تھا کہ شہیدوں کی دلآویز شخصیتوں کے داخلی اور خارجی پہلوؤں سے پردہ اٹھاؤں اور اپنے پاکستانی بھائیوں کو ان سے روشناس کراؤں۔ ۶ ستمبر ۱۹۶۷ء کو "یومِ دفاعِ پاکستان" کی ایک تقریب میں جناب میجر جنرل محمد سرفراز خان نے فرمایا :۔

"افواجِ پاکستان نے تو اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ اب آپ لوگوں کا فرض ہے کہ ان کے کارہائے نمایاں منظرِ عام پر لائیں۔ یہ کام فوری توجّہ کا مستحق ہے ورنہ ان تابناک واقعات کے نقوش مدھم پڑ جائیں گے یا وقت کے ہاتھوں مٹ جائیں گے"۔

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ کیپٹن راجہ محمد سرور شہید اور میجر چوہدری طفیل محمدؒ شہید کے بارے میں بہت کم لوگ جانتے ہیں۔ اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جنہیں صرف اتنا معلوم ہے کہ میجر عزیز بھٹی شہید ہی کو "نشانِ حیدر" ملا ہے۔ یہی خیال میرے اس "مشن" کا محرک ثابت ہُوا۔ لیکن اس کٹھن راہ میں کچھ دشواریاں حائل تھیں۔

سب سے پہلی مشکل یہ تھی کہ میرا موضوع "عسکری ہیروز" تھا۔ ہیرو بھی ایسے جنہیں شہید ہوئے۔ ایک زمانہ گزر چکا ہے۔ جہاں تک میجر راجہ عزیز بھٹی شہید کا تعلق ہے ان کا واقعہ تازہ تھا اور اس سلسلے میں معلومات بھی کسی حد تک بآسانی فراہم کی جا سکتی تھیں۔ میں نے اللہ کا نام لے کر کام شروع کر دیا۔ اور شہیدوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے ان کے خاندان، عزیز و اقارب اور دیگر متعلقہ حضرات سے رابطہ پیدا کرنے میں ہمہ تن مصروف ہو گیا۔ خدا کا شکر ہے مجھے اپنی

تگ ودو میں خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔ شہیدوں کے عزیز و اقارب سے بھی ملاقات کا موقع ملا۔

مجھے یہ بیان کرتے ہوئے نہایت مسرت ہوتی ہے کہ اس سلسلے میں جس سے بھی ملاقات ہوئی یا موضوع پر تبادلہ خیال کا اتفاق ہوا، اس نے میرا حوصلہ بڑھایا اور اپنی جانب سے ہر ممکن مدد کا یقین دلایا۔ میرا شوق اور محبت مشکلات پر غالب آیا اور خاردار راہیں میرے لیے ہموار ہوگئیں۔ ملاقاتوں اور مراسلت کا سلسلہ جاری رہا میری انتہائی کوشش تو یہ تھی کہ میں ہر مہربان سے براہ راست ملاقات کروں مگر وقت کی کمی آڑے آئی اور مجھے مجبوراً خط وکتابت کا سلسلہ بھی اختیار کرنا پڑا۔ کیپٹن راجہ محمد سرور شہید کے اہل خاندان سے ملاقات کی غرض سے کئی بار موضع سنگوری تحصیل گوجر خان اور سیالکوٹ چھاؤنی جانے کا اتفاق ہوا۔ اسی طرح میجر چوہدری طفیل محمد شہید کے عزیزوں اور دوستوں سے ملنے کے لیے چک نمبر ۲۵۲/ای۔ بی ضلع ساہیوال جانے کا موقع ملا۔ شہید کے چھوٹے بھائی فلائٹ سارجنٹ جناب چوہدری خورشید محمدؐ سے ملاقاتوں کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری رہا۔ وہ جس محبت، شفقت، خلوص اور حسن اخلاق کے ساتھ پیش آئے اس کو بیان کرنے کے لیے ایک طویل باب درکار ہے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس تخلیق کا سہرا انہی کے سر ہے۔ اگر وہ اس سلسلے میں "مکمل مدد اور تعاون" نہ کرتے تو شاید میں اپنے "مشن" میں کامیاب نہ ہوتا۔ شہیدوں کے کچھ دوست اندرونِ ملک میں مگر دور دراز شہروں میں مقیم تھے جن سے ملاقات کا موقع نہ مل سکا اور خط وکتابت کا سہارا لینا پڑا۔ ملاقاتوں کے دوران میں ایسے لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا جن سے ملاقاتوں کی خوش گوار اور روح پرور یادیں میری زندگی کا ایک "اٹوٹ انگ" بن چکی ہیں۔

ان یادوں نے میرے دل پر گہرے اور انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔

جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں میری انتہائی کوشش یہ تھی کہ شہیدوں کی داخلی اور خارجی زندگی کے تمام پہلو پیش کروں مگر اس میں حسبِ منشا کامیاب نہ ہو سکا۔ شاید اسی وجہ سے کتاب کا کوئی حصّہ تشنہ رہ گیا ہو۔ چنانچہ جو کچھ دستیاب ہو سکا اسی پر قناعت کرنا پڑی۔ حقیر سی کوشش پیشِ خدمت ہے۔ ہنوز تحقیق جاری ہے۔ انشاءاللہ تحقیق و جستجو کے جو زاویے اور پہلو اب کتاب کی زینت نہیں بن سکے آئندہ ایڈیشن میں شامل کیے جائیں گے۔ اُمید ہے اس کتاب کی اشاعت سے تعاون کا حلقہ وسیع تر ہو جائے گا۔ شہیدوں کی زندگی کے متعلق معلومات، آراء اور مشورے صدقِ دل سے قبول کیے جائیں گے۔

پروگرام کے مطابق کتاب کا نام "نشانِ حیدر" تجویز کیا گیا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ تینوں "نشان حیدر" کے حالاتِ زندگی اور کارنامے یک جا جمع کیے جائیں۔ ملاقاتوں کے علاوہ خط و کتابت سے بھی کام لیا۔ چنانچہ بعض مقامات پر کتاب میں "نشانِ حیدر" کی جھلک نظر آئے گی۔ اس سلسلے میں جواب میں آنے والے خطوط ملاحظہ ہوں۔ مگر جب سارا مواد جمع ہُوا تو پتہ چلا کہ اس طرح کتاب بہت زیادہ ضخیم ہو جائے گی اور طباعت و اشاعت وغیرہ کی الجھنیں بڑھ جائیں گی۔ جناب میجر جنرل محمد سرفراز خان نے "حرفِ آغاز" بھی "نشانِ حیدر" کے لیے ہی تحریر فرمایا۔ میں نے جب ان سے بعد میں پیدا ہونے والے مسائل کا ذکر کیا اور اُن سے اس امر کی اجازت طلب کی کہ مجھے "دیباچہ" جو تینوں شہیدوں پر حاوی ہے بصورت ضرورت ترمیم کرنے کی اجازت مرحمت فرمائیں تو انہوں نے نہایت فراخدلی کا ثبوت دیتے ہوئے ایسا کرنے کی اجازت دے

دی۔ چنانچہ اب "نشانِ حیدر" کے بجائے "فاتح لکشمی پور۔ میجر چوہدری طفیل محمد شہید "نشانِ حیدر" کے سوانح حیات اور کارنامے پیش کیے جارہے ہیں۔ دوسرے شہیدوں کے حالات اور کارنامے الگ کتابی صورت میں نذر کیے جائیں گے۔ میں میجر جنرل موصوف کا بے حد شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اپنے قیمتی وقت میں سے کچھ وقت میرے لیے نکالا ملاقاتوں کا موقع فراہم کیا اور نہ صرف "حرف آغاز" سے نوازا بلکہ بیش قیمت اور قیمتی مشورے بھی دیے۔

شہیدوں کے عزیزوں اور دوستوں کے تاثرات معلوم کرنا ہی اصل کام نہ تھا بلکہ ان سے ملاقاتوں کے علاوہ ایسی تحریروں، خطوط اور تصاویر کی بھی تلاش تھی جن سے شہید کی زندگی کے مختلف پہلو اجاگر ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں خاطر خواہ کامیابی ہوئی اور خطوط کے علاوہ ایسی تصاویر بھی حاصل ہوگئیں جو شہید کی زندگی کے مختلف زاویوں کی عکاسی کرتی ہیں۔ انہی ملاقاتوں کے دوران میں متعدد واقعات اور ان کی دلکش اور دل نشین جزئیات حاصل ہوئیں جو شہید کی سیرت و کردار پر بھرپور روشنی ڈالتی ہیں۔ میں شہید کے تمام عزیزوں، رفیقوں، دوستوں اور ساتھیوں کا دل کی اتھاہ گہرائیوں سے شکر گزار ہوں جنہوں نے اپنا قیمتی وقت صرف کر کے مختلف قسم کی معلومات بہم پہنچائیں۔

سب سے پہلے مجھے جناب میجر جنرل محمد امراؤ خان، میجر جنرل اے۔ اے کے نیازی، میجر جنرل فضل مقیم، بریگیڈیئر صاحب داد، لیفٹیننٹ کرنل محمد افضل، میجر محمد عثمان، میجر محمد جان، کیپٹن محمد اختر، کیپٹن عبدالرحمان سکواڈرن لیڈر ایم۔ ایچ

عثمان کا بالخصوص اور ڈاکٹر محمد رشید چودھری، ذوالفقار محمد چودھری- چوہدری نیاز علی چوہدری غلام عباس (مرحوم)، پیر عبدالحمید شاہ اور مولوی رحمت علی انور کا بالعموم شکریہ ادا کرنا ہے جنہوں نے معلومات فراہم کرنے میں میری ممکن مدد فرمائی۔

میں محترم دوست محمد محمود اعوان کا بھی شکرگزار ہوں جو مختلف ملاقاتوں کے دوران میں میرے شریکِ سفر رہے۔ میں برادرم سکندر خان کا شکریہ ادا کرنا اپنا خوشگوار فرض سمجھتا ہوں جن کی رفاقت اور معاونت سے دور دراز کا سفر خوشگوار طریق سے کٹا۔ میں اپنے محترم دوست خالد محمود کا بھی مشکور ہوں جنہوں نے مختلف مراحل میں میری مدد کی اور تصاویر بھی فراہم کیں۔ میرے محترم بزرگ جناب آباد شاہ پوری نے جس خلوص اور محبت سے تعاون فرمایا، عرق ریزی سے مسودے کے گیسو سنوارے اور نہایت قیمتی اور مخلصانہ مشوروں سے نوازا، ان کے لیے میں سراپا سپاس ہوں۔

مجھے اُمید ہے کہ جس طرح عوام میں ہمارے تیسرے ہیرو- میجر راجہ عزیز بھٹی شہید مشہور ہیں- اسی طرح ہمارے دوسرے ہیرو- میجر چوہدری طفیل محمد شہید بھی مقبول ہوں گے۔ اور عوام انہیں وہ مرتبہ دینے میں پس و پیش نہیں کریں گے- جس کے وہ مستحق ہیں- جہاں تک مشرقی پاکستان کا تعلق ہے وہاں ان کا اتنا ہی شہرہ ہے جتنا یہاں میجر راجہ عزیز بھٹی شہید کا۔ مگر ضرورت اس بات کی ہے کہ مغربی پاکستان کے عوام کے سامنے ان کے حالاتِ زندگی اور کارنامے پیش کیے جائیں- یہ امر باعث مسرت ہے کہ قیام پاکستان سے لے کر آج تک صرف تینوں شہیدوں کو "نشان حیدر" سے نوازا گیا ہے اور حسنِ اتفاق سے وہ مغربی پاکستان سے تعلق رکھتے ہیں پنجاب

رجمنٹ مبارک باد کی مستحق ہے کہ صرف اس کے افسروں کو یہ اعزاز ملا۔

جہاں تک میری ذات کا سوال ہے مجھے اس تحقیق و جستجو کا کیا صلہ ملا۔ مجھے اس کا زیادہ تردد نہیں اور نہ ہی مجھے اس کی خواہش ہے۔ میرے لیے سب سے بڑھ کر صلہ یہ ہے کہ میری حقیر کوشش سے یہ عظیم کام انجام پذیر ہوُا۔ میں نے اس جستجو کے دوران میں جو لمحات بسر کیے ہیں وہ گویا "حاصل زندگی" ہیں۔ یہ میری خوش نصیبی ہے کہ میں بھی ایک عظیم ہیرو کی خدمت کے قابل ہوُا۔ ورنہ ع

من آنم کہ من دانم

تاریخ ساز ہستیاں روز روز پیدا نہیں ہوتیں۔ جس طرح تاریخ قائد اعظمؒ یا علامہ سر ڈاکٹر محمد اقبالؒ اب دوبارہ پیدا نہ کر سکے گی۔ بالکل اسی طرح کیپٹن راجہ محمد سرور شہیدؒ۔ میجر چوہدری طفیل محمد شہیدؒ اور میجر راجہ عزیز بھٹی شہیدؒ جیسے ہیرو پیدا نہ ہونگے۔ وُہ تاریخ کے افق پر روشن ستارے بن کر چمکے اور آئندہ نسلوں کے لیے تابندہ و درخشندہ مثالیں چھوڑ گئے جو مشعل راہ کا کام دیں گی۔ اب ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے ان عظیم ہیروز کی قدر کریں اور جہاں تک ممکن ہو سکے ان کے کارنامے اجاگر کریں۔ اور ایصال ثواب پہنچائیں۔ خدا تعالیٰ ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے۔

ع

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

محمد حنیف شاہد

یکم اکتوبر ۱۹۶۷ء

۸۹۶/۲ این، سمن آباد

لاہور

*

نشانِ حیدر

ایک تاریخی جائزہ

*

نشانِ حیدر اس عظیم المرتبت، بہادر اور قوی اسلامی شیر کے نام سے منسوب ہے جس کی شجاعت، بہادری، مردانگی، شہسواری اور دلیری اور جس کی بے مثال قربانیاں اسلام کی تبلیغ کا بنیادی سنگ ہیں۔ یہ اعزاز دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت کی افواج قاہرہ کے اس مایہ ناز بہادر سپوت کو دیا جاتا ہے جس کی دلیری اور شجاعت اور جنگی خدمات سب سے زیادہ نمایاں اور ممتاز ہوں۔

نشانِ حیدر اسلام کے اس قابلِ فخر جیالے فوجی کی طرف منسوب ہے جس نے بدر و خیبر، اور خندق و احد نیز دوسری بڑی اسلامی جنگوں میں کفر و الحاد، حق و باطل، ظلم و استبداد کی طاقتوں سے نبرد آزمائی کی اور دشمن کو ہمیشہ کی نیند سلا دیا اور جس نے اپنی بہادری، دلیری اور شجاعت و مردانگی کے اَن مٹ اور لافانی کارناموں سے ملتِ اسلامیہ کا سر فخر و افتخار بلند کیا۔ جس نے اپنی متاعِ عزیز خدا کی راہ میں قربان کر دی اور دشمن

کے آگے جھکنے اور گھٹنے ٹیکنے پر موت کو ترجیح دی۔ جس نے کفر و الحاد کے بتوں کو چور چور کر دیا۔

نشانِ حیدر اس بہادر ترین مسلمان کی طرف منسوب ہے جس کے بے مثال کارناموں سے تاریخ کے اوراق جگمگا رہے ہیں۔

نشانِ حیدر، حیدرِ کرار، حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منسوب ہے۔ علیؓ وہ عظیم ترین شخصیت ہے جس کا نام سنتے ہی بڑے بڑے سورماؤں کے دل دہل جاتے تھے اور بڑے بڑے بہادر تھر تھرا اٹھتے تھے اور ان کے جسم میں کپکپی طاری ہو جاتی تھی۔ ہر سچے مسلمان اور مومن کے سینے میں اسی طوفان شجاعت کا عکس و پرتو پایا جاتا ہے۔ جو شیرِ خدا، حیدرِ کرار کے سینے میں موجزن تھا۔ جن کا عشق سچا اور جن کے لبوں پر مہرِ خاموشی ہے وہ فریاد نہیں کرتے وہ سودائے عشقِ محمدی میں مست رہتے ہیں۔

نشانِ حیدر پانے والا پاکستان کی شیر دل افواج کا ممتاز ترین رکن خیال کیا جاتا ہے۔

یہ نشان اس ذات سے تعلق رکھتا ہے جو بیک وقت عبادت گزار اور میدان کارزار کا بہادر ترین فرد ہو۔ عشق الٰہی اور سودائے عشق محمدی کا پروانہ، پیغمبر اسلام کے بعد قرآن کریم اور دین اسلام کا سب سے بڑا عالم اور مفسّر ہو، جس کی معجزہ نمائی دلیری اور شجاعت دشمنانِ اسلام کو نیست و نابود کر دے جو ظلم و ستم اور کفر و استبداد کے بت توڑ ڈالے۔

وہ لوگ کتنے خوش نصیب ہیں جو اس اعزاز سے متصف ہوتے ہیں۔ بلاشبہ

ان کا نام بھی حیدر کرارؓ کے نام نامی سے بہادری اور شجاعت، دلیری اور مردانگی کی تاریخ میں سنہری حروف سے لکھا جائے گا اور ہمیشہ تابندہ و درخشندہ رہے گا۔ پاکستان کی آنے والی نسلیں ان بہادر اور نڈر سپوتوں پر فخر کریں گی اور دوسری قوموں کے سامنے سر فخر و ناز بلند کریں گی۔ ہمیشہ وہی لوگ زندہ رہتے ہیں جو ملک و ملت کے لیے اپنی سب سے عزیز و پیاری چیز۔۔۔ جان۔۔۔۔ قربان کرتے ہیں۔ جو جام شہادت نمایاں اور ممتاز کارنامے سرانجام دیتے ہوئے، نوش کرتے ہیں۔ یقیناً دین و وطن کی راہ میں قربان ہونے والوں کو زندگی جاوید ملتی ہے۔

قربانیاں کبھی رائیگاں نہیں جاتیں۔ ان قربانیاں کی بارگاہ رب العزت اور بارگاہ رسالت میں بڑی قدر و منزلت ہے اور حیات بعد موت میں بڑا اجر ہے۔

نشانِ حیدر پانچ کونوں والا ایک ستارہ ہوتا ہے۔ اس میں ہلال اور ستارہ ہیرے کا ہوتا ہے اور باقی تمغہ توپ کی دھات یا تانبے اور رانگ کی آمیزش سے تیار کیا جاتا ہے۔ ستارے کے کونوں کے کنارے سفید اینمل کی بنی ہوئی تانبے اور نکل کی مرکب دھات کے ہوتے ہیں۔ فیتہ ریشمی اور سبز رنگ کا ہوتا ہے۔ جس کی چوڑائی ڈیڑھ انچ ہوتی ہے۔ جب اسے تمغے کے بغیر پہنا جائے تو ربن کے ساتھ اس پنج گوشے ستارے کی ایک مختصر سی نقل لٹکا دی جاتی ہے۔ نشانِ حیدر کی اوپر والی پٹی پر جلی حروف میں "نشانِ حیدر" کندہ ہوتا ہے۔

ستارے کی پچھلی جانب اس بہادر جانباز کے بارے میں مختصر معلومات درج ہوتی ہیں جن میں پاک آرمی نمبر، اعزاز پانے والے کا نام اور اس شہر کا نام جہاں اس نے کارنامہ انجام دیا، شہید ہونے کی صورت میں لفظ "شہید" نیز تاریخ وصالِ شہادت

قابلِ ذکر ہیں۔

یہ امر مسلّمہ ہے کہ نشانِ حیدر برطانوی فوج کے "وکٹوریہ کراس" کے برابر ہے لیکن میرا خیال یہ ہے کہ ع

چہ نسبت خاک را بعالم پاک

زمانۂ قدیم سے ہر ملک و ملّت میں یہ رواج چلا آرہا ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی نمایاں کام سرانجام دے تو حکومت کی طرف سے اسے کسی نہ کسی صورت میں انعام واکرام سے نوازا جاتا ہے۔ یہ انعام کبھی نقدی کی صورت میں دیا جاتا ہے اور کبھی عزت کا ایسا نشان دیا جاتا ہے جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کے نمایاں کردار کی یادگار کے طور پر اس شخص کے نام کے ساتھ چسپاں رہتا ہے۔ ایسے نشان کو "اعزاز" کہتے ہیں۔ ہمارے ملک میں بھی یہ رواج ہے اور "یومِ پاکستان" "یوم انقلاب" "یوم افواج پاکستان" وغیرہ کے موقعوں پر ہمارے صدر مملکت مختلف حضرات کو مختلف اعزازات سے نوازتے ہیں۔

اعزازات دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک فوجی اور دوسرے شہری پھر فوجی اعزازات بھی دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک جنگی اور دوسرے غیر جنگی۔ جنگی اعزازات دشمن کے خلاف لڑتے ہوئے بہادری اور جرأت دکھانے پر دیے جاتے ہیں۔ غیر جنگی اعزازات بھی ایسے ہی موقعوں پر دیے جاتے ہیں مگر یہ کارنامے دشمن سے نبرد آزما ہوتے ہوئے نہیں دیے جاتے۔

قیامِ پاکستان سے لے کر آج تک صرف تین پاکستانی جانبازوں نے "نشانِ حیدر" حاصل کیا ہے۔ اتفاق کی بات ہے کہ تینوں جیالوں نے یہ اعزاز جامِ شہادت نوش کر

کے حاصل کیا۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے کیپٹن راجہ محمد سرور شہید کا نام نامی آتا ہے۔ دوسرے نمبر پر میجر چوہدری طفیل محمد شہید ہیں اور زیرِ نظر کتاب اپنی سے متعلق ہے۔ تیسرے نمبر پر میجر راجہ عزیز بھٹی شہید ہیں، تینوں افسروں نے یکے بعد دیگرے ۲۷ر جولائی ۱۹۴۸ء، ۷ر اگست ۱۹۵۸ء اور ۱۲ر ستمبر ۱۹۶۵ء کو شہادت پائی۔

*

خاندان

***

باب ۔ ۱

اپنے خون سے تاریخ رقم کرنے والی شخصیات بہت کم ہوتی ہیں ۔ ایسی شخصیات عظیم ترین اعلیٰ خاندانی روایات اور قدرت کی خاص کرم نوازی اور بزرگوں کے فیضان سے بلند مرتبہ حاصل کرتی ہیں ۔ بچپن ہی سے ان کی شخصیت کی تعمیر ایک خاص ماحول میں ہوتی ہے ۔ جہاں تک میجر طفیل محمد شہید کے گھرانے کا تعلق ہے آپ کا گھرانا یقیناً ایک مثالی گھرانا ہے ۔ اور میں اپنی خوش قسمتی سمجھتا ہوں کہ اس عظیم خاندان کے اکثر افراد سے براہِ راست مجھے ملنے کا شرف حاصل ہُوا ہے ۔

یہ گھرانا بالخصوص فوجی برادری میں قابلِ ذکر اور قابلِ فخر ہے ۔ میجر طفیل محمد شہید کے بعد اس وقت اس خاندان کے افراد فوج میں اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں ۔ ان میں کیپٹن محمد اختر، سکواڈرن لیڈر محمد شریف ، فلائٹ سارجنٹ خورشید محمد اور چوہدری نیاز علی قابلِ ذکر ہیں ۔ جو اسی خاندان کے چشم و چراغ ہیں ۔ یہ خاندان سادگی ، خلوص ، سچائی محبت و اخوت اور عبادت کا مجسمہ ہے ۔ مجھے اس کتاب کی ترتیب کے سلسلے میں اس خاندان کے مختلف افراد سے ملاقات کا موقع ملا ہے ۔ ان کے خلوص، حسنِ سلوک عالی ظرفی ، صدق شعاری ، مہمان نوازی اور بے لوث خدمت سے بے حد متاثر ہُوا ہوں ۔ میں نے پورے خاندان کو اوصافِ حمیدہ اور صفات برگزیدہ کا حامل پایا ہے ۔

یہ اپنی عادات ، و اطوار ، رہن سہن ، سادگی اور دینداری میں ایک خالص پنجابی

خاندان ہے۔۔

خاندانی حالات:۔

میجر طفیل محمد شہیدؒ کا آبائی وطن موضع کھرکان، تحصیل وضلع ہوشیار پور (ہندوستان) ہے موضع کھرکان "کوہ شوالک" کے دامن میں ہوشیار پور سے سات میل کے فاصلہ پر ہوشیار پور سے "اوز" کو جانے والی سڑک پر واقع ہے۔ آپ کے خاندان کے مکانات کچھ تو کوہ شوالک کے دامن میں اور کچھ میدانی علاقے میں تھے۔ یہ جگہ بہت پرفضا تھی۔ میجر شہید کے والد چوہدری موج الدین گاؤں کے متموّل ترین شخص تھے۔ اُن کا بڑا شہرہ تھا۔ گاؤں کے مقدمات کے فیصلے کرتے تھے۔ کسی شخص کو بھی ان کے فیصلے سے روگردانی کرنے کی مجال نہ تھی۔ گاؤں میں اگر کوئی لڑائی جھگڑا ہو جاتا اور چوہدری صاحب وہاں موجود نہ ہوتے تو واقعے کے بعد وہاں تشریف لے جاتے اور بلند آواز سے ایک بار لڑنے جھگڑنے والوں کو روک دیتے تو کسی کو ان کے حکم کی نافرمانی کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔ بس کھڑے کھڑے فیصلہ کر دیتے اور لوگ جو ایک دوسرے کی جان کے درپے ہوتے خوشی خوشی گھر لوٹ جاتے۔

چوہدری موج الدین بڑے متقی اور پرہیزگار تھے۔ دن کے وقت دنیاوی مسائل نپٹاتے اور رات کو دیر تک عبادت میں مصروف رہے۔ صبح سویرے اُٹھ بیٹھتے اور نوافل وغیرہ پڑھتے۔ تمام معاملات میں اپنے پیرومرشد خلیفہ غلام محمد صاحب سے مشورہ اور اجازت طلب کرتے اور کوئی کام ان کے مشورہ کے بغیر نہ کرتے۔

چوہدری صاحب نے پرائمری تک تعلیم اپنے گاؤں ہی سے حاصل کی۔ اور

پانچویں جماعت موضع "نارو ننگل" سے پاس کی۔ نارو ننگل موضع کھرکان سے تین چار میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ امتحان مڈل قصبہ "ماہل پور" سے پاس کیا۔ آپ اپنی جماعت کے بہترین لڑکوں میں سے تھے۔ پڑھائی میں دلچسپی اور محنت و مشقت کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ نے امتحان مڈل دوسرے نمبر پر پاس کیا۔ میجر شہید کے دادا چوہدری علی بخش نے اپنے تمام لڑکوں کو مڈل تک تعلیم دلوائی تھی۔ اس زمانے میں مڈل پاس کی بڑی قدر تھی۔ میجر شہید کے تایا چوہدری کریم بخش گاؤں کے اسکول میں معلم تھے۔ وُہ بڑے سخت گیر تھے۔ خورشید صاحب کا بیان ہے کہ مذکورہ بالا سکول ان کے دادا چوہدری علی بخش نے کھلوایا تھا۔ چوہدری علی بخش گاؤں کے امیر ترین زمیندار تھے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ چوہدری صاحب نے اپنے تینوں لڑکوں چوہدری کریم بخش، چوہدری موج الدین اور چوہدری رکن الدین کو مڈل تک تعلیم دلوائی۔ اس زمانے میں تعلیم کا عام رواج نہ تھا۔ اور معمولی پڑھے لکھے انسان کی بڑی عزت و توقیر کی جاتی تھی۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے انہوں نے دور دراز علاقہ میں پرائمری سکول بھی کھلوایا تاکہ تعلیم عام ہو۔

چوہدری موج الدین نے اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ایک سال تک زمینداری کی۔ خورشید صاحب کا بیان ہے کہ اس سال اتنی زیادہ گندم ہوئی کہ پچھلے تمام سالوں میں نہیں ہوئی تھی۔ چوہدری صاحب جو کام بھی کرتے نہایت ہی محنت اور جانفشانی سے انجام دیتے تھے۔ بعد ازاں وُہ محکمۂ مال میں "پٹواری" کی حیثیت سے ملازم ہو گئے۔ ان کی تعیناتی موضع "سارو باد" ضلع جالندھر میں ہوئی اور تقسیم ملک تک (تقریباً چالیس سال تک) وہیں رہے۔ میجر طفیل محمد شہید، چوہدری اقبال محمدؐ۔ چوہدری خورشید محمد

اوران کی ایک ہمشیرہ وہیں پیدا ہوئیں۔ "سارو باد"، جالندھر سے ہوشیار پور جانے والی سڑک پر "شام چوراسی ریلوے اسٹیشن سے تین میل اور قصبہ "شام چوراسی" سے مغرب کی جانب آدم پور سے ہریانہ جانے والی سڑک پر صرف ایک میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ خورشید صاحب کا کہنا ہے کہ چوہدری موج الدین فرمایا کرتے کہ جب وہ تعینات ہو کر سارو آباد آئے تو یہ علاقہ "چویا کھڈ برد" تھا۔ یعنی چویا کھڈ بہتی تھی۔ بعدازاں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کا بہاؤ بھی تبدیل ہو گیا اور وہ علاقہ بڑا سر سبز و شاداب ہو گیا۔ اور جو "سپرو وال" کے نام سے مشہور ہے۔ اس جگہ چشمے وغیرہ پھوٹتے ہیں۔

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے چوہدری موج الدین، والد محترم میجر طفیل محمد شہیدؒ نہایت نیک، پارسا اور عبادت گزار تھے۔ حسن سلوک، جذبۂ ہمدردی، محبت اور رواداری، یتیموں و بیواؤں اور بیکسوں کی مدد، یہ تمام خصوصیات ان میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ اپنے گاؤں میں "مولوی" کے نام سے مشہور تھے۔ نماز، روزہ اور زکوٰۃ کی سختی سے پابندی کرتے تھے۔ شب بیدار تھے بقول خورشید صاحب جب تمام اہل خاندان سو جاتے تو وہ مصلّیٰ بچھا لیتے اور وظیفہ وغیرہ میں مشغول ہو جاتے اور جب صبح نماز کے لیے بیدار ہوتے تو انہیں مصلّیٰ پر موجود پاتے۔

تقسیم کے وقت آپ کا خاندان پاکستان آگیا اور چک نمبر ۲۵۳ - ای - بی ضلع ساہیوال میں آباد ہو گیا۔ یہ موضع مشہور جرنیلی سڑک لاہور - ملتان روڈ کے ۱۵۰ ویں میل پر واقع ہے۔ لاہور سے جاتے ہوئے سڑک بائیں جانب موضع کا بہت بڑا پتھر کا "MILE STONE" ہے۔ یہیں سے میجر طفیل محمد شہید روڈ شروع ہوتی ہے۔

اور اسی روڈ پر شہید کا مزار ہے۔ اس سڑک سے موضع تقریباً چھ فرلانگ دُور ہے آبادی گیارہ سو نفوس پر مشتمل ہے۔ اس کی کل زمین پچاس مربع ہے۔ شروع شروع میں (قیام پاکستان سے قبل) یہاں کی زمین بالکل غیر آباد اور غیر مزروعہ تھی۔ قیام پاکستان کے بعد جب یہ خاندان پاکستان آیا تو اہل خاندان نے یہ زمین پسند کی۔ اس وقت تمام خاندان کی ملکیت کل بتیس مربع زمین ہے۔ جن میں سے صرف چوہدری اقبال محمد، میجر طفیل محمد اور خورشید محمد کے نام ساڑھے پندرہ مربعے زمین ہے۔ اس میں سے سات مربع زمین میجر شہیدؒ نے "ٹیوب ویل سکیم" کے تحت قسطوں پر خریدی تھی۔ تمام اقساط بیس سال میں قابل ادائیگی تھیں مگر انہوں نے دس سال کے اندر اندر پوری قیمت ادا کر دی۔ تین مربع زمین "نشان حیدر" کے صلے میں حکومت پاکستان نے بطور انعام عطا فرمائی۔ ساڑھے تین مربع زمین آپ لوگوں کو اپنی ہندوستان میں چھوڑی ہوئی جائیداد کے بدلے میں ملی اور دو مربع زمین نیلامی میں خرید کی گئی۔

میجر شہید کے والد ماجد نے اسی چک میں داعیٔ اجل کو لبیک کہی اور چک کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ آپ کے صاحبزادوں نے آپ کی قبر کو سنگِ مرمر سے بنوایا اور درج ذیل کتبہ کندہ کروا کر لگوایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آخری آرامگاہ

چوہدری موج الدین ولد چوہدری علی بخش گوجر، موضع کھرکاں حال مقیم

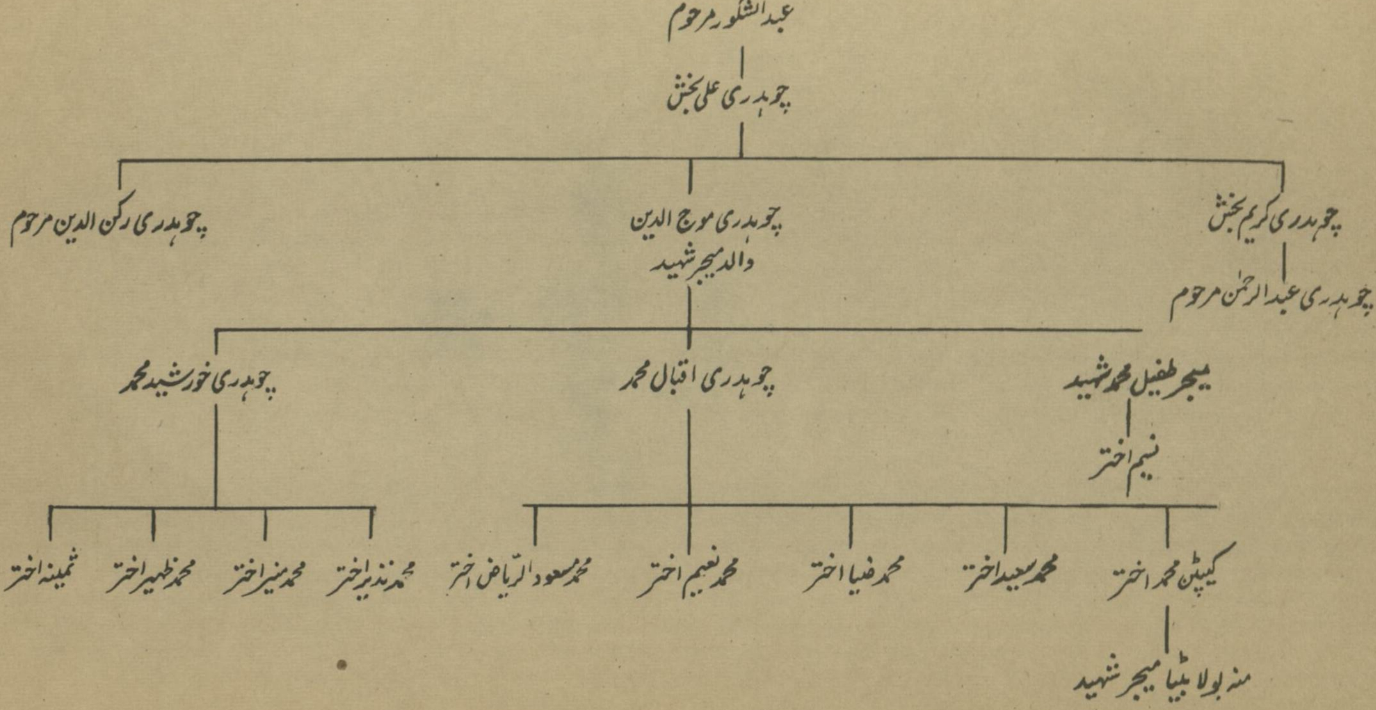
چک نمبر ۲۵۲/ای۔بی۔ تحصیل پاک پتن۔ ضلع ساہیوال۔

تاریخ وفات : ۷ر دسمبر ۱۹۴۸ء

آئے تھے اور سیر گلشن کر چلے ۔ دیکھ مالی باغ اپنا ہم تو اپنے گھر چلے

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

شجرۂ نسب


عبدالشکور مرحوم
چوہدری علی بخش
چوہدری رکن الدین مرحوم
چوہدری موج الدین
والد میجر شہید
چوہدری کریم بخش
چوہدری عبدالرحمٰن مرحوم
چوہدری خورشید محمد
چوہدری اقبال محمد
میجر طفیل محمد شہید
نسیم اختر
ثمینہ اختر
محمد ظہیر اختر
محمد منیر اختر
محمد نذیر اختر
محمد مسعود الرّیاض اختر
محمد نعیم اختر
محمد ضیا اختر
محمد سعید اختر
کیپٹن محمد اختر
منہ بولا بیٹا میجر شہید

*

میجر چوہدری طفیل محمد شہید

"نشانِ حیدر"

باب : ۲

بچپن :- [۱]

پہلی جنگ عظیم کا آغاز ہو چکا تھا۔ جناب چوہدری موج الدین موضع سارو باد تحصیل و ضلع جالندھر میں بحیثیت پٹواری خدمات انجام دے رہے تھے۔ میجر شہید کی والدہ محترمہ بھی یہیں تشریف لے گئیں اور یہیں بڑے آرام و آسائش کی زندگی بسر کر رہی تھیں۔ ۲۲، جولائی ۱۹۱۴ء کو میجر شہیدؒ نے اپنے وجود ذی جود سے بوقت صبح صادق اپنی والدہ محترمہ کی آغوش کو منور فرمایا۔ بعض رسالوں اور کتابوں میں آپ کے حالات زندگی بہت مختصر بیان کیے گئے ہیں جہاں آپ کی پیدائش موضع کھرکاں ضلع ہوشیار پور بتائی گئی ہے۔ یہ بات درست نہیں۔ آپ کے والد محترم نے اپنی زندگی کے چالیس سال سارو باد ضلع جالندھر میں گزارے اور یہیں میجر شہیدؒ عالم وجود میں آئے۔

قبلہ چوہدری اقبال محمد صاحب کا بیان ہے کہ آپ کا نام آپ کے والدِ محترم

---

[۱] افسوس کہ میجر طفیل محمد شہیدؒ کی بچپن کی تصاویر کتاب کی زینت نہیں بن سکیں۔ قیام پاکستان کے وقت جب آپ کا خاندان پاکستان آیا تو چند صندوق جن میں شہید کی قیمتی اشیاء رکھی ہوئی تھیں تلف ہو گئے اور ان کے ساتھ تصاویر اور لائبریری کتب بھی ضائع ہو گئیں۔

کے پیرو مرشد خلیفہ غلام محمد صاحب نے طفیل محمد تجویز فرمایا۔ یعنی "طفیل محمدؐ" محمدؐ کے طفیل، محمدؐ کے صدقے، یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ آپ کے والد محترم ہر کام میں اپنے پیر و مرشد سے مشورہ اور اجازت طلب فرماتے تھے۔ ان کی اجازت اور مشورے کے بغیر کوئی کام پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچاتے تھے۔

تعلیم و تربیت :

چونکہ آپ کے والد محترم بڑے عابد، شب بیدار، نیک پارسا اور عالم باعمل تھے۔ اور دین کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے اس لیے میجر شہیدؒ کی تربیت بھی اسی ماحول میں ہوئی۔ اسی تعلیم کا یہ اثر تھا کہ آپ بچپن ہی سے رحمدل، سخی، ملنسار خوش خلق، بہادر اور پابند صوم صلوٰۃ تھے۔ پانچ برس کی عمر میں آپ کو آپ کے والد کے پیر و مرشد خلیفہ غلام محمد اور کئی ایک دیگر بزرگانِ دین کے ہمراہ موضع شام چوراسی (موضع سارو باد سے مشرق کی جانب ایک میل کے فاصلہ پر واقع ہے)، کے ہائی اسکول میں داخل کرایا گیا اور "رسم بسم اللہ" بڑی شان و شوکت سے ادا کی گئی۔

اسی اسکول سے آپ نے میٹرک کا امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کیا بعد ازاں گورنمنٹ کالج جالندھر سے ایف۔ اے کیا۔ آپ شروع ہی سے ہونہار چشم و چراغ ثابت ہوئے۔ آپ کے والد آپ کو اعلیٰ تعلیم دلوانا چاہتے تھے مگر میجر شہیدؒ کا رجحان فوجی زندگی کی طرف تھا۔ اسی لیے آپ نے پہلے تو پس و پیش کی لیکن بعد ازاں آپ والد محترم کے ارشاد کے مطابق گورنمنٹ کالج جالندھر میں داخل ہو گئے۔

شادی و اولاد:

میجر طفیل محمد کی شادی اپنے ہی خاندان کی ایک نیک دل خاتون سے ہوئی۔ میجر شہید کی نرینہ اولاد نہیں تھی۔ انہوں نے اپنے بھائی چوہدری اقبال محمد کے صاحبزادے کیپٹن محمد اختر کو "منہ بولا بیٹا" بنایا ہوا تھا۔ میجر شہید کی ایک صاحبزادی نسیم اختر ہیں جو لاہور کالج میں زیرِ تعلیم ہیں۔ آپ اپنی والدہ محترمہ "نیاز بی بی" کے ہمراہ جناب خورشید محمد کے ہاں لاہور چھاؤنی میں مقیم ہیں۔ انہوں نے ہی صدرِ مملکت فیلڈ مارشل محمد ایوب خان سے ۱۴ اگست ۱۹۵۹ء کو "یومِ آزادی" کے مبارک موقع پر ایک خاص تقریب میں "نشانِ حیدر" حاصل کیا تھا۔

میجر شہید کو اپنے بھائی چوہدری خورشید محمد کے بچوں سے بڑی محبت تھی۔ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ بیگم میجر شہید اور خورشید محمد کی بیگم دونوں سگی بہنیں ہیں اور جب بیگم خورشید محمد کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو میجر شہیدؒ نے اس کا نام خود "نذیر" کے بجائے "نظیر اختر" "اختر کی مانند" رکھا۔

حلیہ:۔

میجر طفیل محمد شہیدؒ نہایت خوبصورت نوجوان تھے۔ آپ کی آنکھیں بڑی بڑی، پیشانی کشادہ، اوسط درجہ کا قد، بدن چھریرا۔ بازو گول، کلائیاں چوڑی، سینہ چوڑا اور تمام اعضا متناسب تھے۔ آپ کی آواز نہایت صاف اور بلند تھی اور رنگ گندمی تھا۔

اخلاق و عادات :

قدرت نے آپ کو عزم و استقلال اور جرأت و شجاعت سے بھرپور دل عطا فرمایا تھا۔ آپ ایک فوجی افسر ہونے کے باوجود نہایت خلیق، شیریں زبان اور انکسار پسند تھے۔ آپ کے چہرے پر ہمیشہ مسکراہٹ کھیلتی رہتی تھی۔ آپ کبھی کھلکھلا کر زور سے نہ ہنستے بلکہ تبسم فرماتے۔ آپ اپنے آپ کو ماحول کے مطابق فوراً ڈھال لیتے چنانچہ بچوں میں بچے، جوانوں میں جوان اور بوڑھوں میں بوڑھے بن جاتے، غم و فکر کو کبھی پاس نہ پھٹکنے دیتے۔ ہمیشہ خوش و خرم رہتے تھے اور دوسروں کو بھی خوش رکھنے میں کوشاں رہنا اپنا فرض اولین سمجھتے تھے۔ خواہ کتنا ہی کوئی افسردہ خاطر ہوتا ان سے مل کر باتیں کر کے خوش ہو جاتا اور اس کا غم غلط ہو جاتا۔ آخر دم تک ان کی زندہ دلی اور انسان دوستی ویسی ہی رہی۔ ظاہری شان و شوکت کو پسند نہیں کرتے تھے۔ ان کے مزاج میں غرور و نخوت کا نام و نشان تک نہ تھا۔ قبلہ عبدالحمید شاہ صاحب کا بیان ہے کہ میں جب کبھی ان سے ملتا (جب آپ رخصت پر گھر آتے) تو انہیں دیہاتی لباس میں ملبوس پاتا۔ فوجی لباس میں میں نے انہیں کبھی نہیں دیکھا۔ چنانچہ میں نے ان سے کہا کہ آپ فوجی لباس وردی پہن کر تشریف نہیں لاتے۔ تو میجر شہید ہنس کر کہنے لگے "شاہ صاحب، یہ گاؤں ہے یہاں وردی کسے دکھاؤں۔ گاؤں میں تو دیہاتی لباس ہی پہننا مناسب ہے"

اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایثار پسندی کا جذبہ فیاضی سے عطا فرمایا تھا۔ فیاض اور سخی ایسے تھے کہ کوئی شخص بھی آپ کے در سے خالی ہاتھ نہ لوٹتا۔ آپ نے بچپن سے لے کر آخر دم تک سعادت اور پاکیزہ کردار کے ساتھ زندگی بسر کی۔ طلبِ فقر، محبتِ الٰہی

ہمدردئ اسلام، غم خواری بے کس و ناتواں میں زندگی گزار دی۔

معمول:

آپ صبح سویرے اٹھتے، نماز پڑھتے اور طلوع آفتاب کے ایک گھنٹہ بعد تک تلاوت فرماتے۔ تلاوت کے بعد سیر۔تفریح کے لیے تشریف لے جاتے۔ آپ اکیلے کبھی نہ جاتے۔ آپ کے ہمراہ ضرور ایک دو عزیز ہوتے۔ سیر کے دوران عام لوگوں مزارع ہو یا مالک، نوکر ہو یا آقا، غریب ہو یا امیر سب کے احوال پوچھتے۔ اگر کوئی شخص ہل چلا رہا ہوتا تو اس کے بیلوں کے بارے میں دریافت فرماتے، زمین، فصل اور پانی کا پوچھتے۔ ان کی تکالیف کے بارے میں دریافت کرتے اگر کسی قسم کی مدد کی ضرورت ہوتی تو بلا تامل مدد فرماتے۔ اپنے کھیتوں کی دیکھ بھال کرتے، ان کی بہتری کے لیے مشورے دیتے۔ آپ کو باغبانی کا بڑا شوق تھا چنانچہ آپ کی کوششوں سے ایک اچھا خاصا باغ لگ گیا۔ جو تا حال موجود ہے۔ اپنے مزارعوں سے اپنے برادر خورد جناب چوہدری اقبال محمدؒ کے سلوک کے بارے میں دریافت کرتے اور ان کی ہر ممکن امداد فرماتے۔

صبح کی سیر کے بعد نہاتے، اور پھر ناشتہ کرتے۔ ناشتہ کے بعد مطالعہ فرماتے اور اپنے خاندان کے بچوں کو خطوط اور مضامین لکھنا سکھاتے۔ جب آپ گاؤں میں ہوتے تو لوگوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ ملاقاتیوں کا سلسلہ جاری رہتا۔ کوئی ملنے کے لیے آرہا ہے تو کوئی کسی سفارش کی غرض سے حاضر خدمت ہوا ہے۔ کوئی اپنے بچے یا عزیز کو فوج میں بھرتی کرانے کے لیے لے کر حاضر ہوا ہے تو کوئی مدد کا خواستگار

ہے۔غرضیکہ ہر قسم کے لوگ آپ کے ہاں آتے جاتے - ملاقاتیوں کی آمد کے ساتھ ساتھ خورد ونوش کا سلسلہ بھی جاری رہتا۔آپ ایک بہت اچھے مہمان نواز تھے۔ لوگوں کی خدمت کر کے بہت خوش ہوتے کبھی کوئی شخص آپ کے ہاں بغیر کھائے پیے نہیں لوٹتا۔ اس طرح میل جول میں دوپہر کے کھانے کا وقت ہو جاتا۔

دوپہر کا کھانا کھا کر آرام فرماتے۔ظہر کے وقت اٹھتے - نماز سے فارغ ہو کر پھر مطالعہ شروع کر دیتے -عصر کی چائے آپ کا معمول تھا۔چائے کے ساتھ مٹھائی بسکٹ وغیرہ ضرور استعمال کرتے - ملاقاتیوں کا سلسلہ بھی جاری رہتا۔ انہیں باصرار چائے پلاتے - ازاں بعد سیر و تفریح اور کھیل کود میں حصہ لیتے۔گھوڑے کی سواری شوق سے کرتے - شام کے وقت نہا دھو کر نماز مغرب ادا فرماتے -اس کے بعد خاندانی شجرہ اور وظیفہ پڑھتے -جب آپ فارغ ہو جاتے تو مجلس جم جاتی - باتوں کا سلسلہ جاری ہو جاتا۔ باتوں باتوں میں کھانے کا وقت ہو جاتا تو تمام حاضرین کو باصرار کھانا کھلاتے۔ اگر سردیوں کا موسم ہوتا تو گنا بھی چوس لیتے - اس طرح عشاء کی نماز کا وقت ہو جاتا - نماز سے فارغ ہو کر کچھ دیر باتیں کرتے اور پھر تمام لوگوں کو آرام کرنے کی تلقین فرما کر سو جاتے آپ کبھی دس گیارہ بجے سے پہلے نہ سوتے -

کھانا :

آپ ایک بہت اچھے مہمان نواز تھے -مہمانوں کی خدمت کر کے بہت خوشی محسوس کرتے جب کبھی چھٹی پر ہوتے تو گھر والوں سے کہتے کہ " یہاں دگاؤں) کھانا اور طبیعت بدلنے کے لیے آتا ہوں - عام طور پر مرغی - انڈے - قورمہ

زردہ اور پلاؤ وغیرہ سے احتراز کرتے۔ البتہ مہمانوں کے ہمراہ یہی اشیاء کھا لیتے ورنہ سادہ غذا جس میں ساگ، کڑی، آلو وغیرہ شامل ہوں شوق سے کام و دہن سے تواضع فرماتے۔ بازار سے چیزیں خریدنے سے منع فرماتے۔ آپ کہا کرتے تھے کہ بسکٹ، کیک، پیسٹری وغیرہ تو گھر میں بنائی جا سکتی ہیں جو سستی اور عمدہ ہوتی ہیں لہٰذا ایسی چیزیں گھر میں بنانی چاہئیں۔ آپ مٹی کے پیالے میں چائے نوش فرمانے کو ترجیح دیتے۔ اگر کوئی چینی کا پیالہ پیش کرتا تو فرماتے "اس میں زیادہ لطف آتا ہے لیکن آپ کے لیے چینی کا پیالہ بہتر ہے۔" آپ عصر کے وقت عموماً چائے نوش فرماتے اور تمام حاضرین کو چائے پینے کی دعوت دیتے بلکہ باصرار انہیں چائے پلاتے اور کیک پیسٹری اور بسکٹ وغیرہ کھلاتے۔ ہر ایک چیز خود پیش کرتے اور فرماتے یہ بہت اچھی ہے ذرا اسے استعمال کر کے تو دیکھیے۔ آپ عموماً سردیوں میں رخصت پر آتے۔ چھٹی سے پہلے جناب محمد اختر کو اطلاع دیتے اور وہ بھی ساتھ ہی گاؤں پہنچ جاتے۔ رخصت کے دوران دور و نزدیک سے لوگ آتے جاتے۔ کیپٹن دائم خان اور کیپٹن زلف دین جو چک نمبر ۲۰۱ - ای۔ بی میں مقیم ہیں۔ آپ کے دوستوں میں سے ہیں۔ وہ عموماً آپ کی چھٹی کے زمانے میں ملاقات کی غرض سے تشریف لاتے۔

صبح کے وقت ناشتے میں جو چیز مل جاتی بخوشی کھا لیتے۔ اپنی مرضی یا فرمائش سے کبھی کوئی چیز نہیں بنوائی۔ مہمانوں کے ہمراہ ہر چیز نوش فرماتے ورنہ عموماً صبح کے وقت لسی میں برف ڈال کر تمام اہل خاندان کے ہمراہ بیٹھ جاتے اور سب کو خود کھلاتے پلاتے۔ آپ کسی چیز کو عادت نہ بناتے۔ مزاج بدلنے کے لیے اشیاء

کو بھی بدلتے رہتے تھے۔

دوپہر کا کھانا تمام اہل خاندان کے ساتھ کھاتے۔ آپ زمین پر دستر خوان بچھا لیتے اور سب کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے۔ دوپہر کے کھانے کے وقت کبھی بھی بیس پچیس آدمیوں سے کم نہ ہوتے۔ یہی اصول اب تک قائم ہے۔ آپ بیٹھک میں دروازے کے سامنے بیٹھا کرتے اور ہر آنے والے کا پُرجوش استقبال فرماتے۔ چوہدری اقبال محمد صاحب کا بیان ہے کہ اگر گاؤں کا بھنگی بھی آ جاتا اور آپ موجود ہوتے تو خود دروازے تک جا کر اس کا استقبال کرتے اور اندر لا کر اُسے بیٹھنے کی دعوت دیتے۔ چوہدری نیاز علی کا کہنا ہے کہ جب میجر شہیدؒ نے مجھے فوج میں بھرتی کرایا تو صبح کے ناشتے کے وقت آپ کے لیے انڈے اور مکھن وغیرہ لائے جاتے آپ خود نہ کھاتے بلکہ مجھے زبردستی کھلا دیتے۔ دوسروں کو کھلا کر بہت خوش ہوتے آپ رخصت پر آتے تو مٹھائی اور پھل وغیرہ ضرور لاتے اور اپنے تمام عزیزوں میں تقسیم فرماتے۔"

لباس :

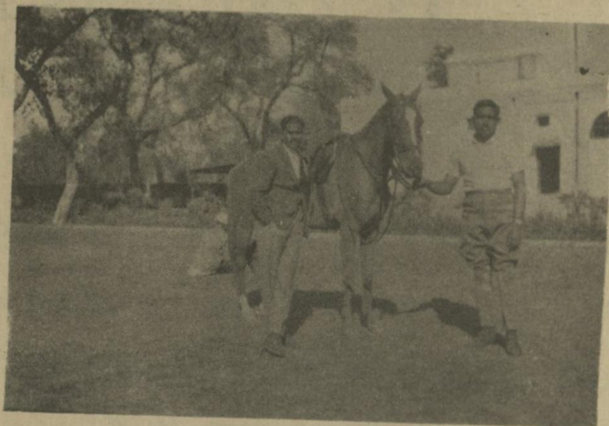
آپ موقع اور حالات کے موقع لباس پہنتے تھے۔ جب فوج میں ہوتے تو فوجی لباس زیب تن کرتے اور جب گاؤں تشریف لاتے تو کبھی وردی نہ پہنتے۔ آپ کلاہ اور پگڑی بھی استعمال کرتے اور جناح کیپ بھی پہنتے۔ زبردست مذہبی فیضان کے پیش نظر شروع شروع میں تصاویر کے خلاف تھے مگر فوج میں بھرتی ہونے کے بعد قدرے نرم ہو گئے اور تصاویر اتروانے لگے۔ گھر میں عموماً شلوار یا دھوتی باندھتے۔

ہر روز نئے کپڑے زیب تن کرتے ۔ دن میں تین بار ضرور نہاتے ۔ گاؤں میں کبھی بھی بوٹ یا ملکیشن نہ پہنتے ، صرف دیسی جوتے استعمال میں لاتے ۔ آپ نے ہر چیز کے کئی کئی جوڑے بنوا رکھے تھے ۔ چنانچہ آپ کے جوتوں کے بیس پچیس جوڑے اب تک موجود ہیں ۔ آپ خوش پوشاک اور خوش لباس تھے ۔ نیز بہت صفائی پسند تھے ۔ آپ جب کبھی چھٹی پر آتے تو بہترین کپڑا لاتے اور تمام خاندان میں نمونے کے طور پر ایک ایک جوڑا تقسیم کرتے ۔ چنانچہ آپ کی ڈھاکہ سے لائی ہوئی ململ ، کمبل جائے نماز وغیرہ ابھی تک محفوظ ہیں ۔ آپ ہمیشہ اچھے سے اچھا کپڑا پہنتے تھے ۔ کپڑوں کے لیے آپ نے انگلستان سے ایک پیٹی منگوائی تھی ۔ جو اب تک موجود ہے ۔

کھیل کود :

آپ اپنی یونٹ میں ہاکی ۔ لمبی چھلانگ ، کرکٹ وغیرہ کھیلتے ۔ جب رخصت پر گھر آتے تو بچوں کو لے کر جن میں بالخصوص محمد اختر شامل ہوتے کرکٹ کھیلتے ۔ خود باؤلنگ کرتے ۔ گھوڑے کی سواری بڑے شوق سے کرتے ۔ ایک دفعہ چوہدری اقبال محمد نے ایک گھوڑا خریدا ۔ مگر اس پر سواری نہ کرتے تھے ۔ میجر شہیدؒ رخصت پر آئے تو سواری کا ارادہ ظاہر کیا ۔ اس پر چوہدری اقبال محمد کہنے لگے کہ گھوڑا اڑیل ہے ۔ سواری نہیں کرنے دیتا ۔ آپ نے کہا میں سواری کر کے چھوڑوں گا ۔ چنانچہ آپ گھوڑے پر سوار ہو کر گاؤں کے باہر غیر مزروعہ زمین میں تشریف لے گئے اور ڈیڑھ دو گھنٹے تک خوب گھوڑا دوڑایا ۔ جب واپس آئے تو گھوڑا پسینے سے

شرابور تھا۔



سواری کرنے کے موڈ میں

آپ دوڑ میں بھی حصہ لیتے ۔ چنانچہ پریڈ کے دوران اتنا تیز چلتے کہ پلٹن پیچھے رہ جاتی ۔ گھر آتے تو آپ کے ہمراہی پیچھے رہ جاتے ۔ چوہدری اقبال محمد فرماتے ہیں کہ ایک بار آپ غیر مزروعہ زمین میں (جواب آپکی ملکیت ہے) کھیل رہے تھے آپ نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا کہ یہ زمین ہمیں خرید لینی چاہیے ۔ چنانچہ یہی زمین بعد ازاں انہوں نے ٹیوب ویل سکیم کے تحت خرید لی ۔

آپ کو شطرنج ، چوسر ، تاش وغیرہ سخت ناپسند تھے اور دوسروں کو بھی سختی سے منع کرتے تھے ۔

شکار :

آپ کو شکار کا بہت شوق تھا ۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے خاص بندوق لے

رکھی تھی۔ فرصت کے اوقات یا چھٹی کے دنوں میں شکار کا شوق پورا کرتے۔ چنانچہ آپ گلگت سے ہریال اور مارخور شکار کر کے لائے تھے۔ ان کے دو سینگ جو بیل کے سینگوں کی مانند ہیں۔ اب تک آپ کے گھر میں موجود ہیں۔ آپ کا خیال تھا کہ اپنی کوٹھی تعمیر کرائیں گے تو ان سینگوں کو بیٹھک پر آویزاں کریں گے۔ کوٹھی کی تعمیر کے لیے آپ نے منٹگمری اور بورے والا میں زمین بھی خریدی بلکہ منٹگمری والی زمین کا نقشہ بھی پاس کروا لیا تھا مگر یہ پروگرام مکمل نہ ہو سکا۔ آپ کو پرندے پالنے کا بھی بہت شوق تھا چنانچہ آپ گلگت سے ایک چکور بھی لائے جو یہاں کی گرمی برداشت نہ کر سکا اور جلد ہی مر گیا۔ چکور کا پنجرہ بطورِ نشانی موجود ہے۔ آپ نے "بلّو" نامی ایک کتا بھی پال رکھا تھا۔ جب آپ رخصت پر گھر آتے تو وہ آپ کو دیکھ کر لوٹ پوٹ ہو جاتا۔ آپ کی شہادت کے بعد "بلّو" بھی مر گیا۔

علم و ادب سے لگاؤ:

آپ کی پرورش چونکہ خالص مذہبی طریقے سے ہوئی تھی اس لیے آپ کی شخصیت میں مذہبی رنگ زیادہ جھلکتا ہے۔ تلاوت قرآن پاک تو آپ کا روز کا معمول تھا۔ خاص طور پر سورۃ الرحمٰن" ضرور تلاوت کرتے۔ پابند صوم و صلوٰۃ تھے۔ وظیفے اور دعائیں وغیرہ پڑھتے۔ بلکہ سفر میں چند کتب۔ جن میں دینی کتب (دعاؤں کی کتابیں، پنج سورہ اور حمائل شریف بھی شامل ہے)، اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ مذہبی کتابیں، سوانح عمری تاریخ اور معلومات عامہ کی کتابیں آپ کے مطالعے میں رہتیں۔ ہندوستان میں موضع سارو باد میں قیام کے دوران آپ کا ایک چھوٹا سا کتب خانہ جمع ہو گیا تھا مگر تقسیم

ملک کے وقت یہ قیمتی خزانہ آپ کے ہاتھ سے جاتا رہا۔ پاکستان میں آنے کے بعد آپ نے بے شمار کتابیں جمع کیں۔ جن میں کچھ تو گم ہوگئیں۔ کچھ دوستوں کے پاس چلی گئیں اور جو باقی بچیں ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔ ان کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ شہید کتنی قابلیت کے مالک تھے اور ان کا مطالعے کا ذوق کیسا تھا۔

لائبریری

اُردو کتب

۱ ۔ رحمۃ للعالمین ج اوّل و دوم

۲ ۔ غنیۃ الطالبین ، غوث الاعظمؒ (اُردو ترجمہ)

۳ ۔ کیمیائے سعادت ۔ امام غزالیؒ

۴ ۔ گلزار صابری

۵ ۔ کشف المحجوب ، داتا گنج بخش رحمۃ اللہ

۶ ۔ فتح ربانی ۔

۷ ۔ مشکوۃ شریف (مترجم)

۸ ۔ حمائل شریف

۹ ۔ پنجسورہ شریف

۱۰ ۔ بیدل ، خواجہ عباد اللہ اختر

۱۱ ۔ کافرستان ۔ محمود دانشور ایرانی سیاح ، مترجم خلیل احمد

۱۲ - یوسف بن تاشفین	نسیم حجازی
۱۳ - آخری چٹان	"
۱۴ - خاک و خون	"
۱۵ - انسان اور دیوتا	"
۱۶ - قیامت	رئیس احمد جعفری
۱۷ - طارق فاتح اندلس	محمد صادق حسین
۱۸ - بانگ درا	علامہ سر ڈاکٹر محمد اقبال
۱۹ - بالِ جبریل	"
۲۰ ضرب کلیم	"

انگریزی کتب

1. Crusades in Europe,
by Eisen-Hower.

2. Defeat in the Europe,
by Milton Shulman.

3. The Bank Manager,
by E.P. Oppenheim.

4. India's Parliament,
Vol. 12.

5. A King's Story,
by Duke of Windsor.

6. Betrayal in India,
by D. P. Karaka.

7. Maulana Abul Kalam Azad,
by A.B. Rajput.

8. Abraham Lincoln.

9. Verdict on India,
by Benerly Nichols.

10. Japan fights for Asia,
by John Goette.

11. Trek back from Burma,
by W.G. Burchett.

12. Verdict on Benerley Nichols,
by Gertrude Murray.

13. Mother Russia,
by Maurice Hindus.

14. Famous and historic Trials,
by K.L. Gauba.

15. The end of the Beginning,
by Charles Eade.

16. Mr. Churchill,
by Philip Guedalla.

17. Sir Richard Muir,
by Sidney T. Felstead.

18. The Discovery of India,
by J. L. Nehru.

19. Whither Pakistan,
by Z.A. Suleri.

20. The Love Letters of Prince
Bismark, V. 2.

21. Beyond the Chindwin,
by Bernard Ferguson.

22. Colour Scheme,
by Nagio Marsh.

23. The Russian Campaigns of 1941—43,
by W.E.D. Allen (and others).

24. The Indian yearbook and who's who :
The Times of India Press, Bombay.

25. The Second World War, Vol. 2,
by Winston S. Churchill.

26. The Making of Pakistan,
by Richard Symonds.

27. The Governor's Wife,
by David Unwin.

28. Operation Victory,
by Maj. Genl. Sir Francis De Guingard.

29. The Corporal Died in Bed,
by Bruce Graeme.

30. Cadet to Commander,
by Albert B. Armitage.

31. The Casican Brothers........,
by Alexander Dumas.

32. Shorter Encyclopaedia of Islam,
by H.A.R. Gibb & J.H. Kramers.

33. Historical record of the 4th Battalian, 16 Pb. Regiment.

34. Routes in the Western Himalya,
Kashmir, by Maj. Kenneth Mason.

35. The Romantic Prince,
by Rafael Sabatimi.

36. Wet fly fishing in Kashmir,
by Pardesi.

37. Hand-Book of Gardening,
by A.E. Wilkenson and V.A. Tiedjens.

38. Bullet Breed,
by Leslie Ernenwein.

39. A Farewell to Arms,
by Ernest Hemingway.

40. A Lot of Readers Digests.

اقوال :

آپ نے اپنی زندگی میں چند ایک اصول اور ضابطے اپنا رکھے تھے جن پر حتی الامکان خود عمل کرتے اور دوسروں کو دعوتِ عمل دیتے رہے ۔ ان کا حال مختصراً درج ذیل ہے ۔

۱ ۔ جھوٹ نہ بولو ۔

میجر طفیل محمد شہیدؒ نے تمام عمر اس فارمولے پر عمل کیا اور دوسروں کو بھی جھوٹ نہ بولنے کی تلقین کرتے رہے ۔ چوہدری اقبال محمد اور چوہدری رحمت علی کا کہنا ہے کہ ایک بار کسی مقدمے کے سلسلے میں میجر شہیدؒ کو ہم نے اپنے ساتھ لاہور لے جانے کا پروگرام بنایا ۔ آپ ہمارے ساتھ چل تو دیے مگر راستے میں صاف صاف کہہ دیا کہ میں جھوٹ نہیں بولوں گا ۔ میں صاف صاف کہہ دوں گا کہ مجھے اصل واقعہ کا کچھ علم نہیں ۔

۲ ۔ کسی غم و فکر میں مبتلا نہ رہو ۔ کسی بات کا ایک بار فیصلہ کر لو اور قصہ پاک کرو ۔ چوبیس گھنٹے کسی فکر میں مبتلا رہنا مناسب نہیں ۔ اس طرح انسان کو اندر ہی اندر گھن لگ جاتا ہے اور بعید نہیں کہ وُہ تپ دق میں مبتلا ہو جائے یا زندہ درگور ہو کر رہ جائے ۔

۳ ۔ "آج کا کام کل پر نہ چھوڑو"۔ آپ اس اصول کے مطابق جب تک روزانہ کام کا محاسبہ نہ کر لیتے ، بستر پر نہ لیٹتے ۔

۴ ۔ ضرورت مند اور غرض مند لوگوں کی حتی المقدور مدد کرو ۔ آپ زندگی بھر

اس اصول پر کاربند رہے اور آپ کے در سے کوئی ضرورت مند خالی ہاتھ نہیں لوٹا۔ فرماتے اگر آپ کے پاس کوئی چیز موجود ہے تو سائل کو دینے سے کبھی انکار نہ کرو۔ جب بھی کوئی سائل آپ کے مکان پر آتا اور آپ موجود ہوتے تو آپ اس کی مدد ضرور کرتے۔ اور گھر والوں سے فرماتے کہ بے چارہ مدد کی خاطر چھ فرلانگ کا فاصلہ طے کر کے یہاں آیا ہے، اگر یہاں سے ناکام لوٹا تو کہاں جائے گا۔ آپ کے چھوٹے بھائی چوہدری اقبال محمد صاحب کا بیان ہے کہ ایک دفعہ ایک فقیر آیا۔ اور اس نے مدد کی درخواست کی۔ ہم نے اسے ٹال دیا۔ اتنے میں میجر شہیدؒ کو پتہ چل گیا۔ آپ ناراض ہوئے اور فقیر کو واپس بلا کر اس کی مدد کی۔ چوہدری صاحب موصوف کا بیان ہے کہ ایک دفعہ باہر ٹیوب ویل پر ایک آدمی آیا۔ اس کے ہمراہ ایک لڑکی تھی اس نے بتایا کہ میں ہندوستان سے آیا ہوں۔ میری یہ لڑکی وہاں رہ گئی تھی۔ جسے اب اپنے ہمراہ لایا ہوں۔ مجھے اپنے گاؤں پہنچنے کے لیے کچھ روپوں کی ضرورت ہے۔ اگر آپ میری مدد کر دیں تو منزلِ مقصود تک پہنچ جاؤں گا۔ اور وہاں جا کر آپ کی رقم لوٹا دوں گا۔ اسی اثنا میں میجر شہید رخصت پر تشریف لائے اور نوکروں سے سامان وغیرہ لانے کے لیے کہا۔ دو آدمی جا کر سامان لے آئے۔ جب آپ نے بوڑھے آدمی اور لڑکی کو دیکھا تو پوچھا۔ "یہ کون ہیں؟" میں نے بتایا کہ یہ ہندوستان سے آئے ہیں اور کچھ مدد چاہتے ہیں۔ ان کے پاس گاؤں پہنچنے کے لیے کرایہ نہیں۔ آپ نے اس بوڑھے کو تیس روپے دیئے۔ کہنے لگا "جناب! مجھے تو صرف دس روپے درکار ہیں۔" آپ بیس روپے رکھ لیں۔ اس کے اصرار کے باوجود آپ نے واپس لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اس بچی کو کپڑے بنا دینا۔

بعدازاں اس آدمی نے آپ سے پتہ مانگا کہ گاؤں پہنچ کر واپس لوٹا دوں گا اور وُہ اسی بات پر مُصر رہا۔ آپ نے کہا ”آپ کو روپوں کی ضرورت تھی سو وُہ پوری ہوگئی۔ اب اتنے تکلف میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ جائیے۔ خُدا آپ کا بھلا کرے۔“

چوہدری اقبال محمد صاحب نے بتایا کہ اس قسم کے بے شمار واقعات رُونما ہوئے۔ ان واقعات کے بیان کے لیے تو ایک طویل باب درکار ہے۔

۵۔ ”دوسروں کی مدد کرنا اپنا فرض سمجھتے“۔ اقبال محمد صاحب کا بیان ہے کہ ایک بار گاؤں کے ایک زمیندار کی بیل گاڑی پھنس گئی۔ وُہ میرے پاس آیا اور بیلوں کی جوڑی کے لیے کہا۔ ہماری بیلوں کی جوڑی سب سے اچھی تھی۔ ایک بیل تو پندرہ سو روپیہ کا تھا۔ میجر شہید نے دونوں بیل دے دیے۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ گاڑی تو صحیح سلامت نکل گئی۔ مگر زور لگانے سے سب سے اچھے بیل کی کمر کی ہڈی ٹوٹ گئی اور وُہ چند دن کے بعد مر گیا۔

۶۔ ”جس نے ایک عورت کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کیا اس نے گویا پورے خاندان کو تعلیم دلوائی“۔ آپ اس اصول کے تحت تعلیمِ نسواں پر بہت زور دیتے تھے۔ آپ کہا کرتے تھے کہ اگر عورتیں تعلیم یافتہ ہوں گی تو صحیح طریقے سے بچوں کی تربیت کر سکیں گے۔

۷۔ ”بچوں کی مناسب دیکھ بھال اور نگہداشت کرنی چاہیئے“۔ آپ کا قول تھا کہ اگر بچوں کی تربیت اور نگہداشت صحیح طریقے سے کی جائے تو وُہ بڑے ہو کر جوہر قابل بن جاتے ہیں۔ آپ نے جناب محمد اختر صاحب کی تعلیم و تربیت اپنی زیرِ نگرانی

ہی کروائی جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ اختر صاحب آج کل کیپٹن کے اعلیٰ عہدے پر فائز ہیں۔

۸ - ہر کام میں بزرگوں سے اجازت طلب کرنی چاہیے"۔ آپ کے بزرگوں نے اس اصول پر مکمل طور پر عمل کیا۔ ہر کام اپنے پیر و مرشد خلیفہ غلام محمد صاحب مرحوم کی اجازت اور مشورہ سے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ انہی کی تربیت کا فیضان ہے کہ میجر شہید نے ایسے سنہری اصولوں کو اپنایا۔ آپ کہا کرتے تھے کہ یہ اصول صرف جوانوں کے لیے نہیں بلکہ ہر فرد کے لیے ہے۔ چوہدری اقبال محمد کا کہنا ہے کہ میجر شہید کبھی بغیر اجازت ایک جگہ سے دوسری جگہ بھی نہ بیٹھتے تھے۔ ہر کام میں والدہ محترمہ سے اجازت طلب کرتے۔

۹ - آپ "جان ہے تو جہان ہے" کے اصول پر کاربند رہے۔ کہا کرتے: "اچھا کھاؤ اور اچھا پہنو" انہی سنہرے اصولوں پر عمل کا نتیجہ ہے کہ آپ کو چار گولیاں لگیں لیکن ساڑھے گیارہ گھنٹے تک زخم سہے بالآخر جب جسم میں خون کا ایک قطرہ بھی نہ رہا تو اپنی جانِ عزیز، جان آفرین کے سپرد کر دی۔

۱۰ - "اپنی صحت کا خیال رکھو" صحت کے معاملے میں آپ بڑے محتاط تھے کبھی ضرورت سے زیادہ چیز نہ کھاتے۔ صحت و صفائی کا خاص خیال رکھتے۔

۱۱ - "آپ کا اصول تھا کہ "کماؤ اور کھاؤ۔ کسی پر بے جا بوجھ نہ بنو۔

۱۲ - بخیل نہ بنو۔ خیرات کیا کرو۔ آپ بڑے سخی تھے۔ جب کبھی گھر آتے تو ان گنت رقم خاص طور پر ریزگاری اپنے پاس رکھتے اور کبھی کسی کو گن کر یا دیکھ کر روپے نہ دیے بلکہ ہاتھ میں جو کچھ آتا دے ہی دیتے۔

۱۳ - خدا کی مخلوق کا ادب کرو "بے ادب بانصیب مقصود نہ حاصل" کے مطابق آپ سختی سے باادب ہونے کی پابندی کرتے۔ اپنے سے خواہ چھوٹا ہوتا یا بڑا اس کے آگے کبھی نہ چلتے بلکہ ان کے پیچھے چلتے اگر کوئی نابینا ہوتا تو اس کے ساتھ چلتے۔ والدین کے حد سے زیادہ فرمانبردار تھے۔ آپ کہا کرتے تھے کہ آپ کے قدم نہیں چھوڑوں گا۔ بالآخر شہادت کے بعد بھی اپنے والد محترم کے قدموں میں جگہ حاصل کی۔ گھر بیٹھک میں دروازے کے سامنے بیٹھا کرتے اور ہر آنے والے کا خود اُٹھ کر استقبال کرتے اور بٹھاتے۔ مہمان ہو یا ملاقاتی خود الوداع کہتے اور دور تک چھوڑ کر لوٹتے۔

۱۴ - "سیر ضرور کیا کرو" صحت کی خاطر صبح شام کی سیر آپ کا معمول تھا۔

۱۵ - ہر آدمی کے ساتھ، عمر کے لحاظ سے بات کیا کرو۔ آپ ملتے وقت ہر آدمی سے گفتگو میں آداب و الفاظ کا خاص خیال رکھتے۔

ملازمت :

آپ نے خداداد قابلیت، محنت اور ذوق و شوق کی بدولت تعلیمی مراحل بہت جلد طے کر لیے۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے لیے اپنی دیرینہ آرزو کے مطابق ۲۲ جولائی ۱۹۳۲ء کی اٹھارہ برس کی عمر میں سپاہی کی حیثیت سے فوج میں بھرتی ہو گئے۔ آپ کی محنت اور جانفشانی مسلّمہ تھی۔ جلد ہی جمعدار کے عہدے پر پہنچ گئے۔

استعفیٰ نہیں ترقی :

چوہدری اقبال محمد کا بیان ہے کہ ہم ۱۹۳۳ء میں میجر صاحب کے افسر اعلیٰ کے ہاں حاضر ہوئے۔ میجر صاحب ان دنوں نئے نئے بھرتی ہوئے تھے اور ایک سپاہی کی حیثیت سے صرف پندرہ سولہ روپے بطورِ تنخواہ پا رہے تھے۔ ہم نے فیصلہ کیا تھا کہ اتنی قلیل تنخواہ کے بدلے میں اس قدر مشکل کام زیب نہیں دیتا۔ ہم پر اللہ کا فضل ہے۔ ہمیں نوکری کروانے کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ اپنے اس فیصلہ سے میجر صاحب کے افسرِ اعلیٰ کو مطلع کیا۔ وہ اس پر افسوس کرتے ہوئے بولے :

"تنخواہ اگر کم ہے تو کوئی بڑی بات نہیں۔ طفیل بہت محنتی، فرض شناس اور ہونہار ہے۔ میں اس میں بڑا بننے کی خصوصیات پوشیدہ پاتا ہوں۔ یہ بڑا ہو کر ملک و ملت کا نام روشن کرے گا۔ میں طفیل کا استعفیٰ منظور نہیں کر سکتا۔ البتہ میں اسے ترقی دے سکتا ہوں۔"

جمعدار کی حیثیت سے آپ نے انٹیلی جنس سیکشن (۴۲-۱۹۴۳ء) میں خدمات سرانجام دیں۔ چنانچہ باڑا فورٹ کے موقعہ پر لیا گیا گروپ فوٹو اسی زمانہ کی یادگار ہے۔

۲۲ - جولائی ۱۹۳۲ء سے لے کر ۴ فروری ۱۹۴۳ء تک سیکنڈ پنجاب رجمنٹ میں رہے۔ ۱۹۳۹ء میں جمعدار اور ۱۹۴۰ء میں صوبیدار کے عہدہ پر ترقی دے دی گئی۔ ۱۹۴۱ء میں سولہ پنجاب رجمنٹ میں لیفٹیننٹ



کمیشن ملنے سے پہلے کی ایک یادگار تصویر

ہو گئے۔ ۱۹۴۲ء میں سیکنڈ پنجاب رجمنٹ کی سیکنڈ بٹالین کے کمانڈنگ آفیسر نے انہیں کمشن دیے جانے کی سفارش کی۔ ۱۹۴۰ء میں آپ نے انڈین ملٹری اکیڈمی ڈیرہ دون سے کمشن حاصل کیا۔



کمشن ملنے کے بعد ڈیرہ دون (بھارت میں)



کمشن ملنے پر ڈیرہ دُون میں اعلیٰ فوجی افسروں کے ساتھ

احساسِ فرض :

چوہدری اقبال محمد بیان کرتے ہیں کہ :-

۱۹۴۳ء میں میں میجر طفیل کے ہاں ملاقات کی غرض سے گیا عزیزم محمد اختر ساتھ تھے - میجر شہید فرض کی ادائیگی کو تمام دوسری چیزوں پر مقدم سمجھتے تھے - جونہی ڈیوٹی کا وقت ہوتا - آپ سب کچھ چھوڑ کر فرض کو لبیک کہتے - ایک روز ہم تینوں بنگلے میں بیٹھے مصروفِ گفتگو تھے - میجر شہید بار بار گھڑی دیکھتے - بالآخر میں نے پوچھا تو فرمانے لگے " ڈیوٹی پر جانے کا وقت قریب ہے - میں گھڑی اس لیے دیکھ

رہا ہوں کہ کہیں دیر نہ ہو جائے ۔ بالآخر آپ اجازت لے کر اٹھے اور فوجی وردی پہن کر تیار ہو گئے ۔ سائیکل پکڑا اور عین وقت پر پریڈ گراونڈ میں پہنچ گئے ۔ گرمی کا موسم تھا ۔ میجر صاحب نے فوجیوں کو ایک ڈیڑھ گھنٹہ تک اس قدر پریڈ کرائی کہ وُہ پسینے سے شرابور ہو گئے ۔ میجر صاحب تمام چیزوں سے بے نیاز اپنا فرض بڑے انہماک سے ادا کر رہے تھے ۔ ادھر میجر صاحب پریڈ کرانے میں مصروف تھے ۔ دوسری جانب پہاڑی پر آپ کے اعلیٰ افسران دُوربین لگائے آپ کی کارکردگی دیکھ رہے تھے ۔ جب اُنھوں نے آپ کو فرض کی ادائیگی میں اس قدر مستغرق دیکھا تو Excellent, Excellent پکار پکار کر داد دی ۔ میجر صاحب فارغ ہو کر دفتر میں پہنچے تو آپ کو مبارکباد دی گئی ۔ اسی روز آپ کو "کیپٹن" کے عہدے پر ترقی ملی ۔

اسی سلسلے میں ایک اور واقعہ آپ کے عزیز چوہدری بشیر احمد نے سنایا ۔ چوہدری صاحب کا بیان ہے کہ میں میجر صاحب سے ملنے کے لیے سیالکوٹ چھاؤنی گیا ۔ ملنا کیا تھا فوج میں بھرتی ہونے کی غرض سے میجر صاحب کے ہاں حاضر ہُوا ۔ چوکیدار سے میجر صاحب کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ "میجر صاحب اس وقت ڈیوٹی پر ہیں ۔ لہٰذا ملاقات مشکل ہے" ۔ میں نے اس کے ہاتھ پیغام بھجوایا تو میجر صاحب نے جواب میں فرمایا کہ "انتظار کیجیے ۔ میں اس وقت ڈیوٹی پر ہوں ۔ ڈیوٹی سے فارغ ہو کر مل سکوں گا" ۔ حالانکہ میجر صاحب میرے قریبی عزیز تھے اور میں چک ۲۵۳ ای ۔ بی سے سیالکوٹ پہنچا تھا ۔ چنانچہ میں انتظار کرتا رہا ۔ انتظار کرتے کرتے دو گھنٹے گزر گئے ۔ میں نے دوبارہ چوکیدار سے پوچھا تو پتہ چلا کہ میجر صاحب

تو ڈیوٹی سے فارغ ہو کر گھر (بنگلے) تشریف لے گئے ہیں۔ میں بنگلے پر حاضر ہوا اور باہر سے نوکر کو آواز دی اور پیغام بھجوایا۔ میجر صاحب سنتے ہی تشریف لائے اور معذرت کرتے ہوئے فرمایا۔

"بشیر بھائی۔ آپ کا پیغام اس وقت ملا جب میں ڈیوٹی پر تھا۔ ڈیوٹی سے فارغ ہو کر جلدی میں گھر آ گیا۔ اور آپ سے ملنا بھول گیا۔ لیکن یہ بتایئے کہ آپ خود اندر کیوں نہیں آئے۔ نوکر کو کیوں بھیجا۔ کیا آپ کوئی غیر آدمی ہیں؟"

یہ کہہ کر مجھ سے بغل گیر ہوئے اور اندر لے گئے۔

پھر آپ پنجاب رجمنٹل سنٹر سے متعلق ہو گئے۔ تھوڑی ہی مدت بعد جبکہ ابھی لیفٹیننٹ ہی تھے۔ وسطی ہندوستان میں ساگر کے سمال آرمز اسکول Small Arms School میں ایک کورس کے لیے بھیجا گیا۔ آپ کا نتیجہ اتنا شاندار رہا کہ آپ کو انسٹرکٹر چُن لیا گیا۔ آپ نے ٹریننگ کے اتنے اعلیٰ معیاری کام کیے کہ انہیں "طفیل میتھڈ آف ٹریننگ۔ Tufail Method of Training. کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔ دو ڈھائی سال تک یہاں رہے۔ بعد ازاں آپ "برما فرنٹ" پر چلے گئے۔ پھر ٹریننگ ایڈجوٹنٹ کی حیثیت سے سولہ پنجاب رجمنٹل سنٹر میں آ گئے۔

فوجی ملازمت کے دوران میں آپ کھیلوں میں باقاعدہ حصہ لیتے رہے چنانچہ آپ کی قیادت میں "رسہ کشی" کا مقابلہ ہوا اور آپ کی ٹیم نے "کپ" جیتا۔



رسہ کشی کے مقابلہ میں انعام جیتنے کے موقع پر

جون ۱۹۴۷ء میں آپ اسی رجمنٹل سنٹر میں ٹریننگ میجر بنا دیے گئے ۔ کرنل جے ۔اے ہیوبرٹ جو سیالکوٹ میں اس سنٹر کے ڈی ۔ ایس ۔ او تھے، سے میجر طفیل کے تعلقات نہایت خوشگوار تھے اور انہیں اپنا دوست سمجھتے تھے ۔ میجر طفیل اور کرنل ہیوبرٹ کا تقریباً دو سال ساتھ رہا ۔

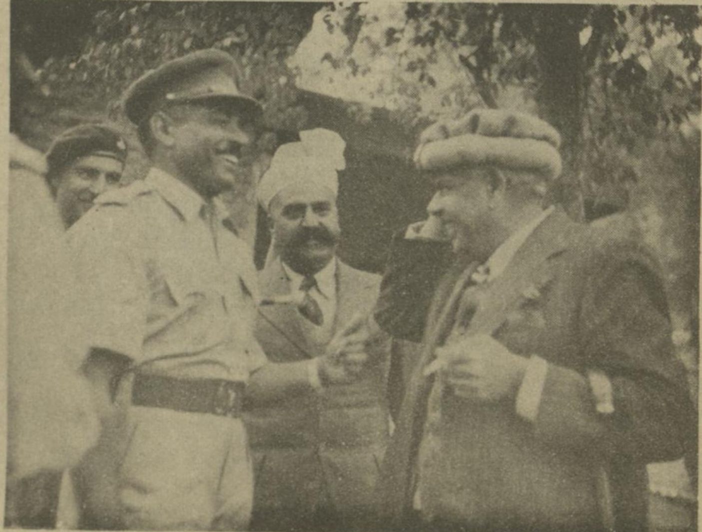


کرنل جے اے ہیوبرٹ کے ہمراہ الوداعی تقریب

قیام پاکستان کے بعد اپریل ۱۹۴۸ء میں آپ پنجاب رجمنٹ کی سیکنڈ بٹالین کے کمپنی کمانڈر مقرر ہوئے۔ آپ نے چند دن مالیر چھاؤنی میں قیام کیا۔ پھر آپ کو حکم ملا کہ گلگت پہنچ کر گلگت اسکاؤٹس کی کمان سنبھالیں۔ گلگت اسکاؤٹس کے ذمہ سرحدی دفاع کا انتہائی نازک اور اہم کام تھا۔ آپ پہلے پاکستانی افسر تھے جو اس منصب پر فائز ہوئے۔ قبل ازیں وہاں مہاراجہ کشمیر کی طرف سے ایک ریذیڈنٹ افسر ہوتا تھا جس کا نام غالباً میجر جنرل شنگارا سنگھ تھا۔ گلگت اسکاؤٹس اسی افسر کے ماتحت ہوتے تھے۔ پاکستان اور ہندوستان کے حالات کشیدہ ہونے کی وجہ سے انہوں نے بغاوت کر دی اور کچھ دیر اپنی آزاد حکومت قائم رکھی۔ خزانے میں جو تھوڑا بہت روپیہ تھا جب وہ ختم ہونے کو آیا تو خان عبدالقیوم خان (جو اُن دنوں صوبہ سرحد کے وزیر اعظم تھے) کو اطلاع دی گئی۔ انہوں نے مرکز میں شہید ملت خان لیاقت علی خان سے رابطہ پیدا کیا۔ چنانچہ حکومت پاکستان نے گلگت کا نظام اپنے ہاتھ میں لینے کا فیصلہ کر لیا۔ اسی سلسلے میں میجر طفیل کا تقرر عمل میں آیا۔ آپ نے گلگت پہنچتے ہی ایک زبردست تبدیلی پیدا کر دی۔ پہلے گلگت اسکاؤٹس کی تعداد پانچ سو کے قریب تھی۔ دس ہفتے کی ٹریننگ کے بعد ایک ہزار فوج تیار ہو گئی۔ بعد ازاں یہی تعداد ڈیڑھ ہزار تک جا پہنچی۔ اس شاندار تبدیلی سے متاثر ہو کر شہید ملت خان لیاقت علی خان، نواب مشتاق احمد گورمانی خواجہ ناظم الدین وغیرہ نے گلگت کا دورہ کیا۔ چنانچہ مندرجہ ذیل تصاویر اس زمانہ کی یادگار ہیں۔



خان لیاقت علی خان کے ساتھ



نواب مشتاق احمد گورمانی کے ساتھ (گلگت میں)



خواجہ ناظم الدین کا جی معین الدین استقبال کر رہے ہیں میجر شہید ہار لیے کھڑے ہیں



گلگت میں مشہور کشمیری رہنما چوہدری غلام عباس کے ہمراہ

*

شہید کی ڈائری کا ایک ورق

گلگت اسکاؤٹس

۳۰ رجنوری ۱۹۵۱ء

زندگی انسان کی ہے مانندِ مرغ نوش نوا
شاخ پر بیٹھا کوئی دم چہچہایا اُڑ گیا

*

سیر کی، خوب پھرے، پھول چنے، شاد رہے
جاتے ہیں ہم باغبان گلشن تیرا آباد رہے

*

حرکت بے جا بہت زیادہ پوزیشن لینا خراب Warning Orders.
جب ہم حکم لینے کے لیے جاتے ہیں سیکشن کمانڈر اپنی پوزیشن کا خیال نہیں کرتا

*

تیری بندہ پروری سے میرے دن گزر رہے ہیں.
نہ گلہ ہے دوستوں کا نہ شکایتِ زمانہ

کشمیر کی لڑائی کے خاتمے پر آپ گلگت اسکاؤٹس کے ونگ کمانڈر تھے۔



(گلگت میں)

گلگت اسکاؤٹس کے اعلیٰ افسران کے ساتھ

آپ ان سرحدی کارروائیوں سے بڑی بہادری سے عہدہ برآ ہوئے۔ یو۔ این آبزرور جو سرحدی تنازعات کے سلسلہ میں متعین تھے میجر طفیل سے اس طرح گھل مل گئے تھے جیسے بچپن کے دوست ہوں۔ ان کا اٹھنا، بیٹھنا، کھانا، پینا اکٹھا تھا۔



ڈاکٹر محمد رشید چوہدری - میجر طفیل محمد شہیدؒ - یو۔این آبزرور - کھانے کا ایک منظر



سابق صدر محمد ایوب خان کے ساتھ ایک نایاب تصویر

گلگت میں تین ساڑھے تین سال گزارنے کے بعد کوہاٹ تعینات کیے گئے اور جب کوہاٹ میں آفیسرز ٹریننگ اسکول کھلا تو اس میں ڈیمانسٹریشن کے آفیسر کمانڈنگ مقرر ہو گئے

۱۷ ستمبر ۱۹۵۲ء کو چوتھے کورس کی پاسنگ آؤٹ پریڈ کے موقع پر کمانڈر انچیف جنرل محمد ایوب خان (فیلڈ مارشل اور صدر مملکت) نے شرکت کی۔ پچھلے صفحہ پر گروپ فوٹو اس وقت کی یاد تازہ کرتا ہے۔

سیاحتِ کافرستان



(۲۴ اگست تا ۲۵ اگست ۱۹۵۴ء)

میجر طفیل محمد شہید نے کافرستان، سوات، دیر وغیرہ کی سیر کے دوران اپنے تاثرات کا اظہار فرماتے ہوئے اپنی نوٹ بک مندرجہ ذیل باتیں تحریر کیں۔ یہ باتیں انہوں نے پنسل سے لکھیں۔

"روانگی از ملاکنڈ ۱۰۰۰ بجے۔ راستے میں سڑک کے دو رویہ درخت نہر لوراسوات کا سڑک کے ساتھ ساتھ چل کر منظر کی رونق کو دوبالا کرنا۔ دریائے سوات کا چلنا۔ وہاں درہ بیراج علاقہ کی زرخیزی، چاول اور مکی کی فصل دیر کی پہاڑیوں کے دامن میں غضب کا منظر پیش کر رہی تھی۔ حکومت صوبہ سرحد کی ترقی۔ بٹ خیلہ اور اس کے گردونواح کے ہر گھر میں بجلی کی چمک دمک۔ بٹ خیلہ کے میدان میں خوبصورت ہسپتال اور سکول، تعداد طلبہ سے پتہ چلتا تھا کہ پبلک کو تعلیم کا کتنا شوق بڑھتا چلا جا رہا ہے۔

بٹ خیلہ کا قصبہ۔ چھوٹا سا قصبہ۔ چند ہزار کی آبادی۔ دیر، سوات اور چترال کے علاقوں کے لوگ، بازار میں منظر آتے ہیں۔ عام خرید وفروخت۔ نمک۔ کپڑا۔ میوہ اور چاول کی ہے۔

بٹ خیلہ سے کچھ آگے نکل کر چکدرہ فورٹ کا نظر آنا۔ پل سے دریا کو عبور کرنا۔ پکی سڑک کا خاتمہ۔ محصول چنگی فی مرغ ۴ر APO کا گھر۔ دیر میل سروس میں سواری۔ علاقہ خشک پہاڑی۔

چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں - مکی کی فصل صرف نالوں میں - گھر اور دیہات بہت پرانی قسم کے - لوگ بہت غریب -

دیر کے نواب کے محل کا نظر آنا - جو چھوٹی سی چھوٹی پر واقع ہے - سفید بلڈنگ جس میں تھوڑا Modern Tacts. ہے - چار کھڑکیاں کھلی تھیں - ایک میں صاف صاف ایک رسا نما شکل نظر آئی - گاڑی اخروٹ اور دیگر میوہ باغات سے ہوتی ہوئی دیر بازار میں پہنچی - بازار چھوٹا سا تھا جس میں دیر اور چترال کے لوگ چلتے پھرتے نظر آئے -

Leves Post پار اچنار کے درختوں کے درمیان ۴۷۰۰ کی اونچائی - ندی کا شور Bugs کا حملہ - ساری رات کی بے چینی -

۲۵ اگست ۱۹۵۴ء

چترال سکوٹس کی مہربانی تھی کہ انہوں نے ہمارے لیے دیر ہوی پوسٹ میں ایک جیپ کا انتظام کیا تھا - ہم صبح سات بجے ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہو کر وہاں سے روانہ ہوئے - سڑک اس علاقہ کے لحاظ سے کافی اچھی تھی - اخروٹ اور دیگر میوہ جات کے درخت - مکی کی فصل - اور پہاڑوں کی سرسبزی صبح کے اٹھتے ہوئے سورج میں نہایت خوبصورت معلوم ہو رہی تھی - لواری ٹاپ Lowari Top پر پہنچنے سے پہلے گوجر پوسٹ نظر آئی - آج کل یہ پوسٹ بہت کم استعمال ہوتی ہے - کیونکہ جیپ اور Dodge وغیرہ عام آتی جاتی ہیں -

اس سے کچھ عرصہ پہلے جبکہ سفر عام پیدل تھا عام آنے جانے والے کے لیے یہ رات کے لیے جائے پناہ تھی۔

اب بھی پیدل آنے جانے والے چترال سکوٹس اور دیگر لوگ اسے استعمال کرتے ہیں۔ لواری ٹاپ سے تقریباً تین میل نیچے دریا کے پہاڑ کی سطح کے ساتھ ساتھ واقع ہے۔

گوجر پوسٹ سے جیپ راستہ کے موڑوں کے ساتھ ساتھ چلتی ہوئی Lowari Top پر پہنچی۔ یہ ۱۱۰۰۰ فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ اور دونوں جانب اونچے پہاڑوں کے درمیان ایک دروازہ کی شکل بناتا ہے۔ اس جگہ چترال سکوٹس نے ہمارے استقبال کے لیے سکوٹس کی ایک پارٹی ایک حوالدار کے ماتحت بھیجی ہوئی تھی۔ پارٹی نے ہمارا نہایت گرمجوشی کے ساتھ استقبال کیا اور نہایت بہترین چائے Awan Lodge سے پلائی گئی۔

Awan Lodge درہ پر ایک لکڑی کی بنی ہوئی دو منزلہ کوٹھڑی ہے جسے مسٹر اعوان اے۔پی۔اے (Mr. Awan A.P.A.) چترال نے بنوایا تھا۔ سنا ہے کہ ایک دفعہ وہ خود معہ اپنی فیملی کے دسمبر یا جنوری کے مہینے میں ٹاپ پر برف کے طوفان میں پھنس گئے تھے۔ اس تجربہ کی بنا پر مسافروں کی تکلیف کو دور کرنے کے لیے انہوں نے یہ کوٹھڑی بنوائی"۔

★

لائف انشورنس

میجر چوہدری طفیل محمد شہید اسلامی احکام کے بہت پابند تھے اور کوئی کام اپنے بزرگوں کی اجازت کے بغیر سر انجام نہیں دیتے تھے۔ آپ نے جو کام کیا اسلامی حدود میں رہ کر اور اپنے بزرگوں کے اجازت سے کیا۔ آپ نے ۱۹۴۳ء میں ڈیرہ دون سے کمشن حاصل کیا۔ اگر چاہتے تو اسی زمانے میں لائف انشورنس کروا سکتے تھے مگر آپ نے اسے اسلامی روایات کے منافی سمجھا اور اس سے گریز کیا۔ آپ کا خیال تھا کہ لائف انشورنس سے عدم توکل اور خدا تعالیٰ سے اعتقاد میں فرق آجاتا ہے۔ چنانچہ آپ نے اس پر عمل کیا اور لائف انشورنس سے انکار کرتے رہے۔

خاندان میں آپ نے ہمیشہ ہر ایک عزیز کا خیال رکھا۔ چونکہ آپ کے کوئی نرینہ اولاد نہ تھی۔ آپ نے اپنے منجھلے بھائی جناب اقبال محمد کے بڑے صاحبزادے محمد اختر کو لارنس کالج گھوڑا گلی میں اپنے ہی خرچ اور ذمہ داری پر داخل کروایا اور مکمل طور پر ان کی دیکھ بھال کی۔ محمد اختر آج کل کیپٹن کے اعلیٰ عہدے پر فائز ہیں اور ملیر چھاؤنی کراچی میں تعینات ہیں۔ شہادت سے پہلے ۱۸ مارچ ۱۹۵۷ء کو جب آپ دو ماہ کی رخصت پر تشریف لائے۔ تو آپ نے "امریکن لائف انشورنس کمپنی" سے اپنے چھوٹے بھائی جناب خورشید محمد کے بڑے صاحبزادے محمد نذیر اختر کے نام دس ہزار روپے کی ایک پالیسی لے لی۔ آپ کا خیال تھا کہ

چونکہ بڑے بھائی جناب اقبال محمدؐ کے صاحبزادے جناب محمد اختر تو اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ لیکن خورشید صاحب کے صاحبزادہ ابھی بچے ہیں۔ اس پالیسی سے ان کی تعلیم وغیرہ کا سلسلہ بطریق احسن چل سکے گا اور انہیں کسی قسم کی دقت پیش نہ آئے گی۔

انشورنس کے سلسلے میں ایک سوال کے جواب میں جناب خورشید صاحب نے بتایا کہ ہم نے اپنے بزرگوں سے بیشتر مشترک چیزیں ورثے میں پائی ہیں بشروع شروع میں میں بھی لائف انشورنس کے خلاف تھا اور اسے شرعی نقطۂ نظر سے جائز نہیں سمجھتا تھا مگر بعد ازاں بعض حالات کے زیر اثر میں نے بھی امریکن لائف انشورنس کمپنی سے پالیسی لے لی۔ لیکن اس مسئلے پر برابر سوچ و بچار کرتا رہا۔ حتیٰ کہ ڈھائی تین ہزار روپے کی قسطیں بھی ادا کر دیں۔ چونکہ ذہنی طور پر مطمئن نہ ہوا۔ اس لیے مذکورہ بالا رقم کا نقصان تو برداشت کر لیا۔ مگر آئندہ قسط ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ بالآخر پالیسی ساقط ہو گئی۔

خورشید صاحب کا بیان ہے کہ میجر شہید کی (دو ماہ) کی رخصت ۱۷ مئی ۱۹۵۷ء کو ختم ہونی تھی۔ لیکن آپ کو ۱۲ جولائی ۱۹۵۷ء کو واپس بلا لیا گیا۔ آپ نے مشرقی پاکستان جانے سے پہلے لائف انشورنس کے تمام کاغذات میرے حوالے کر دیے اور مجھے بتایا کہ لائف انشورنس کا Beneficiary آپ کے بڑے صاحبزادے محمد نذیر اختر کو بنایا ہے۔ میجر شہید زندگی بھر اپنے مسائل پر دوسروں کے مسائل کو (حل کرنے) ترجیح دیتے رہے۔

میجر محمد جان (ریٹائرڈ) صاحب کا بیان ہے کہ جب جون ۱۹۵۷ء کے آخری

ہفتے ہی میں میجر شہید سے مالاکنڈ میں ملا تو آپ سے دریافت کیا :" آپ نے اپنی خضدار (قلات ڈویژن) والی زمین کا جو آپ نے چند اور سینئر افسروں کے ساتھ مل کر لی ہے، کوئی بندوبست کر چلے ہیں۔ اس پر آپ فرمانے لگے۔

" محترمی! اس چلاچل کی اہم فوجی خدمت کے دوران بھلا کہاں موقع ملتا ہے کہ یکسوئیت سے ذاتی کاموں کی طرف توجہ دی جائے۔ خدمت ملک کی خاطر اگر مجھے اپنے مسائل حل کرنے کے لیے کوئی وقت نہیں ملتا ہے تو بلا سے نہ ملے۔ مجھے یقین کامل ہے کہ میری حکومت اور میرے متعلقہ اکابرین سلطنت میرے حقوق کو ہر لحاظ سے محفوظ رکھیں گے۔"

میجر طفیل نے انفنٹری اسکول کوئٹہ سے "سمال آرمز کورس" بڑے امتیاز کے ساتھ پاس کیا۔ ۱۹۵۴ء میں انفنٹری اسکول کے انفنٹری ویپنز کے چیف انسٹرکٹر مقرر کیے گئے اور مارچ ۱۹۵۷ء کے آخر تک یہیں خدمات انجام دیں۔ یہ تصویریں اس زمانہ کی یادگار ہیں۔





دوست نہایت انہماک کے ساتھ ان کی باتیں سن رہے ہیں



کرنل میاں خان کو الوداع کہنے کا ایک منظر

بعدازاں آپ دوبارہ اپنی یونٹ میں آ گئے جو ان دنوں ٹل ضلع کوہاٹ میں تھی وہیں یونٹ کی صد سالہ جوبلی میں شرکت - جون ۱۹۵۸ء میں آپ کو ایسٹ پاکستان رائفلز میں تعینات کیا گیا اور آپ کی پوری یونٹ جیسور چلی گئی - اسی زمانہ میں ایک دن آپ وضو کر کے اٹھے تھے کہ پاؤں پھسل گیا اور آپ کا بازو ٹوٹ گیا مگر کچھ عرصہ بعد ٹھیک ہو گیا۔

ایسٹ پاکستان رائفلز میں آپ کا ہیڈ کوارٹر اکھوڑہ ضلع کومیلا میں تھا۔ یہاں آپ بطور ونگ کمانڈر تعینات تھے - اسی پاک سرزمین میں اپنے فرائض منصبی ادا کرتے ہوئے آپ لکشمی پور کے معرکے میں شدید زخمی ہو گئے اور کومیلا کے ملٹری ہسپتال میں عالمِ فانی سے عالمِ جاودانی کو سدھارے ۔

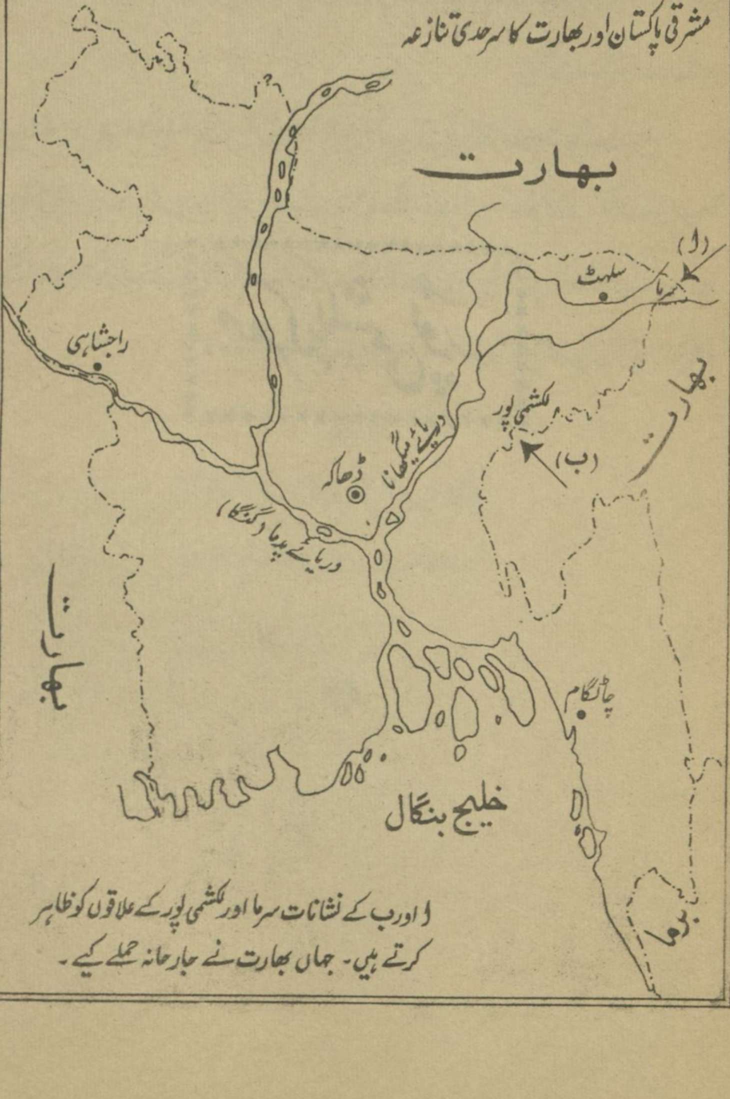
ع

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

معرکۂ لکشمی پور

مشرقی پاکستان اور بھارت کا سرحدی تنازعہ



ا اور ب کے نشانات سرما اور لکشمی پور کے علاقوں کو ظاہر کرتے ہیں۔ جہاں بھارت نے جارحانہ حملے کیے۔

ایسٹ پاکستان رائفلز

مشرقی پاکستان کی سرحد پر دور دراز اور دشوار گزار مقامات پر جانے کا اگر آپ کو کبھی اتفاق ہو تو آپ کو خاکی وردی پہنے سبز رنگ کی باناتی ٹوپی اور سیاہ پٹی لگائے سپاہی گشت کرتے یا کسی اور ڈیوٹی پر متعین نظر آئیں گے۔ یہ سپاہی ایسٹ پاکستان رائفلز کے جوان ہیں۔ انہیں دن رات میلوں لمبی سرحد کی نگرانی کرنی پڑتی ہے۔ بعض اوقات انہیں دور دراز چوکیوں تک پہنچنے کے لیے تین چار روز لگ جاتے ہیں۔ خواہ وہ سندربن کی چوکیوں پر متعین ہوں یا پتھاریہ کے دور دراز اور دشوار گزار جنگلوں یا کوئی اور جگہ ہو انہیں ایک مشترک کام انجام دینا ہوتا ہے۔ اور وہ ہے۔ فرض کی ادائیگی۔ اس کے لیے خواہ انہیں اپنی سب سے قیمتی چیز ـــــ جانِ عزیز ـــــ بھی قربان کرنی پڑے۔

ای۔ پی۔ آر کے جوانوں کا فرض ہے کہ وہ (۱) سرحدوں کی حفاظت کریں (۲) سمگلنگ کی روک تھام کریں اور (۳) اندرونِ ملک میں امن و امان قائم رکھیں۔ طوفانی بارش اور ہلاکت خیز تند جھکڑوں میں یا سردی کی طویل خنک راتوں میں جب دنیا سر چھپائے پڑی ہوتی ہے ای۔پی۔آر کے یہ باہمت جوان آفات سے بے نیاز آسائش سے منہ موڑے اپنے فرض کی ادائیگی میں جنگل چھانتے دکھائی دیتے ہیں۔

ای ۔ پی ۔ آر کو قائم ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔ لیکن اس کے جیالے سپاہی بڑے آزمودہ کار جنگجو ہیں جو بہادری کے لیے اعزاز اور اعلیٰ فرض شناسی کے کئی تمغے حاصل کر چکے ہیں۔ انہوں نے جو کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔ وُہ ایک لحاظ سے لائق صد ستائش، ملک و ملت کے لیے قابلِ فخر اور پاکستان کی عسکری تاریخ کا سنہرا باب ہیں۔ انہوں نے جانفروشی، جاں سپاری اور جانبازی کی جو مثال قائم کی ہے وُہ آئندہ نسلوں کے لیے مشعل راہ ثابت ہوگی۔ میجر طفیل محمد شہیدؒ اور جمعدار محمد اعظم شہید کی بہادری اور مردانگی کی داستان ابھی تک تازہ ہے۔ انہوں نے، ملک و ملت کے لیے اپنی جان کی بازی لگا دی جس کے صلے میں انہیں بعد از شہادت "نشانِ حیدر" اور "ستارۂ جرأت" عطا کیے گئے۔

ویسٹ پاکستان رائفلز دراصل ایسٹرن فرنٹیر رائفلز ہے۔ قیام پاکستان کے بعد۔ ای ۔ پی ۔ آر کو امن و امان قائم رکھنے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ اگست ۱۹۴۷ء سے لے کر تقریباً ۱۹۵۰ء کے وسط تک ای ۔ پی ۔ آر نے انسپکٹر جنرل پولیس کی زیرِ قیادت مختلف نمایاں کارنامے انجام دیے۔

سمگلنگ کی روک تھام، سرحد کی حفاظت اور اندرونِ ملک میں امن و امان ـــــ یہ تین مقاصد ایسٹرن فرنٹیر رائفلز" کو انجام دینا ہوتے تھے۔ بیشتر حلقوں میں کافی عرصہ پہلے "ایسٹرن فرنٹیر رائفلز" کو نیا نام دینے کی ضرورت محسوس کی گئی اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے فوج کی تعداد میں فوری اور مناسب تعداد میں اضافے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ سرحدی پولیس کو "ایسٹرن فرنٹیر رائفلز" میں مدغم کر دیا گیا۔ مشکلات پر قابو پانے اور امن و امان قائم رکھنے کے لیے ای ۔ پی ۔ آر نے

از سر نو کام شروع کر دیا۔ عملہ بہت کم تھا اور سب کو بعض حالات میں گھنٹوں کام کرنا پڑتا تھا تاکہ نازک اور نامساعد حالات میں مقابلہ کرنے کے لیے جوانوں کو مکمل طور پر تیار کیا جائے۔ آہستہ آہستہ فوجی قوت میں اضافہ ہوتا رہا اور تقریباً نومبر ۱۹۵۸ء کے وسط میں "ایسٹرن فرنٹیئر رائفلز" کو مدغم کرنے کا کام جزوی طور پر مکمل ہوگیا۔ جس روز "ایسٹ پاکستان رائفلز" وجود میں آئی اسی دن اسے اپنے طور پر کام کرنے کی پچاس فیصد ذمہ داری مل چکی تھی۔ بریگیڈیر صاحب داد۔ پی۔ ایس۔ سی ڈائریکٹر جنرل، ایسٹ پاکستان رائفلز کی حیثیت سے جولائی ۱۹۵۸ء میں اس سے منسلک ہو گئے اور ای۔ پی۔ آر۔ کا صحیح معنوں میں سنگ بنیاد رکھا۔ چنانچہ آج یہ قابل فخر حد تک مضبوط ہو چکی ہے۔ بعد ازاں جوں جوں اس کی طاقت میں اضافہ ہوتا گیا زیادہ سے زیادہ فوجی افسروں کی خدمات حاصل کی گئیں۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے ای۔ پی۔ آر کو تین اہم رول ادا کرنا پڑتے تھے ـــ سرحد کی حفاظت، سمگلنگ کی روک تھام اور اندرونِ ملک میں امن و امان قائم رکھنا، اس طرح ای۔ پی۔ آر کے جوانوں کو پندرہ سو میل لمبی سرحد کی حفاظت کرنا ہوتی تھی۔ اس میں تین سو میل لمبی سرحد سمندر یا دریا کے ساتھ ساتھ مغربی بنگال آسام، تری پورہ اور برما کے ساتھ ساتھ پھیلی ہوئی ہے۔ سرحد کی طوالت اور پھر ضروریاتِ زندگی حتیٰ کہ پانی تک کا دستیاب نہ ہونے سے کام کی نوعیت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ بعض علاقے تو ایسے ہیں جہاں انسان کی رسائی ناممکن ہے۔ بعض حصوں میں سرحد کی حفاظت مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ اس کے باوجود ای۔ پی۔ آر کے جوان جن کی تیز نگاہ کو عقابوں سے تشبیہ دی جا سکتی ہے۔ اس طویل و عریض سرحد

کی حفاظت کے لیے ہمیشہ چاق، چوبند، چوکس اور بیدار رہتے ہیں۔ ایسے علاقوں میں کام کرنا اپنے آپ کو جوکھوں میں ڈالنا ہے۔ میدانوں اور جنگلوں میں فرائض انجام دینے والوں کو خطرناک اور نازک ترین مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ سندربن اور پتھاریہ کے جنگل تو بالخصوص جونکوں اور زہریلی چھپکلیوں سے اٹے پڑے ہیں۔ ان تمام باتوں کے باوجود ای۔ پی۔ آر کے جوان ڈٹے رہتے ہیں اور انہوں نے وہ خدمات اور کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں جو آئندہ نسلوں کے لیے مشعل راہ ثابت ہوں گے۔ ای۔ پی۔ آر کے جوانوں نے سرحد کی حفاظت میں جو خدمات انجام دیں اور غاصب بھارتیوں کو جس طریقے سے مار بھگایا وہ قابلِ صد ستائش ہے۔

ہمارے دوسرے قومی ہیرو ــــ میجر چوہدری طفیل محمد اور ان کے ساتھی جمعدار محمد اعظم خاں وطنِ عزیز کے دفاع میں قربان ہوئے۔ ہماری ساری کہانی انہی کے گرد گھومتی ہے اور اس تمہید کا مقصد وہ واقعات وحالات بیان کرنا ہیں جن کے پیشِ نظر ان کی خدمات حاصل کی گئیں اور جو ان کی شہادت کا باعث بنے اور جن کارہائے نمایاں اور بے مثال قربانی کی بدولت انہیں پاکستان کا سب سے بڑا عسکری اعزاز "نشانِ حیدر" عطا کیا گیا۔

ای۔ پی۔ آر نے سرحد کے دفاع کے لیے شاندار خدمات کے ساتھ ساتھ سمگلنگ کی روک تھام کے لیے بھی قابل قدر کارنامے انجام دیے ہیں۔ سرحد کے قرب وجوار کے زمیندار جو اپنے مزارعوں "برگادرز" کو مسلسل قبضے میں دبائے رکھتے اور فصل کاٹتے وقت انہیں تمام غلہ بیچنے پر مجبور کرتے، جب تمام غلہ حاصل کر لیتے تو وہ اسے سمگل کر دیتے۔ وہ سمگلنگ کیسے کرتے اور کیا کیا ذرائع اختیار

کرتے، ان کا بیان ہمارا موضوع نہیں ہے، یہاں تو صرف سمگل شدہ چیزوں کا بیان مقصود ہے۔ ایک اندازے کے مطابق سمگل ہونے والی چیزوں جن میں سونا بھی شامل ہے۔ کی سالانہ مالیت ۴۰ کروڑ روپے بنتی ہے۔ ایک خاص گروہ صرف پاکستانی مصنوعات ہی سمگل نہیں کرتا تھا بلکہ بہت سی درآمدی اشیاء جن میں زندگی بچانے والی دوائیں بھی شامل ہیں، سمگل کرتا تھا۔ ان گروہوں کے سرغنے ہر قسم کے پاسپورٹ تیار رکھتے تھے۔ تاکہ اپنے کارندوں کو دے سکیں۔

"ہنڈی" کے ذریعے روپیہ (کرنسی) اور سونا ہندوستان سمگل کیے جاتے تھے یہ لوگ فقیروں اور گداگر عورتوں سے بھی اس مقصد کے لیے کام لیتے۔ ایسے دلچسپ واقعات بھی رونما ہوئے ہیں۔ جن سے پتہ چلتا ہے کہ شادی کے بہانے نوجوان لڑکیوں کو عروسی لباس پہنا کر اور سونے سے لاد کر سرحد پار بھیج دیا جاتا تھا۔ پھر چند روز بعد انہیں اس بنا پر واپس بلا لیا جاتا کہ شادی منسوخ ہو گئی ہے۔

ای۔ پی۔ آر کے جوانوں نے ایسے سمگلروں سے خوب اچھی طرح نپٹا۔ اور تمام غیر قانونی اشیاء کی برآمد روک دی۔ ایک اندازے کے مطابق ۱۹۵۹ء کے اوائل سے لے کر ۲۷ اکتوبر ۱۹۵۹ء تک ای۔ پی۔ آر نے ۲۰ لاکھ روپے کی اشیاء پر قبضہ کیا ہے۔ ای۔ پی۔ آر کے عالمِ وجود میں آنے سے پہلے سرحدی علاقوں میں عموماً غلے کی کمی واقع ہو جاتی اور قحط کا خطرہ منڈلانے لگتا تھا مگر اب صورتِ حال اس کے بالکل برعکس ہے۔ اب غلہ اور چاول وافر مقدار میں موجود رہتا ہے۔ مارکیٹ میں اشیائے خوردنی کی کمی کی وجہ سے منافع خور اور ذخیرہ اندوز خود بخود ذخیرہ کردہ مال منڈی میں لانے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ ۲۷ اکتوبر ۱۹۵۹ء

تک تین ہزار کے لگ بھگ سمگلر گرفتار کیے گئے اور اب مختلف سزائیں بھگت رہے ہیں۔ بعض دیدہ دلیر سمگلر تو فائرنگ سے نہیں چوکتے چنانچہ مذکورہ بالا تاریخ تک جوابی فائرنگ میں ای۔ پی۔ آر ایسے سولہ سمگلر ختم کر چکی ہے۔

سمگلنگ رک جانے سے بھارت کو خاصا نقصان ہوا چنانچہ اس نے سرحدی تنازعہ کھڑا کر دیا۔ جس کے نتیجے میں سرحدی جھڑپوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا اور کئی مسلمان شہید ہوئے۔ سرحدی جھگڑوں کو طے کرنے کے لیے آسام اور مشرقی پاکستان کے چیف سکریٹریوں کی کانفرنسیں عمل میں آئیں مگر کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا بعدازاں دونوں ممالک کے تعلقات کی بہتری کے لیے اعلیٰ سطح کی کانفرنس بلانے پر بھی غور کیا گیا مگر بے سود۔

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے جولائی ۱۹۵۸ء کے اوائل میں جناب بریگیڈیر صاحب داد پی۔ ایس۔ سی، ایسٹ پاکستان رائفلز کے ڈائریکٹر جنرل کی حیثیت سے مشرقی پاکستان تشریف لے گئے۔ بریگیڈیر صاحب کی تعیناتی پر میجر طفیل محمد شہیدؒ نے اپنے عزیز دوست کیپٹن عبدالرحمٰن صاحب کو ۱۹ ؍جون ۱۹۵۸ء کو ایک خط میں لکھا:

"آپ خوش ہوں گے کہ ہمارے کمانڈنٹ بریگیڈیر صاحب داد آ رہے ہیں۔ تقریباً ایک ہفتہ تک یہاں پہنچ جائیں گے۔ دعا فرمادیں کہ یہ وقت ان کے ماتحت خوش اسلوبی سے گزر جاوے۔ میری طرف سے انشاءاللہ انہیں کوئی شکایت نہیں ہوگی۔"

جناب بریگیڈیر صاحب داد نے جن سے دو تین بار ملاقات کا موقع ملا، بتایا کہ میرے ایسٹ پاکستان رائفلز سے منسلک ہونے سے پہلے ایسٹ پاکستان رائفلز

انسپکٹر جنرل پولیس کے ماتحت تھی۔ لیکن میں نے اس کا انتظام و انصرام گورنر کے ماتحت کروا دیا۔ پہلے پہل اس میں پولیس اور فوجی افسر شامل تھے۔ ای۔ پی۔ آر کو اندرونِ ملک میں امن و امان قائم رکھنے کے لیے پولیس کی مدد بھی کرنا پڑتی تھی۔ علاوہ ازیں سوائے ایک ضلع کے باقی تمام سرحدی اضلاع تھے اس بنا پر اسے سرحدوں کی حفاظت کے لیے اپنی خدمات پیش کرنا پڑتی تھیں۔ مزید برآں سمگلنگ کی روک تھام بھی انہی کے ذمے تھی۔ ظاہر ہے ایک آدمی کو پولیس کی تربیت دینا۔ کسٹمز اور سمگلنگ کے بارے میں معلومات بہم پہنچانا اور فوجی تربیت دینا بہت مشکل کام تھا۔ ای۔ پی۔ آر کے جوانوں کو اندرون ملک میں امن و امان قائم رکھنے کے لیے لوگوں سے محبت پیار سے پیش آنا پڑتا تھا مگر انہی عوام میں ایسے لوگ بھی تھے جو سمگلنگ کرتے تھے۔ ای۔ پی۔ آر کو منظم کرنے کا کام درحقیقت جولائی ۱۹۵۸ء میں شروع ہوا تھا۔ اس کے جوانوں کے پاس کوئی بڑا ہتھیار نہ تھا۔ میجر طفیل محمدؐ کی شہادت کے بعد مشرقی پاکستان میں ایک انقلاب برپا ہو گیا اور ای۔ پی۔ آر کی تنظیم کا وہ کام جو میں چار سال میں نہ کر سکتا تھا۔ ان کی شہادت کے دن انجام پا گیا۔

بریگیڈیئر صاحب داد صاحب کا بیان ہے کہ جب میں میجر طفیل محمدؐ سے آخری بار ملا تو انہیں کہا:

I would not expect or accept a failure.

اس کے جواب میں میجر طفیل محمدؐ نے کہا:

"سر، آپ کو یہ جملہ دہرانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوگی، میرا جواب یہ

کتاب ہے ۔ یہ کہتے ہوئے انھوں نے مجھے ایک کتاب دی جس کا نام تھا ۔

ہم تنہا مرتے ہیں ۔

We die alone

. . . . علاوہ ازیں میں نے انہیں بتایا ۔

" تمام جوان سینے پر گولی کھائیں اور اگر کسی کو سینے سے نیچے گولی لگی تو میں دیکھنے نہیں آؤں گا ۔"

بریگیڈیر صاحب نے کہا ۔

میں نے دیکھا کہ کسی شہید کو ناف سے نیچے گولی نہ لگی ۔ اور مجھے اس بات کی خوشی ہے اور میں جتنا فخر کروں کم ہے کہ میجر طفیل محمد نے میرے احکام کی بجا آوری میں اپنی جانِ عزیز تک قربان کر دی ۔ اس کے بعد میرا فرض تھا کہ میں اپنے اس جان فروش افسر کو اعلیٰ سے اعلیٰ اعزاز دلواؤں ، مجھے یہ کہتے ہوئے مسرت محسوس ہوتی ہے کہ میری حکومت نے انہیں ملک کا سب سے بڑا عسکری اعزاز " نشان حیدر " عطا کیا ۔

ان دنوں میجر جنرل محمد امراؤ خان مشرقی پاکستان کے جی او سی تھے ۔ چنانچہ ان کی سعی اور کوشش و محنت سے ای ۔ پی ۔ آر روز بروز مضبوط ہوتی چلی گئی ۔ اور زیادہ سے زیادہ فوجی افسروں کی خدمات حاصل کی گئیں ، میجر جنرل محمد امراؤ خان نے ۱۲ راگست ۱۹۶۷ء کو ایک ملاقات میں تمام معرکے کی تفصیلات بتاتے ہوئے فرمایا :

" ان دنوں مشرقی پاکستان میں سمگلروں نے بڑا اودھم مچا رکھا تھا ۔ ان کے

بڑے بڑے گروہ تھے۔ جنہیں مالدار اور بارسوخ ہندوؤں کی حمایت حاصل تھی اور غلہ۔ سونا۔ دوائیاں اور سینکڑوں دیگر اشیاء دن رات کھلے بندوں سرحدوں سے بھارت میں سمگل کی جا رہی تھیں"۔

چنانچہ ای۔ پی۔ آر نے جنرل امراؤ خان کی ہدایات پر سمگلروں کا قلع قمع کرنے کے لیے زبردست کارروائی کا آغاز کیا۔ اور قلیل مدت میں (۲۷ر اکتوبر ۱۹۵۹ء تک) ۲۰ لاکھ روپے کی اشیاء پر قبضہ کر لیا، ۲۷ر اکتوبر تک تین ہزار کے لگ بھگ سمگلر گرفتار کیے گئے۔

بالآخر ۱۵ر جولائی ۱۹۵۸ء کو حکومت آسام نے ضلع کچھار کے سرحدی علاقہ کو فوج کے حوالے کر دیا۔ اور فوج نے سرحدی علاقے کے تمام اہم مقامات پر مورچے سنبھال کر خندقیں کھودنا شروع کر دیں۔ پرانے مورچے اور خندقیں از سر نو مرمت کیے گئے۔ اور نئے مورچے اور خندقیں بھی بنائی گئیں۔ اسی روز سہ پہر کو سوناتیلا کے مقام پر پاکستانی سرحد میں بھارتی فوج کے چند سپاہی گھس آئے۔ حکومت مشرقی پاکستان نے حکومت آسام سے سخت احتجاج کیا اور پاکستانی علاقہ سے فوج کو فوراً واپس بلانے کا مطالبہ کیا، لیکن اس کا الٹا اثر ہوا اور ۲۰ جولائی ۱۹۵۸ء کو بھارت نے مشرقی پاکستان کی سرحد کے قریب اپنی باقاعدہ فوج، سامان حرب سے مسلح، جمع کر دی۔ ضلع سلہٹ کے بالمقابل بھارت میں "خاصی" کا تمام پہاڑی علاقہ بھارتی فوج سے بھر دیا گیا اور صرف پنجاب کے سپاہیوں پر مشتمل تین بٹالین فوج "جوائی سب ڈویژن" میں تعینات کر دی۔ علاوہ ازیں بھاری توپیں بھی انہیں مہیا کی گئیں۔ یزدور کی کے قرب و جوار میں واقع پہاڑیوں

پر بھی توپیں نصب کر دیں - بھولا گنج میں آسام رائفلز کو بھی کمک پہنچا دی - سرحدی علاقہ میں بھارتی فوج کی نقل وحرکت کا سلسلہ درحقیقت جون کے اواخر میں شروع ہو گیا تھا - بھارتی فوجوں کی وسیع پیمانے پر نقل وحرکت کا مقصد یہ تھا کہ سرحدی تنازعات کا فیصلہ بھارت کے حق میں کرایا جائے - یہی وجہ تھی کہ ۲۸ جون کو جب حکومت آسام اور مشرقی پاکستان کے چیف سیکرٹری ملے تو وہ اس علاقہ میں صورت حال جوں کی توں رکھنے کے معاہدے پر دستخط کرنے پر رضامند نہ ہوئے -

۲۳ جولائی ۱۹۵۸ء کو حکومت مشرقی پاکستان نے بھارت کی حکومت کو لکھا کہ وہ ڈھاکہ میں اپنے ڈپٹی ہائی کمشن کے فرسٹ سیکرٹری ڈاکٹر اے - کے سین کو واپس بلائے -

۲۵ جولائی ۱۹۵۸ء کو آل انڈیا ریڈیو نے اطلاع دی کہ حکومت آسام نے حکومت مشرقی پاکستان کو ایک نہایت سخت مراسلہ بھیجا ہے جس میں لکھا ہے کہ اگر آسام اور مشرقی پاکستان کی سرحد پر "امن میں خلل" پڑا تو اس کی ذمہ داری حکومت مشرقی پاکستان پر عائد ہو گی - اسی دوران میں بھارت کے وزیر دفاع کرشنا مینن دہلی سے کلکتہ روانہ ہو گئے - جہاں سے وہ آسام بھی گئے -

حکومت پاکستان نے بھارتی حکومت کو لکھا کہ وہ سرحد سے اپنی فوجیں ہٹا لے - اور اس بات کی ضمانت دے کہ مشرقی پاکستان کی سرحد کسی جارحیت کا ارتکاب نہیں کیا جائے گا - لیکن بھارت کے سرکاری حلقوں نے پاکستان کے اس اعتراض کو غلط قرار دیا اور کہا کہ آسام کی سرحدی حفاظت صرف سرحدی پولیس کر رہی ہے لیکن اس گمراہ کن بیان کو پول مغربی بنگال کے وزیر اعلیٰ ڈاکٹر بی سی رائے کے بیان سے

کھل گیا جس میں اس نے اعتراف کیا کہ آسام اور مشرقی پاکستان کی سرحد پر " خاص حفاظتی انتظامات " کیے گئے ہیں۔

یکم اگست ۱۹۵۸ء کو نئی دہلی ریڈیو نے اطلاع دی کہ بھارتی حکومت نے پاکستان کی اس تجویز کو قبول کر لیا ہے کہ دونوں ملکوں کے درمیان سرحدی حادثات اور تنازعات کی روک تھام اور ان کے اسباب پر غور کرنے کے لیے ۲۳ر اگست ۱۹۵۸ء کو کراچی میں ایک مشترکہ کانفرنس بلائی جائے۔ لیکن پیشتر اس کے کہ کانفرنس منعقد ہوتی، بھارت کی مسلح افواج ۲ر اگست ۱۹۵۸ء پاکستانی علاقے میں گھس آئیں اور انہوں نے تھانہ برہمن باڑیہ" کے ایک گاؤں لکشمی پور پر زبردستی قبضہ کر لیا۔ لکشمی پور کا مغربی حصہ ہمیشہ پاکستان میں رہا ہے۔

لکشمی پور ضلع کومیلا میں ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ قیام پاکستان سے پہلے یہ گاؤں مہاراجہ تری پورہ کی زمینداری میں شامل تھا لیکن نظم ونسق کے اعتبار سے ضلع تپرا Tippera کے ماتحت تھا جو اب ضلع کومیلا کہلاتا ہے۔ آزادی کے بعد جب ابھی سرحدوں کا تعین باقاعدہ طور پر نہیں ہوا تھا تو اس علاقے میں اکثر سرحدی جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں۔ فریقین میں زمین کے ٹکڑے پر قبضہ کا دعوے کرنے سے فائرنگ شروع ہو جاتی۔ یہ صورت حال کسی لحاظ سے اچھی نہ تھی۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ ۱۹۵۷ء میں دونوں حکومتوں کی جانب سے اعلیٰ افسروں کی ملاقاتیں ہوئیں اور باہمی تصفیہ سے سرحد مقرر کر کے اس پر باقاعدہ تار لگا دیے گئے۔ اس حد بندی کی رو سے لکشمی پور پاکستان کا علاقہ قرار پایا۔

میجر طفیل محمد شہادت سے پہلے چھٹیوں میں جب چک ۲۵۳ - ای۔بی تشریف

لے گئے تھے اور وہاں سے سفر کے دوران مطالعہ کے لیے جو کتاب اپنے ساتھ ڈھاکہ لے گئے تھے۔ آپ کی شہادت کے بعد جو سامان اور لائبریری کتب (آپ کی ذاتی) آپ کے آبائی گاؤں پہنچیں ان میں مذکورہ کتاب شامل نہیں۔ بریگیڈیر صاحب سے اس سلسلے میں جب سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا "مجھے یاد نہیں کہ میں نے یہ کتاب کس کو دے دی تھی۔ گمان غالب ہے کہ جناب سلطان شعیب صاحب کو دی ہو۔"

اس گاؤں میں ایک مالدار لیکن نہایت شرپسند ہندو دھرانی سرکار رہتا تھا۔ جب اسے پتہ چلا کہ لکشمی پور پاکستان کو مل گیا ہے تو وہ جل بھن گیا۔ لیکن کچھ نہ کر سکتا تھا۔ اس لیے اپنا مکان چھوڑ کر اگرتلا (بھارت) چلا گیا اور وہاں جا کر بھارتی حکام کو اکساتا رہا کہ وہ قوت کے بل بوتے پر لکشمی پور حاصل کرلیں۔ دھرانی سرکار کا تعلق سمگلروں کے ایک مشہور گروہ سے بھی تھا۔ جب ای۔ پی۔ آر کی زبردست نگرانی کی وجہ سے اس کا دھندا ختم ہو گیا تو وہ سخت پریشان ہوا۔ اس نے لکشمی پور کے ہندوؤں پر پاکستانیوں کے ظلم و ستم کی فرضی داستانیں سنا سنا کر بھارتی حکام کو مشتعل کر دیا اور پھر چپکے سے ۳۰ جولائی ۱۹۵۸ء کو بعد از دوپہر لکشمی پور چلا آیا اور ہندوؤں کو اپنے ساتھ ملا کر گاؤں پر قبضہ کرنے کی تدبیریں کرنے لگا۔ بالآخر ۳۱ جولائی ۱۹۵۸ء کو تری پورہ سے ایک سو افراد پر مشتمل بھارتی پولیس فورس میجر دیوبرمن کی قیادت میں اچانک لکشمی پور میں گھس آئی۔ انہوں نے مسلمانوں کو مارا پیٹا۔ گولیاں چلائیں اور گاؤں پر باقاعدہ قبضہ کر کے خیمے گاڑ دیے اور اپنا مورچہ بنا لیا۔ فوجی مبصرین کی ایک چوکی بھی قائم کر دی۔ انہوں نے گاؤں کے اس حصے پر قبضہ کیا جس

ہیں دھرانی سرکار کا ذاتی مکان تھا۔ بھارتیوں نے پاکستانیوں کو بتایا کہ یہ علاقہ مشترکہ باونڈری سروے کرنے والوں نے رشوت لے کر پاکستان میں شامل کر دیا تھا۔ مگر اب یہ گاؤں بھارت میں شامل ہو گیا ہے اور وہ بھارتی شہری ہیں۔ انہیں معلوم ہو جانا چاہیے کہ اگر انہوں نے پاکستان کی مدد کرنے کی سعی کی تو انہیں ہلاک کر دیا جائے گا۔ بے چارے مسلمان اس صورت حال سے بہت پریشان ہوئے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ بھارتی پولیس فورس نے جس حصے پر قبضہ کیا وہاں پاکستان کی جانب سے سرحدی حد بندی کے باقاعدہ نشانات تھے۔ دھرانی سرکار کی یہ خواہش تھی کہ اس کا مکان بھارت میں رہے اور اب اس کی ناپاک خواہش پوری ہو گئی تھی۔ بھارتی سپاہیوں نے مقبوضہ علاقے میں (جو پانچ سو گز لمبا اور سو گز چوڑا تھا) جو چوکی بنائی اس میں تیس سپاہی متعین کیے۔ انہوں نے اسی علاقے میں دو مزید چوکیاں بھی بنائیں اور ان میں پچاس پچاس آدمی رکھے تاکہ بوقتِ ضرورت پاکستانیوں پر دباؤ ڈالا اور اپنے آدمیوں کی فوری مدد کی جا سکے۔ انہوں نے اپنے مقبوضہ علاقے میں مسلمانوں کی آزادانہ نقل و حرکت پر پابندی لگا دی اور ان پاکستانی باشندوں کو گاؤں کے تالاب سے پانی استعمال کرنے سے بھی منع کر دیا۔ یہ تالاب بھارتی فوجیوں کے خیموں کے قریب واقع تھا

ظلم و ستم اور دھاندلی کی یہ واردات نہایت شرمناک اور ناقابل برداشت تھی۔ اور اس کا واحد علاج یہی تھا کہ دشمن کا فوراً سر کچل دیا جائے تاکہ روز بروز کا یہ جھگڑا ختم ہو جائے۔ لیکن پاکستانی حکام نے ضبط و تحمل سے کام لیا۔ لکشمی پور کے ہراساں مسلمانوں نے تحصیل اور ضلع کے حکام تک بھارتی سپاہیوں کے مظالم، جبر و تشدد اور گاؤں کے ایک حصے پر قبضے کی خبریں پہنچائیں اور ان کے ذریعے ای۔پی۔آر

تک اطلاعات پہنچیں۔ میجر جنرل محمد امراؤ خان سمگلروں اور بعض شرپسندوں عناصر کی مذموم حرکتوں کی وجہ سے پہلے ہی بھرے بیٹھے تھے۔ لکشمی پور پر قبضے کی خبر نے انہیں چونکا دیا۔ انہوں نے گورنر مشرقی پاکستان جناب سلطان الدین کو اس صورت حال سے مطلع کیا۔ حکومت مشرقی پاکستان نے بھارت سے سخت احتجاج کیا اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ تری پورہ اور تیپرا سے کہا کہ وُہ اس تنازعہ کو حل کریں۔ دونوں حکومتوں کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں کی ملاقاتیں ہوئیں مگر بے سود۔ بھارت نے علاقہ خالی کرنے سے انکار کر دیا۔

اس دوران میں لکشمی پور کے مسلمان جمع ہو کر بھارتی کمانڈر میجر ڈیو برمن کے پاس گئے اور اسے بتایا کہ یہ پاکستانی علاقہ ہے اور یہاں حد بندی کے نشان بھی لگے ہوئے ہیں۔ اس لیے وُہ اسے خالی کر دیں اور اپنے علاقے میں چلے جائیں لیکن وُہ نہایت ترش روئی سے پیش آیا اور اُن لوگوں کو گالیاں دیں اور کہا :

"بھاگ جاؤ ورنہ سب کو گولی کا نشانہ بنا دیا جائے گا۔ یہ سرحدی نشان لگے ہیں تو لگے رہیں۔ لکشمی پور بھارت کا ہے اور ہم یہیں رہیں گے۔ جاؤ اپنی فوج کو بلا لاؤ۔ ہم اس سے بھی نپٹ لیں گے"!

یہ خبر میجر جنرل محمد امراؤ خان تک پہنچی تو انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ لکشمی پور ہر قیمت پر واپس لیا جائے گا۔ لاتوں کے بھوت بھلا باتوں سے کب مانتے ہیں۔ ان کا علاج تو ڈنڈا ہی ہے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے حکم جاری کیا اور اگرتلا اور اکھوڑا کے درمیان بھارتی باشندوں کی آمد و رفت بالکل بند کر دی۔ ان کا خیال تھا کہ

شاید کاروبار بند ہو جانے سے یہ لوگ ان مذموم حرکتوں سے باز آجائیں اور پاکستانی علاقہ خالی کر دیں۔ مگر بے سود۔

۳ر اگست ۱۹۵۸ء کو میجر جنرل امراؤ خاں نے بریگیڈیر صاحب داد صاحب کو طلب کیا اور حکم دیا کہ لکشمی پور پر فوری طور پر حملہ کر کے اسے بھارتی سپاہیوں کے قبضے سے چھڑایا جائے اور انہیں زندہ پکڑ کر لیا جائے۔ ریگولر فورس کا انتظام بھی کیا گیا۔ تاکہ ہنگامی حالات میں وہ مسلمان سپاہیوں کی مدد کر سکیں۔ بریگیڈیر صاحب داد کی نظریں اس خاص مہم کے لیے میجر طفیل محمد پر پڑیں۔ میجر صاحب اس زمانے میں سمگلروں کی سرکوبی کے سلسلے میں اکھوڑا ہیڈ کوارٹرز میں ونگ کمانڈر تھے۔

میجر طفیل محمد ایسٹ پاکستان رائفلز سے بحیثیت ونگ کمانڈر نمبر ا ونگ میں ۲۵ر جنوری ۱۹۵۸ء کو منسلک ہوئے۔ اس امر کا ذکر انہوں نے اپنے ایک خط میں جو انہوں نے جناب کیپٹن چودھری عبدالرحمٰن کو ۱۵ر مارچ ۵۸ء کو تحریر کیا، کیا ہے۔ لکھتے ہیں :

"میں اڑھائی سال کوئٹہ انفنٹری سکول میں گزارنے کے بعد پلٹن ۱۳- پنجاب میں آیا۔ پلٹن میں بمشکل دس ماہ گزارے تھے کہ

East Pakistan Rifles

کی تعیناتی آگئی۔ اس جگہ تین سو روپیہ مزید الاؤنس ملتا ہے اور اس کے لیے میں نے ۱۹۵۷ء میں نام دیا تھا۔"

بریگیڈیر صاحب نے بتایا کہ مشرقی پاکستان کے لوگوں میں یہ عام تاثر تھا کہ اگر لڑائی ہوئی تو مغربی پاکستان میں ہو گی، مشرقی پاکستان میں نہیں ہو گی۔ ای-پی-آر

میں جوانوں کی ضرورت تھی اور اس کی از سر نو تنظیم سے اسے زیادہ طاقت ور مضبوط بنایا جاسکتا تھا۔ تاکہ بوقت ضرورت بطریق احسن سرحدوں کی حفاظت کر سکے۔ میں گورنر سے ملا۔ دانشوروں سے درخواست کی۔ سیاست دانوں کو یقین دلایا مگر ہندوؤں سے مفت کا بیر لینے کے لیے کوئی بھی تیار نہ تھا۔ بالآخر میں نے انہیں بتایا کہ جب میزو اور ناگا لوگ بھارت کو آنکھ دکھا سکتے اور اپنا حق جتا سکتے ہیں تو ہمیں بھارت سے بالکل مرعوب نہیں ہونا چاہتے۔ آخر کار میں اکھوڑا ہیڈ کوارٹرز میجر طفیل محمد سے ملنے کے لیے گیا۔ سٹیشن سے اتر کر میجر شہید کے بنگلے تک سو گز کا فاصلہ تھا اور تمام راستے میں پانی ہی پانی تھا۔ گرمیوں کے موسم میں وہاں چاروں طرف پانی ہی پانی نظر آتا ہے لیکن سردیوں میں ایسا نہیں۔ چنانچہ کشتی کے ذریعے سو گز کا فاصلہ طے کیا۔ میجر طفیل محمد کا ونگ نمبر ا ان دنوں کومیلا کی سرحدوں کی حفاظت کے لیے مامور تھا اور تمام کمپنیاں دور دراز علاقوں میں پھیلی ہوئی تھیں۔ چنانچہ کچھ سپاہی چٹاگانگ اور کچھ کاکسز بازار سے جمع کیے گئے۔

اسی اثنا میں لکشمی پور میں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ تری پورہ اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ رتپرا کی کانفرنس ہونے والی تھی۔ چونکہ یہ ضروری تھا کہ حملے سے پہلے لکشمی پور کے اس حصے کا بغور معائنہ کیا جائے جو بھارتی پولیس کے قبضے میں تھا اس لیے یہ طے پایا کہ میجر طفیل محمد بھی اس میٹنگ میں شرکت کریں۔ لیکن سفید کپڑوں میں اسی میٹنگ میں اتفاق سے میجر طفیل محمدؒ کی ملاقات میجر دیو برمن سے ہوئی۔ جو متنازعہ خطہ اراضی پر بھارتی فوج کا آفیسر انچارج تھا۔ کانفرنس کے دوران میجر دیو برمن کا رویہ نہایت ترش تھا۔ اس نے کہا:

"پاکستان ایک روز بھارت کے ساتھ متحد ہو کر رہے گا۔ اور پاکستانیوں کو وہ خطہ اراضی جو بھارت کے پاس ہے اور جس کی زبردست حفاظت کی جا رہی ہے واپس حاصل کرنے کا خواب نہیں دیکھنا چاہیئے۔ ملاقات کا انتظام ایک سکول میں کیا گیا تھا اور چائے اور مٹھائی وغیرہ کا بھی اہتمام تھا۔ اس نے کہا علاقے کی بات چھوڑیں اور مٹھائی کھائیں"۔

میجر طفیل محمد نے اسے نہایت نرم لہجے میں جواب دیا۔

"میں تم سے یہ جگہ خالی کراؤں گا۔ اور تم کو اپنے قیدی کی حیثیت سے لے جاؤں گا۔ یہ دھمکی نہیں۔ وعدہ ہے"[۱]۔

۴ر اگست ۱۹۵۸ء کو بھارتی وزیر داخلہ پنڈت پنت نے پاکستان کو بھارت کی طاقت دکھانے کی دھمکی دے دی۔ پاکستان کے وزیر خزانہ سید امجد علی نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

"پنڈت پنت جیسے بھارتی رہنما نے یہ غیر ذمہ دارانہ بیان اس وقت دیا ہے جب کہ دونوں ملکوں کے وزرائے اعظم کی ۲۳ر اگست کو کانفرنس ہو رہی ہے"۔

اس کانفرنس میں سرحدی مسائل پر غور ہونا تھا۔ انہوں نے کہا بہت ممکن ہے کہ بھارتی رہنماؤں کی دھمکیوں سے دونوں ممالک کے درمیان جنگ چھڑ جائے

[۱] لیکن اس بیان کی بریگیڈیر صاحب داد صاحب نے تردید کی ہے انہوں نے بتایا کہ تلخ کلامی ضرور ہوئی تھی مگر معلوم نہیں یہ واقعہ پیش آیا تھا یا نہیں۔

چنانچہ بھارت پر اس کا الٹ ردعمل ہوا۔ اس روز اس کی فوج کے چھوٹے چھوٹے دستے پیھاریہ کے محفوظ جنگلات میں داخل ہونے کی کوشش کرنے لگے اور اس علاقہ میں بھارتی فوج کی تعداد میں زبردست اضافہ کر دیا گیا۔

۵ر اگست کو میجر طفیل محمد نے حملے کا پلان بنایا۔ اور بریگیڈیر صاحب داد صاحب کو اس سے مطلع کیا اس منصوبے کی میجر جنرل محمد امراؤ خان صاحب کو بھی اطلاع دی گئی۔ میجر طفیل محمد کو اختیار تھا کہ موقع محل کے مطابق جو کارروائی مناسب سمجھیں کریں۔ لکشمی پور واپس حاصل کرنے کے دو طریقے تھے پہلا یہ کہ سائلنٹ اٹیک ، Silent attack کیا جائے۔ یعنی رات کی تاریکی میں دشمن پر بجلی کی طرح حملہ کیا جائے اور اس کو خبر ہونے سے پیشتر ہی اس پر قابو پالیا جائے مگر یہ سکیم راز میں نہیں رہ سکتی تھی۔ جس گاڑی میں میجر طفیل محمد اور ان کے ساتھی سوار کر رہے تھے اس میں ہندو اور سکھ ملازم تھے اور دشمن کو پہلے ہی سے خبر مل گئی تھی کہ پاکستان حملے کرنے کے لیے آ رہے ہیں۔ ہم حملے کو راز سمجھتے رہے۔ دوسرا طریقہ یہ تھا کہ دشمن کے چاروں جانب اونچی اونچی ٹیکریوں پر گھیرا ڈالا جائے کمک اور رسد کے تمام راستے مسدود کر دیے جائیں۔ دشمن گھیرے میں آ کر ہتھیار ڈال دے گا۔

۶ر اگست کو بھارتی آرمڈ فورس نے دریائے اسرما کے علاقے میں پاکستان کے ایک گشتی دستے پر گولی چلا دی۔ پاکستان کی جانب سے فائرنگ کا کوئی جواب نہ دیا گیا۔ بھارتی فوج کی طرف سے پاکستانی سرحد کو پار کرنے کی یہ دوسری جارحانہ کارروائی تھی۔ چنانچہ اسی روز بھارتی فوج پیھاریہ کے جنگلات (پاکستانی علاقہ) میں

بھی گھس آئی اور اس نے چار پاکستانیوں کو اغوا کر لیا۔ حکومت مشرقی پاکستان نے بھارتی حکومت سے سخت احتجاج کیا کہ چاروں پاکستانیوں کو رہا کر دے اور بھارتی فوج کو پاکستانی علاقہ سے فوراً واپس بلا لے۔ بھارتی حکومت نے آسام کی سرحد پر فوج کی تعداد میں مزید اضافہ کر دیا اور کچھ فوج اہم سرحدی مقامات پر متعین کر دی۔

اسی روز میجر طفیل محمدؐ نے جوانوں کو جمع کرنے کے بعد نہایت جوشیلی اور جذباتی تقریر کی۔ آپ تو بقول بریگیڈیئر صاحب "ہیجانی حالت میں اجازت کے منتظر تھے" آپ نے اپنی تقریر میں کہا:

"مجھے اس معرکے کے لیے رضاکار چاہئیں۔ مہم کی تفصیلات سب کو پہلے ہی بتا چکا ہوں۔ اس کی کامیابی پر وطنِ عزیز کے وقار کا انحصار ہے۔ جس جوان کے دل میں ذرا بھی ہچکچاہٹ ہو یا جسمانی لحاظ سے اپنے آپ کو اس مہم کے لیے موزوں نہ سمجھتا ہو وُہ بڑی خوشی سے پیچھے رہ سکتا ہے۔ میں کسی کو جبراً یا حکماً اپنے ساتھ نہیں لے جانا چاہتا۔ جو لوگ خوشی سے کل میرے ساتھ اس لڑائی میں کودنے کو تیار ہیں وُہ ایک قدم آگے آجائیں۔"

ویسے تو اس کمپنی میں پنجابی، بنگالی اور پٹھان سب شامل تھے۔ لیکن زیادہ تعداد مشرقی پاکستان کے جوانوں کی تھی۔ میجر طفیل محمد نے اپنی بات مکمل ہی کی تھی کہ سب کے سب جوان آگے بڑھ آئے اور ایک بھی پیچھے نہ رہا۔ جوش اور ولولے سے ہر ایک کا چہرہ تمتما رہا تھا۔ سب نے وطن عزیز کے دفاع کے لیے مرمٹنے

کی قسم کھائی۔ میجر طفیل جذبات کی رو میں بہہ گئے اور ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے موتی بن کر زمین پر ٹپ ٹپ گرنے لگے۔ انہوں نے تمام جوانوں کو شاباش دی اور ان کے ولولے اور جوش کی تعریف کی۔ اور کہا:

"مجھے کامل یقین تھا کہ آپ میں سے ہر شخص جاں باز اور بہادر ہے اور ملک و ملت کی آن پر اپنا تن من اور دھن قربان کرنے سے دریغ نہیں کرے گا۔"

جب میجر طفیل محمد کو فرصت ملی تو آپ نے قلم اور کاغذ لے کر اپنا آخری خط والدہ ماجدہ اور منہ بولے بیٹے کیپٹن محمد اختر کے نام تحریر کیا۔ اس خط کے ایک ایک لفظ میں والدہ کی بے پناہ محبت کے انمٹ نقوش ثبت ہیں۔ جلدی میں آپ یہ خط پوسٹ نہ کروا سکے چنانچہ اردلی اقبال کو حکم دیا کہ وہ اسے پوسٹ کر دے۔ مذکورہ خط آپ کی شہادت کے تین دن بعد آپ کے آبائی گاؤں پہنچا۔ جو ہدیۂ قارئین ہے:

۷۸۶

از اکھوڑا

۶-۸-۵۸ میرے قبلۂ کونین و کعبۂ دارین جناب والدہ صاحبہ دام ظلکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

مجھے بہت ضروری کام پر جانا ہے۔ سخت جلدی ہے۔ عزیزم محمد اختر کو کچھ کہنا تھا سو لکھ دیا ہے۔ اپنی خیریت سے مطلع کریں۔ عزیزم کے نتیجہ سے مطلع کریں۔

زندگی رہی تو انشاء اللہ تعالیٰ دو تین روز میں خط لکھوں گا۔ میرے لیے دعا کریں

آپ کا فرمانبردار بیٹا۔ طفیل محمد

لکشمی پور سے تین میل دور جلیل پور نامی ایک گاؤں ہے۔ وہاں پہلے سے ہی ایک میڈیکل پوسٹ قائم کر دی گئی تھی۔ اور بارڈر پولیس کا ایک گائڈ راستہ بتانے کے لیے منتخب کر لیا گیا تھا۔ میجر طفیل محمد نے اپنے تمام فوجیوں کے لیے ریل کے ٹکٹ خرید لیے۔ جو لاٹو تک کے سفر کے لیے تھے۔ یہ تمام تدابیر اس لیے اختیار کی گئیں کہ مکار و عیار دشمن جس کے جاسوس شیطان کی طرح ہر جگہ موجود تھے، انہیں یہ پتہ نہ چل سکے کہ ان پر حملہ ہونے والا ہے۔ ۶ اور ۷ اگست ۱۹۵۸ء کی درمیانی رات کو ½۱ بجے کے قریب چٹاگانگ سے سلہٹ جانے والی گاڑی میں کمپنی کے تمام جوانوں کو سوار کیا۔ جب ٹرین روانہ ہوئی تو میجر طفیل محمد خود بھی سوار ہو گئے۔ تقریباً ½۲ بجے گاڑی سے کمپنی کے جوان جلیل پور اتر گئے۔ سٹیشن پر میجر طفیل محمد کی ملاقات الکھوڑا کے کسٹمز آفیسر سے ہوئی۔ وہ آپ کو اچھی طرح جانتا تھا۔ اس نے پوچھا:

"اتنی رات گئے آپ وردی میں کیسے گھوم رہے ہیں؟"

میجر صاحب نے جواب دیا:

"جب ملک کی آن پہ آنچ آنے کا ڈر ہو تو سپاہی کہاں آرام سے بیٹھ سکتا ہے۔ سپاہی کی جان ہر وقت ہتھیلی پہ ہوتی ہے۔ لیکن وہ در اصل مر کر بھی نہیں مرتا۔ اس وقت میں آپ کو صرف اتنا ہی بتا سکتا ہوں۔ خدا حافظ"

چنانچہ دوسرے روز کسٹمز آفیسر نے آپ کی شہادت کی خبر سنی تو کہا:

"اللہ تعالیٰ نے انہیں وہی موت دی جس کی انہیں عرصے سے تمنا تھی۔"

لکشمی پور اور اس کے نواحی علاقے پر قبضہ رکھنے کے لیے ہندوستانی سپاہیوں نے ایک اہم ٹیکری پر مورچہ بنا رکھا تھا۔ در اصل لکشمی پور کا یہ علاقہ جس میں برہمن باڑیہ بھی شامل ہے ایک جزیرہ نما ہے۔ جس ٹیلے پر ہندوستانیوں کا قبضہ تھا۔ اس کے چاروں جانب پانی ہی پانی تھا۔ اور ٹیلے تک صرف ایک ہی راستہ جاتا تھا جس پر دشمن نے ہلکی مشین گنیں نصب کر رکھی تھیں اور راستے کے دونوں طرف باڑ لگائی ہوئی تھی۔ ظاہر ہے اس صورت حال میں ایسے مراحل میں سے گزرنا موت کو دعوت دینا تھا۔ مگر ہمارے شیر دل جوان جن کی ہیبت سے پہاڑ بھی رائی بن جاتے ہیں۔ سینہ سپر تھے اور جلد از جلد دشمن سے پاکستانی علاقہ خالی کرانا چاہتے تھے۔

اونچے ٹیلے پر قابض ہونے کی وجہ سے ہندوستانی سپاہی پاکستانی جوانوں کی تمام نقل و حرکت بخوبی دیکھ سکتے تھے۔ ان کی تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ تھی اور ہلکی اور بھاری مشین گنیں ان کی پشت پناہی کر رہی تھیں۔ میجر طفیل محمد کو حکم دیا گیا تھا۔ کہ کم از کم کشت و خون سے دشمن کو مار بھگایا جائے۔ بلکہ زندہ پکڑ کر لایا جائے اور اس کی طرف ایک ہی صورت تھی کہ دشمن پر بے خبری میں ضرب حیدری لگائی جائے اور دشمن پہلے سے باخبر ہو چکا تھا۔

میجر طفیل محمد کا منصوبہ یہ تھا کہ دو مختلف مقامات پر ایک ایک پلاٹون سے حملہ کیا جائے۔ ایک پلاٹون میں تقریباً تیس آدمی ہوتے ہیں۔ منصوبے کے مطابق تیسری پلاٹون کو ایک لمبا چکر کاٹ کر ہندوستانی علاقے کی جانب سے بھارتی سپاہیوں پر حملہ آور ہونا تھا۔ اور یہی مرحلہ سب سے زیادہ خطرناک اور مشکل تھا۔ اس تیسری

پلاٹون کی کمان خود میجر طفیل محمد نے سنبھالی اور جمعدار محمد اعظم خان کو اپنا نائب مقرر کیا۔

اس پلاٹون کا کام سب سے اہم، سب سے مشکل اور بہت زیادہ پُرخطر تھا۔ بلکہ حقیقتاً سارے معرکے کی کامیابی کا انحصار و دار و مدار اسی پلاٹون کی کارروائی پر تھا۔ انہی حالات کے پیشِ نظر میجر طفیل نے اس کی کمان اپنے ہاتھ میں رکھی۔ ۶ر اگست کی شام کو آپ نے حملے کی ہدایات جاری کیں اور جوانوں کو بتایا کہ انہیں کیا کرنا ہے، پھر پوچھا۔

"کسی کو کوئی سوال یا کوئی شک رفع کرنا ہو تو وُہ بول سکتا ہے۔"

تمام لوگ خاموش کھڑے رہے۔ مگر ان میں ایک بے چینی نمایاں تھی۔ سب آپس میں کھُسر پھُسر کرنے لگے۔

آپ نے دوبارہ پُوچھا۔

"کوئی سوال"؟

اس پر جمعدار محمد اعظم خان ہمت کر کے آگے بڑھا اور کہنے لگا۔

"میں معافی چاہتا ہوں۔ لیکن ہم سب کی ایک استدعا ہے۔ آپ نمبر ۳ پلاٹون کے ساتھ حملے میں شریک نہ ہوں۔ سب سے زیادہ خطرہ اسی مقام پر ہے۔ ہمیں اس ایک مقام کے لیے نہیں بلکہ پورے معرکے کے لیے آپ کی ضرورت ہے۔"

آپ مسکرائے اور نہایت نپے تلے انداز میں یوں گویا ہوئے:

"میرے بچاؤ کا اتنا خیال نہ کرو۔ اس معرکے کی ساری کامیابی

اسی پلاٹون کی کارروائی سے وابستہ ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ میں اس میں کام آجاؤں گا۔ لیکن ایک سپاہی کو اور چاہیئے ہی کیا؟ اپنے ملک کی آزادی اور آبرو کے لیے جان قربان کر دینے سے بڑا اعزاز کیا ہو سکتا ہے؟"

یہ جملے سن کر کسی جوان کو بھی کچھ مزید کہنے کی ہمت نہ ہوئی۔ وُہ اپنے میجر کی طبیعت سے بخوبی واقف تھے انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ میجر طفیل ایک زبردست آہنی ارادے کے مالک ہیں۔ ان کا فیصلہ اٹل ہوتا ہے اور دنیا کی کوئی طاقت انہیں اس ارادے سے باز نہیں رکھ سکتی۔

حملے کی رات بڑی تاریک اور گھناؤنی تھی۔ لکشمی پور میں ہُو کا عالم تھا۔ تین بج چکے تھے۔ نمبر ا ونگ کے "اے" کمپنی اس معرکے کے لیے۔ کفن بردوش تیار کھڑی تھی۔ ہر ایک جوان خاموشی سے اپنے کمانڈر میجر طفیل محمد کے گرد جمع ہو گیا۔ آپ کا دل خود اعتمادی اور خوشی سے بھرا ہُوا تھا۔ جوانوں کو مخاطب کر کے آپ نے فرمایا:

"آج رات جو معرکہ ہمیں درپیش ہے یہ کوئی مشکل نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ انشاءاللہ ہم اسے سر کر لیں گے۔ میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ ہماری حکومت اس ملک کے دفاع کے لیے بڑے بھاری اخراجات کی متحمل ہو رہی ہے۔ اتنا بوجھ وُہ بخوشی ایسے ہی دن کے لیے اٹھا رہی ہے جیسا آج ہمیں درپیش ہے۔ آج ہمیں یہ ثابت کرنا ہے کہ ہم پر جو اعتماد کیا گیا ہے ہم اس کے اہل ہیں۔ اگر

ملک کو قربانی کی ضرورت ہے تو سب سے پہلے آج میں اپنی جان پیش کرتا ہوں۔ آپ اللہ پر اور اپنے آپ پر بھروسہ رکھیں خدا ہماری مدد کرے گا اور کامیابی ہمارے قدم چومے گی۔"

ساڑھے تین بج گئے تھے۔ نمبر ۳ پلاٹون میجر طفیل محمد کی کمان میں روانہ ہوگئی۔ اسے ہندوستانی فوج کی پشت پر پہنچ کر وہاں سے حملہ کرنا تھا۔ ہر شخص نہایت احتیاط سے پھونک پھونک کر قدم اٹھا رہا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ دشمن کو پاؤں کی آہٹ سے پتہ نہ چل سکے۔ شہر خموشاں کی مانند چاروں جانب خاموشی طاری تھی۔ کبھی کبھی ہندوستانی سپاہیوں کے کھانسنے کی آواز آجاتی یا ہوا چلنے سے بانس کی شاخوں اور پتوں کی سرسراہٹ سنائی دیتی تھی۔ حملے سے پہلے کا وقت بہت ہی نازک ہوتا ہے۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے جب دلیر سے دلیر سپاہی پر بھی ایک کپکپی سی طاری ہو جاتی ہے۔ ایک بار گولی چلنے لگے اور لڑائی شروع ہو جائے تو پھر سپاہی کا خوف و ہراس سب دور ہو جاتا ہے۔ میجر طفیل محمد اپنے جوانوں کا حوصلہ بڑھانے کے لیے ایک ایک سپاہی کے پاس گئے۔ ہر ایک کا نام پکارا اور چند باتیں کر کے تھپکی دی۔ ہر سپاہی نے بھی خاموش نگاہوں سے جواب دیا۔ گویا کہہ رہے ہوں۔

"آپ کے پیچھے ہم موت کے منہ میں جانے کو تیار ہیں۔"

سنگینیں چڑھا کر دبے پاؤں "سی" پلاٹون اپنے محبوب میجر کی قیادت میں ہندوستانی مورچوں کی جانب بڑھنے لگی۔ دشمن بھی بے خبر نہیں تھا اور غالباً گھات لگائے دبکا بیٹھا تھا۔ ورنہ ایک جانب سے پیش قدمی ہو تو جنگی نقطۂ نظر

سے دوسری جانب اتنی خاموشی ہونا ایک عجیب بات ہے۔ چنانچہ یہ خدشہ حقیقت ثابت ہُوا۔ دشمن کو پاکستانی فوج کی روانگی کی اطلاع مل چکی تھی۔ ان کا مُخبر بھی اس گاڑی میں آیا تھا جس میں ہماری پلاٹون۔ لیکن اب پیچھے ہٹنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

میجر طفیل نے حملہ آور ہونے کا اشارہ کیا۔ بھاری تن و توش، لمبے تڑنگے اور مہیب مونچھوں والے کمپنی حوالدار میجر نے —— جو دوسری جنگِ عظیم میں حصہ لے چکا تھا۔ میجر طفیل سے خاص اجازت حاصل کی اور پلاٹون کے ہمراہ ہو لیا وُہ اپنے کمانڈر —— میجر طفیل کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا اور بڑی شدت سے اس بات کا منتظر تھا کہ کب وُہ پُر سعادت گھڑی آئے کہ "نعرہ حیدری" کی صدا رات کا سکوت توڑے اور دشمن کے لیے توپ کا گولہ ثابت ہو۔

اتنے میں اگلے مورچے سے سنتری کی صدا بلند ہوئی اور اس کے ساتھ ہی مشین گنوں اور دوسرے ہتھیاروں نے آگ برسانی شروع کی اور لڑائی شروع ہو گئی۔ حوالدار میجر کا "نعرۂ حیدری" بلند ہُوا اور اس کے جواب میں "یا علیؑ" کی گونج سے فضا تھرتھرا اُٹھی۔

آپ نے کمپنی کو پیچھے رہنے اور آرڈر پر حملہ آور ہونے کی ہدایت کی اور خود اعظم خان اور ایک سنتری کے ساتھ آگے بڑھے۔ جب دس گز کے فاصلہ پر رہ گئے تو دشمن کی پہلی مشین گن کی پہلی گولی آپ کے پیٹ میں آ کر لگی اور پھر یکے بعد دیگرے دو مزید گولیاں لگیں لیکن آپ کے پائے استقامت میں لغزش نہ آئی اور باز کی طرح جھپٹے۔ ایک ہاتھ زخمی سینے پر رکھا اور دوسرے سے ایک ہینڈ گرنیڈ

نکال کر ایسا ناپ تول کر پھینکا کہ دشمن کی مشین گن اور اس کے عملے کا صفایا ہو گیا اس شور و غل میں آپ کی آواز برابر سنائی دے رہی تھی۔ آپ پیٹ کے بل آگے بڑھ رہے تھے اور جوانوں کے حوصلے بڑھا رہے تھے اور ملک و ملّت کی آن اور حفاظت کی خاطر مٹنے کی تلقین کر رہے تھے۔

اتنے میں دشمن کی دوسری مشین گن (ایل۔ایم۔جی) نے جو پیچھے آڑ میں تھی گولیوں اور ٹریسروں کی آگ برسانی شروع کر دی۔ ٹریسر — آگ کی چمکتی ہوئی گولیاں ہوتی ہیں جو بہت خوف و ہراس پھیلاتی ہیں، اس کی ایک گولی جمعدار محمد اعظم کو آ کر لگی اور وہ موقع پر ہی جامِ شہادت نوش کر گئے۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ اس مشین گن کو بھی خاموش کر دیا جائے۔ میجر طفیل کے جسم سے خون کے فوارے چھوٹ رہے تھے۔ جس کے نتیجے میں ان کی کافی طاقت زائل ہو چکی تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں بلا کا عزم، حوصلہ اور استقامت عطا فرمائی تھی۔ آپ اتنی طاقت زائل ہونے کے باوجود اس مشین گن پر جھپٹے اور گرینڈ پھینک کر اس کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ٹھنڈا کر دیا۔ حوالدار میجر نے ایک اور نعرہ بلند کیا۔ میجر طفیل نے بھی ایک بار پھر جوانوں کو للکارا اور ان کی ہمت بڑھائی۔ وہ بپھرے ہوئے شیر کی طرح لپکے اور دست بدست لڑائی شروع ہو گئی۔ اور ہندوستانی سپاہی میدانِ کارزار سے دم دبا کر بھاگنے لگے۔ اب حملہ دشمن کی دوسری پوسٹ پر ہوا

تھوڑی دیر میں تری پورہ پولیس فورس کا کمانڈر میجر دیو برمن ہاتھ میں پستول لیے ایک خیمے سے نکلتا ہوا دکھائی دیا۔ میجر طفیل کثیر تعداد میں خون بہہ جانے کی وجہ سے زخموں سے نڈھال ہو کر زمین پر لیٹے پڑے تھے۔ انہوں نے اٹھنے کی کوشش

کی۔ مگر وُہ نہ اٹھ سکے۔ میجر برمن اسی جانب بڑھا آ رہا تھا۔ ایسٹ پاکستان رائفلز کے ایک جوان —— نے اس لمبے تڑنگے اور تنومند کمانڈر کو جہنم واصل کرنے کی ٹھانی۔ اسے یہ معلوم نہ تھا کہ اس کے ہاتھ میں پستول ہے۔ میجر طفیل نے جب اپنے جوان کی جان خطرے میں دیکھی تو اس حالت میں بھی انہوں نے جس فرض شناسی کا مظاہرہ کیا وُہ مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ انہوں نے اپنی جان کی پروا نہ کی۔ انہیں اپنے جوانوں کی سلامتی کی فکر —— اور اپنے ملک کا تحفظ دامنگیر تھا۔ وُہ رینگتے ہوئے میجر برمن کی جانب بڑھے اور اپنی ٹانگ سے اُلجھا کر اُسے زمین پر گرا دیا۔ بعد ازاں اپنی فولادی ٹوپی سے اسے ایک ضرب کاری لگائی جس سے وُہ نڈھال ہو گیا۔ کچھ دیر کے بعد میجر برمن اٹھا اور اس نے آپ کو نڈھال دیکھ کر وہی فولادی خود آپ کے ماتھے پر دے مارا جس کی وجہ سے آپ کو زخم آ گیا۔ بعد ازاں ہسپتال میں اس پر پٹی وغیرہ باندھی گئی۔ آپ کے ماتھے پر بھی گہرا زخم آیا۔ یہ زخم اس وقت آیا جب آپ میجر دیو برمن سے گتھم گتھا ہوئے تھے۔

اسی اثنا میں میجر طفیل نے دیکھا کہ ای۔ پی۔ آر کا ایک نوجوان نشانہ باندھے میجر برمن کا خاتمہ کرنا چاہتا ہے۔ اس پر میجر طفیل نے چلّا کر کہا:

"اسے نہ مارو، اسے پیچھے دوسرے قیدیوں کے پاس لے جاؤ۔ اس کی اچھی طرح دیکھ بھال کرو"۔

میجر برمن قیدی بنا لیا گیا۔ اسی اثنا میں آپ کی کمپنی کے دوسرے جوان پہنچ گئے انہوں نے جب آپ کو خون میں لت پت دیکھا تو میجر طفیل نے اپنی حالت چھپانے کی انتہائی کوشش کی اور ان سے کہا کہ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ تم اپنے مورچے

قائم کرو۔ میں ابھی ان کے معائنے کے لیے آتا ہوں"۔

دشمن اب پوری طرح پسپا ہو چکا تھا اور دُور سے مشین گنوں کی باڑیں مار رہا تھا۔ میجر طفیل اس برستی ہوئی آگ میں جوانوں کو دیکھنے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے آپ کے اردلی اور حوالدار میجر نے بڑی منت سماجت کی کہ آپ آرام کریں۔ مگر آپ کا ایک ہی جواب تھا۔

"میں اس وقت آرام کروں جب میرے جوانوں پہ گولیاں برس رہی ہیں مجھے پتہ ہے کہ مجھے زخم کاری آئے ہیں اور میں زیادہ دیر نہیں جیوں گا لیکن جب تک دم میں دم ہے۔ میں اپنے جوانوں کے ساتھ رہوں گا میں انہیں بتانا چاہتا ہوں کہ اُن کے شاندار کارنامے پر آج مجھے کتنا فخر ہے"۔

یہی نہیں، ان تمام باتوں کے باوجود میجر طفیل نے اب خندقوں کی گشت شروع کر دی۔ ایک جوان نے جب اپنے اس مایہ ناز کمانڈر کو اس حالت میں دیکھا تو وُہ اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا۔ اپنی جان کی پروا کیے بغیر وُہ خندق سے کود کر باہر آگیا اور کمانڈر سے چمٹ کر زاروقطار رونے لگا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے جوان آپ پر کس قدر فدا تھے۔ اردلی اقبال اور حوالدار میجر نے اسے سنبھالا تو اسے کچھ ہوش آیا اور پھر اپنے اس بے ساختگی پر معافی مانگی۔ میجر طفیل نے اُسے دلاسا دیا اور کہا "گھبراؤ نہیں۔ مجھے معمولی زخم آئے ہیں۔ میں ٹھیک ہو جاؤں گا۔

آپ وہاں سے چند قدم ہی آگے چل کر نڈھال ہو کر گر گئے۔ اردلی اقبال اور حوالدار میجر رائفلوں کے سٹریچر پر آپ کو اُٹھا کر عقب میں لے آئے۔ اسی اثنا

میں ایک اعلیٰ افسر بھی وہاں پہنچ چکے تھے۔ میجر طفیل آخری بار ہمت کر کے اٹھے اور انہیں سلوٹ کر کے بتایا کہ

"میں نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے اور حملہ آوروں کو مار بھگایا ہے"۔

بعد ازاں ایک میڈیکل حوالدار نے آپ کی مرہم پٹی کی۔ اس کے بعد جلیل پور میڈیکل پوسٹ میں آپ کو لے جایا گیا۔ بھارتی چوکیوں پر پاکستانی پرچم نصب کر دیا گیا (یہ پرچم میجر طفیل محمد کے ہاتھ میں تھا اور جب آپ شدید زخمی ہو گئے تو آپ کا خون پرچم کو بھی لگ گیا۔ یہی پرچم بعد ازاں آپ کی نعش کے ساتھ آپ کے آبائی گاؤں پہنچایا گیا) دشمن پسپا ہو چکا تھا۔ اسے زبردست نقصان اٹھانا پڑا۔ اس کے کئی آدمی ہلاک اور زخمی ہوئے) قید ہونے والوں کی تعداد چودہ کے قریب تھی اور ٹیلے پر ۳۷ لاشیں ملیں۔ قیدیوں میں میجر برمن بھی شامل تھا۔ اس نے کہا:

"میں اس مردِ مجاہد کو دیکھنا چاہتا ہوں جس نے مجھے قیدی بنایا"۔

جب اسے میجر طفیل محمد سے ملایا گیا تو میجر صاحب نے کہا:

"آپ کو یاد ہونا چاہیئے میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے"۔

میجر جنرل محمد امراؤ خان کو منٹ منٹ کی خبریں پہنچ رہی تھیں۔ وہ میجر طفیل محمد کی صحت کے بارے میں بہت پریشان تھے۔ جب آپ کو جلیل پور میڈیکل پوسٹ کی طرف لے جایا جا رہا تھا تو آپ اپنا ہاتھ ہلا ہلا کر فوجی مستعدی سے پاکستانی پرچم کو سلامی دے رہے تھے۔ کمپنی کے کئی جوان دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔ بالآخر ایک سپیشل ٹرین کو رکوا کر آپ کو کومیلا کے کمبائنڈ ملٹری ہسپتال پہنچایا گیا۔

حیرت انگیز بات یہ تھی کہ اس قدر زخمی ہونے کے باوجود آپ کے چہرے پر زردی یا نقاہت کے آثار نہ تھے۔ آپ ہسپتال میں ڈاکٹروں سے ہنس ہنس کر باتیں کرتے رہے اور معرکے کی تمام تفصیلات بیان کیں۔

یہ معلوم کرنے کے لیے کہ میجر شہید کے معالج ڈاکٹر کون تھے، کمبائنڈ ملٹری ہسپتال کومیلا سے رجوع کیا گیا۔ انہوں نے جواب میں لکھا کہ کرنل عبدالحمید اور میجر محمد یونس دیوان آپ کے معالج تھے۔

ڈاکٹر صاحبان کا بیان ہے :

"میجر طفیل محمد جس وقت ہسپتال پہنچے تو نہایت خوش و خرم تھے اور ہشاش بشاش باتیں کر رہے تھے۔ ان کی اس وقت کی اس مطمئن حالت سے کسی کو اس بات کا وہم و گمان تک نہ تھا کہ میجر صاحب کے یہ آخری لمحات ہیں اور نہ ہی ان کو خود اس قسم کا خیال تھا۔ بلکہ وہ کہتے تھے کہ چند دنوں میں اچھا ہو کر اپنے جوانوں میں واپس چلا جاؤں گا۔ چونکہ ان کے جسم سے کافی خون نکل چکا تھا۔ انہیں مزید خون پہنچانے کی سخت ضرورت تھی اس لیے ایک سو پچاس آدمیوں کا خون ٹسٹ کیا گیا جن میں سے صرف دو آدمیوں کا خون فٹ آیا۔ اپریشن میں ان کے پیٹ سے چار گولیاں برآمد ہوئیں جنہوں نے انتڑیوں میں سوراخ کر دیے تھے۔ گولیاں نکالنے کے بعد ہم ٹانکے سی رہے تھے کہ اس دوران میں ان کی حرکتِ قلب بند ہو گئی۔ مالش کے ذریعے خون چلانے کی کافی کوشش کی گئی

لیکن کامیابی نہ ہوئی اور آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

آخری وصیّت :

جب آپ کے معالج ڈاکٹروں نے آپ سے آخری وصیّت کے بارے میں پوچھا تو میجر طفیل محمد نے کہا :

"would you please tell my Commander........that I have done my duty for which I was appointed. I am pleased to congratulate him that we have succeeded to HOIST Pakistan Flag on the border. My soul is in peace because I have performed his order.

Furthermore. I would like to advise to all officers to die for the sake of nation, and safeguard the Pakistan Territory".

(ترجمہ)

"آپ براہ کرم سپہ سالارِ اعظم ۔ ۔ ۔ ۔ سے یہ کہہ دیجیے کہ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے جس کے لیے مجھے تعینات کیا گیا تھا میں انہیں مبارک باد دیتا ہوں کہ ہم سرحد پر پاکستانی جھنڈا لہرانے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ میری روح کو سکون ہے کیونکہ میں نے آپ کے احکامات کی تعمیل کر دی ہے۔

مزید برآں میں تمام افسروں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ قوم اور ملک کی حفاظت میں جان دینے سے گریز نہ کریں۔"

"آفیسرز ریکارڈ آف سروس" آرمی بک نمبر ۳۹ ہ کے مطابق درج ذیل رپورٹ بسلسلۂ شہادت درج کی گئی ہے۔

"seriously wounded by enemy action on 7th August at about 03.00 in area LAKSHMIPUR in District Comilla (E. Pak.).

Admitted to C.M.H. Comilla at 10.30 hrs. on August 7th 1958.

(ترجمہ)

"۷ راگست کو تقریباً تین بجے (صبح) لکشمی پور ضلع کومیلا (مشرقی پاکستان) میں دشمن کے خلاف نبرد آزمائی کرتے ہوئے شدید زخمی ہوگئے۔ اور انہیں اسی روز ساڑھے دس بجے سی۔ ایم۔ ایچ کومیلا میں داخل کیا گیا۔

۷ راگست ۱۹۵۸ء کو ڈھائی بجے دوپہر سی۔ ایم۔ ایچ کومیلا میں ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی"۔

نماز جنازہ :

شہادت کے بعد آپ کو ڈھاکہ پہنچایا گیا۔ وہاں پہلے ہی کہرام مچا ہوا تھا تقریباً چھ بجے شام غسل و کفن کے بعد آپ کی نمازِ جنازہ ادا کی گئی۔ نماز جنازہ میں گورنر مشرقی پاکستان جناب سلطان الدین، تمام کابینہ، محکمہ فوج کے اعلیٰ افسر اور دیگر سرکاری و غیر سرکاری افسروں کے علاوہ بے شمار مسلمان عوام شریک ہوئے۔

۸ راگست ۱۹۵۸ء کو ساڑھے بارہ بجے دوپہر بذریعہ پی۔ آئی۔ اے آپ کی نعش سرکاری طور پر لاہور پہنچائی گئی۔ ایک الگ سرکاری اطلاع چوہدری شریف احمد صاحب کو دی گئی جو اس زمانے میں فلائنگ آفیسر تھے اور اب سکواڈرن لیڈر ہیں اور میجر شہیدؒ کے قریبی رشتہ داروں میں سے ہیں۔ چوہدری صاحب کا تعارف شہادت سے چند روز قبل میجر شہیدؒ نے ڈھاکہ میں اعلیٰ سرکاری افسروں سے کروایا تھا جب آپ رخصت پر آئے تو چوہدری صاحب کو اپنے ہمراہ ڈھاکہ لے گئے تھے۔ چوہدری شریف احمد صاحب نے آپ کی شہادت کی اطلاع بذریعہ ٹیلیفون

منڈی بورے والا میں چوہدری نیاز احمد صاحب کو دی - چوہدری نیاز احمد بورے والا میں چیئرمین ہیں اور نیشنل گارڈ کے صدر بھی ہیں - انہوں نے جناب عزیز احمد کو موضع چک نمبر ۲۵۲ ای - بی روانہ فرمایا اور اس طرح صبح آٹھ بجے شہید کے گاؤں میں اطلاع پہنچی - چک مذکور میں ایک قیامت بپا ہوگئی - گردو نواح سے لوگ جوق در جوق آنے شروع ہو گئے - اور ہزاروں کی تعداد میں لوگ جمع ہو گئے -

آپ کی نعش ۸ اگست ۱۹۵۸ء بروز جمعہ لاہور پہنچی تو دوسرے افسروں کے علاوہ انجمن مرکزیہ گوجراں کے سکرٹری چوہدری عبدالرشید، انجمن کے صدر چوہدری اسلام دین، انجمن کے ضلع لاہور کے صدر چوہدری دل محمد، محکمہ بجلی کے افسر چوہدری رحمت علی بھی ہوائی اڈہ پر موجود تھے - نعش رسمی اعزاز کے ساتھ جہاز سے اتاری گئی - سرکاری انتظام میں فوجی ٹرک کے ذریعے چک ۲۵۳/ای-بی لائی گئی - کیپٹن راجہ علی محمد صاحب، چند فوجی افسر، صوبیدار، حوالدار اور سپاہیوں کی پوری گارڈ نعش کے ہمراہ تھے -

دیدارِ آخری :

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے - لوگوں کا بے پناہ ہجوم جمع ہو چکا تھا - یہاں تک کہ تل دھرنے کو جگہ نہ تھی - اس روز رنگروٹنگ افسر بھی برائے مزید بھرتی آئے ہوئے تھے - انہیں بھی بذریعہ وائرلیس اطلاع مل گئی - جس کی وجہ سے گردو نواح کے تمام فوجی افسر بھی آ گئے - میجر شہیدؒ کا تابوت (جو خاص طور پر الیسٹ پاکستان رائفلز نے صندل کی لکڑی کا بنوایا تھا)، آپ کے سکونتی

مکان میں اتار اگیا۔

آپ کا تابوت اتارتے ہی بالکل خاموشی طاری ہو گئی۔ لوگ اس قدر کثیر تعداد میں جمع تھے کہ آخری دیدار کرانے کا انتظام نہیں ہو سکتا تھا۔ ہر شخص دیدار کا متمنی تھا۔ چنانچہ کیپٹن راجہ علی محمد صاحب نے جن کی آنکھوں سے آنسو ساون کی جھڑیوں کی مانند بہہ رہے تھے۔ بمشکل تمام مجمع پر قابو پایا۔ پہلے گھر میں مستورات کو قطار بنا کر دیدار کرایا گیا اور پھر کھلے میدان میں تابوت لے جا کر رکھا گیا (نعش کی آمد کی اطلاع گاؤں میں بارہ گھنٹے پہلے ہو چکی تھی) چند مصنوعی دروازے بنائے گئے اور تمام لوگوں کو آپ کا چہرہ دکھاتے ہوئے گزارا گیا۔

آپ کے لب پر مسکراہٹ جیسے ہمیشہ کے لیے جم گئی تھی۔ چہرہ روشن اور نورانی تھا۔ تابوت سجا سجایا اور پھولوں میں چھپا ہوا تھا۔ اسی طرح رات کے دو بج گئے۔ کیپٹن راجہ علی محمد نے فرمایا کہ نماز جنازہ ڈھاکہ میں ہو چکی ہے اور مجھے ہدایت کی گئی ہے کہ اب دوبارہ نماز جنازہ نہیں ہو گی۔ اس پر لوگوں نے مشتعل ہو کر کہا کہ نماز جنازہ ضرور ہو گی۔ چنانچہ پیر عبدالحمید شاہ صاحب نے جو شہید کے بزرگوں کے پیروں میں سے ہیں، فرمایا چونکہ نماز جنازہ میں شہیدؒ کے وارثانِ حقیقی میں سے کوئی بھی شامل نہیں ہوا اس لیے نماز جنازہ دوبارہ ہو سکتی ہے۔" پیر صاحب نے کیپٹن صاحب کو بتایا کہ چونکہ آپ نماز جنازہ پڑھ چکے ہیں اور نماز جنازہ فرض کفایہ ہے اس لیے آپ کے لیے دوبارہ ادا کرنا ضروری نہیں۔ پھر ایک وسیع و عریض میدان میں پیر عبدالحمید شاہ نے نماز جنازہ پڑھائی

مزار :

اس کے بعد میجر شہید اپنے والد مرحوم کے قدموں میں سپردِ خاک کر دیے گئے ۔ چوہدری اقبال محمد کا بیان ہے کہ جس جگہ آپ کو دفن کیا گیا ہے وہاں سے قبرستان میں درختوں کو پانی دینے کے لیے ایک کھلی نالی گزرتی تھی ۔ قبرستان میں کافی تعداد میں ہرے بھرے درخت موجود ہیں ۔ حالانکہ قبرستان میں ایسا انتظام کرنا بہت کم ہوتا ہے لیکن شاید قدرت کو یہی منظور تھا اس لیے آپ کے مزار کے لیے یہ جگہ پہلے سے ہی چھوڑی گئی ۔ نالی کو بعد ازاں بند کر دیا گیا ۔ اور جہاں نالی بہتی تھی اس جگہ مزار تک جانے کے لیے پٹڑی بنائی گئی ہے ۔ قبروں پر سایہ دار درخت سایہ کیے کھڑے ہیں ۔ ان قبروں میں شہیدؒ کے تایا ، والد مرحوم اور شہیدؒ خود ابدی نیند سو رہے ہیں ۔ قبروں کے ارد گرد ایک چار دیواری ہے اور چوہدری اقبال محمدؒ صاحب نے ایک ہینڈ پمپ درختوں کو پانی دینے اور لوگوں کے آرام کے لیے لگا دیا ہے ۔

شہید کی آرام گاہ پختہ اور عمدہ قسم کے پتھروں اور سنگِ مرمر سے بنائی گئی ہے ۔ آرام گاہ کے سرہانے کتبے پر مندرجہ ذیل عبارت کندہ ہے ۔

*

۶۸۷

"وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللہِ اَمْوَاتٌ"

میجر طفیل محمد شہیدؒ

نشانِ حیدر

فاتح لکشمی پور

تاریخ شہادت ۷ر اگست ۱۹۵۸ء

صلۂ شہید کیا ہے تب و تابِ جاودانہ

*

شہید کے چھوٹے بھائی چوہدری اقبال محمد صاحب کا کہنا ہے کہ ایک عمدہ مزار بنانے کا پروگرام زیرِ غور ہے اور انشاء اللہ عنقریب اسے پایۂ تکمیل تک پہنچایا جائے گا۔

*

لوگ قوم کے اس مایۂ ناز سپوت کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے تشریف لاتے ہیں اور فاتحہ خوانی اور قرآن خوانی کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ سڑک کے مکمل ہو جانے سے مزید سہولت ہو جائے گی۔

*

ختم شریف :

شہید کے سالانہ ختم شریف کا سلسلہ آپ کے پیرومرشد جناب خلیفہ غلام محمد صاحب کے ایما پر شروع ہُوا۔ شروع شروع میں قوالی وغیرہ کا پروگرام ہوتا تھا مگر جب شہید کے اہلِ خاندان نے دیکھا کہ شرکت کرنے والے حضرات، جنھیں دو وقت کا کھانا بھی میسر نہیں ہوتا وُہ بھی قوالوں کو نذرانہ دیتے ہیں تو انھوں نے لوگوں پر بوجھ تصوّر کرتے ہوئے قوالی کا سلسلہ ختم کروا دیا۔ اس کے بعد چوہدری رحمت علی صاحب کی تجویز پر نعت خوانی، قرآن کریم کا ختم وغیرہ شروع ہُوا اور تاحال جاری ہے۔

۷؍اگست کی رات کو مزار پر چراغاں کیا جاتا ہے۔ ۸؍اگست کی صبح کو غسل کے بعد قرآن خوانی کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور ساڑھے آٹھ نو بجے تک جاری رہتا ہے۔ گاؤں کے تقریباً تمام پڑھے لکھے لوگ شرکت کرتے ہیں اور پانچ سے دس قرآن کریم کا ختم ہوتا ہے۔ گھر میں عورتیں الگ قرآن خوانی کرتی ہیں۔ قرآن خوانی کے بعد ختم ہوتا ہے اور اس کے بعد نعت خوانی کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ بعد ازاں موسم کے لحاظ سے پھل وغیرہ کے علاوہ مٹھائی، چائے اور لسی کا انتظام ہوتا ہے اور تمام حاضرین کی تواضع کی جاتی ہے۔ ختم شریف کے بعد تمام لوگ گاؤں کو چلے جاتے ہیں اور لنگر شروع ہو جاتا ہے۔ تمام لوگوں کو دعوت دی جاتی ہے۔ جو لوگ گھر میں نہیں آتے انہیں شام کے وقت گھروں میں کھانا بھیجا جاتا ہے۔ غریبوں اور مسکینوں میں بھی طعام تقسیم کیا جاتا ہے۔ چنانچہ

یہ سلسلہ صبح دس بجے سے لے کر رات کے سات بجے تک جاری رہتا ہے۔

اس سال راقم الحروف کو بھی شہید ملت کے مزار پر حاضری دینے کا شرف حاصل ہوا۔

۷۔ اگست کی رات کو مزار پر چراغاں کے وقت ایک نہایت روح پرور منظر تھا۔ شہید کے بھائی فلائٹ سارجنٹ خورشید محمد اور فلائٹ سارجنٹ اکبر خان کی رفاقت میں فاتحہ پڑھی۔ ۸ ؍اگست کی صبح کو قرآن خوانی اور ختم شریف میں شرکت کی۔ قرآن خوانی کے بعد نعت خواں حضرات نے حضور اکرم آقائے نامدار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ہدیۂ نعت پیش کیا۔ بعد ازاں شہیدان کرب و بلا کو زبردست خراج تحسین پیش کیا گیا۔ اس کے بعد شہید اور ان کے والد و تایا مرحوم و مغفور کی قبروں پر پھولوں کی چادریں چڑھائی گئیں۔ اس تقریب میں بھی بندہ کو شرکت کا موقع ملا۔ تمام حاضرین باآواز بلند پکار رہے تھے:

اے شہیدِ وطن — تم پر سلام
تم نے روشن کر دیا — ملت کا نام
ہم پر واجب ہے — تمہارا احترام

اس روح پرور اور ایمان افروز تقریب کے بعد حاضرین شہید کے گھر تشریف لے گئے اور وہاں دعوتِ طعام سے کام و دہن کی تواضع کی۔

چند خاص واقعات:

** آپ شہادت سے قبل جولائی ۱۹۵۸ء میں بارہ یوم کی رخصت پر گھر

تشریف لائے اور تمام اہل خاندان سے ملاقات کر کے گئے۔ گویا یہ ان کی آخری ملاقات تھی۔ ان بارہ ایام میں کچھ ایسے واقعات پیش آئے۔ جن کا اگر تجزیہ کیا جائے تو پتہ چلتا تھا کہ کچھ ہونے والا ہے۔ آپ کی روانگی ایک دو روز پہلے ہو گئی۔ میجر صاحب کے ماموں صاحب جناب چوہدری رحمت علی جوان دنوں بصیرپور ضلع ساہیوال میں تعینات تھے کو بلانے کے لیے ایک آدمی بھیجا لیکن وہ وقت پر نہ پہنچ سکے اس لیے ملاقات نہ ہو سکی۔ چنانچہ آپ لاری میں سوار ہو گئے۔ چند منٹ بعد ماموں صاحب پہنچ گئے۔ گھر کے تمام افراد جو آپ کو الوداع کہنے آئے تھے۔ ابھی تک وہیں کھڑے تھے۔ ماموں صاحب کہنے لگے۔ "کبھی ایسا نہیں ہوا، خدا خیر کرے۔"

عید قربان آپ کی رخصت کے دوران میں آئی۔ آپ ہر کس و ناکس سے بغل گیر ہوئے۔ ورنہ اس سے قبل بزرگوں اور بچوں سے اس طرح بغل گیر نہ ہوئے تھے۔

روانگی کے وقت آپ فلائنگ آفیسر جناب شریف احمد صاحب (جو میجر شہید کے عزیزوں میں سے ہیں اور آج کل اسکوڈرن لیڈر ہیں) کو اپنے ہمراہ ڈھاکہ لے گئے۔ ڈھاکہ میں آپ نے ایسٹ پاکستان رائفلز کے ہیڈ کوارٹرز میں تمام افسروں سے ان کا تعارف کرایا۔ یہ بات بھی بالکل اچنبھے کی تھی۔ چنانچہ آپ کی شہادت پر ایسٹ پاکستان رائفلز کے ہیڈ کوارٹرز کے افسروں نے سب سے پہلے شریف احمد صاحب کو اطلاع دی۔ پھر انہوں نے بورے والا میں چوہدری نیاز احمد کو فون پر مطلع کیا اور وہاں سے عزیز احمد صاحب گھر اطلاع لے کر آئے۔ شریف احمد صاحب

فوجی ٹرک میں آپ کی نعش کے ہمراہ گھر پہنچے۔

جب آپ معرکہ لکشمی پور کے لیے روانہ ہوئے تو آپ کے پاس ایک انگریزی کتاب We die alone نامی تھی۔

آپ کے معرکہ کے ایام میں ایک باریک مگر لمبا سا سانپ متواتر دو تین روز تک دکھائی دیتا اور پھر غائب ہو جاتا تھا۔ وُہ چپکے سے آتا اور چار پائیوں کے نیچے سے ہوتا ہُوا گزر جاتا۔ پیشتر اس کے کہ لوگ ہشیار ہو کر اسے مارنے دوڑتے وُہ غائب ہو جاتا۔

آپ کے گھر والوں نے چند ایک لاٹھیاں اپنے پاس رکھ لیں۔ چنانچہ اسے تیسرے روز مار ڈالا گیا۔ میجر طفیل محمد صاحب بھی اسی روز شہید ہو گئے۔

آپ نے رخصت پر جانے سے پہلے خورشید صاحب کو خط لکھا۔ وُہ ان دنوں کراچی میں مقیم تھے اور ان کے خالہ زاد بھائی چوہدری فتح محمد بھی وہیں تھے وُہ ان دنوں بیمار تھے اس لیے خورشید صاحب میجر صاحب کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکے۔

آپ کا کچھ سامان تو آپ کی نعش کے ساتھ ہی آگیا تھا۔ لیکن باقی سامان تین چار ماہ بعد گھر پہنچا۔ میجر صاحب کی والدہ صاحبہ کی اس وقت کی حالت ناقابل بیان ہے۔ آپ صرف اتنا فرماتی تھیں: طفیل محمد کہاں ہے؟ سامان والا کہاں ہے؟ جس کا یہ سامان ہے وُہ کہاں ہے؟ مگر اب صابر و شاکر ہیں اور میجر طفیل محمد کی شہادت کے بعد سے صرف ایک وقت کھانا کھاتی ہیں۔

ہندوستان نے شکست تسلیم کرلی

ہندوستان کے ایک اہم روزنامے "سٹیٹسمین" نے ۹ ر اگست ۱۹۵۸ء کو مندرجہ ذیل سرخی کے ساتھ صفحۂ اوّل پر یہ خبر شائع کی۔

"پاکستانیوں نے تری پورہ گاؤں پر قبضہ کر لیا ہے"

اگرتلہ۔ ۷ر اگست۔ پاکستانی فوجوں نے لکشمی پور کے گاؤں تری پورہ کی سرحد پر آج علی الصبح اچانک حملہ کر دیا، ہندوستانی پولیس فورس کو مغلوب کر لیا اور سرکاری اطلاعات کے مطابق گاؤں کے ایک بہت بڑے حصے پر قبضہ کر لیا۔

پاکستانی فوجی مسلسل پیش قدمی کرتے رہے اور آدھی رات کے تھوڑی دیر بعد ضلع کاچھار کے موضع توکرگرام کو بھی قبضے میں لے لیا۔ یہ موضع آسام کی سرحد پر واقع ہے۔ انہوں نے گزشتہ شب رات گئے تک سرما سیکٹر کے تیرھویں میل تک فائرنگ جاری رکھی۔ شائیلانگ میں آج دوپہر موصول ہونے والی سرکاری خبروں سے پتہ چلتا ہے کہ خود کار مشینوں کے ذریعے گولہ باری ابھی تک جاری تھی اور لیورپوتا، ناتن پور، پیرنگر اور مادھب پور کے گاؤں میں اس کا بہت زور تھا۔

تری پورہ حکومت کی سرکاری خبر میں بتایا گیا ہے کہ پاکستانیوں نے ناجائز اور اچانک حملہ میں صبح تین بجے لکشمی پور میں ایک آدمی کو ہلاک اور دو کو زخمی کر دیا۔ نیز چار آدمی لاپتہ ہیں جن میں ایچ۔ کے دیو برمن بھی شامل ہے۔ برمن تری پورہ

پولیس کا کمانڈر ہے۔

تری پورہ حکومت نے اعلان کیا کہ جائے حادثہ پر مزید مسلح پولیس بھیج دی گئی ہے اور اس سلسلے میں تمام حفاظتی تدابیر اختیار کی جا رہی ہیں۔

اگر تلہ میں موصول ہونے والی سرکاری خبروں میں بتایا گیا ہے کہ پاکستانی فوجی دستی بموں سے مسلح تھے اور انہوں نے کثیر تعداد کے ساتھ حملہ کیا۔ پاکستانی حملے کے بعد لکشمی پور کے لوگوں نے خوف و ہراس کی وجہ سے گاؤں خالی کرنا شروع کر دیا۔

معلوم ہوا ہے کہ پاکستانی فوجی اس علاقے پر حتمی حد بندی کا انتظار کیے بغیر زبردستی قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔

پاکستانی علاقے میں پوری تری پورہ سرحد مکمل طور پر بند کر دی گئی ہے اور پاکستانی حکام نے سرحدی فوج میں اضافہ کر دیا ہے۔

آسام میں کاچھار سرحد کے اس پریشان کن علاقے میں پاکستانی فوجوں نے کل رات سات بجے سب سے پہلے فائرنگ کی۔ لیکن ہندوستانی فوجوں نے جوابی فائرنگ سے گریز کیا۔ پاکستانیوں نے آدھی رات کے وقت دوبارہ فائرنگ شروع کر دی اور گولہ باری مسلسل جاری رکھی۔ چنانچہ اس پر ہندوستانی فوجوں کو جوابی فائرنگ کا حکم دیا گیا۔

حکومت آسام نے ڈھاکہ کے حکام سے پاکستانی حملے کے خلاف سخت احتجاج کیا ہے۔

موضع توکرگرام کی آبادی ایک ہزار نفوس پر مشتمل ہے۔ یہ موضع کریم گنج سے

صرف دس میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور بھنگا بازار کے بھی قریب ہے۔ حال ہی میں اس پر بھی زبردست فائرنگ کی گئی تھی۔ کریم گنج سے موصول ہونے والی سرکاری خبروں میں بتایا گیا ہے کہ منگل کے روز سرما کے دوسرے کنارے پر اس گاؤں میں تقریباً چالیس پاکستانی فوجی زبردستی داخل ہو گئے۔ سرما کا یہ کنارہ پاکستانی علاقے کے بالکل قریب ہے۔

کریم گنج کے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس نے حالات کا جائزہ لینے کے لیے آج توکرگرام کے علاقے کا دورہ کیا۔ کاچھار کے ڈپٹی کمشنر نے سلہٹ (پاکستان) میں مقیم اپنے مثنیٰ کو پاکستانیوں کے اچانک اور ناجائز حملہ کے خلاف سخت احتجاجی تار بھیجا ہے۔ نیز انہوں نے فوری طور پر ہندوستانی گاؤں پر فائرنگ بند کیے جانے کا مطالبہ بھی کیا ہے۔ انہوں نے یہ بھی مطالبہ کیا ہے کہ اس ناجائز دست درازی کے ذمے دار پاکستانی فوجیوں کو سخت سزا دی جائے اور فائرنگ سے ہونے والے نقصانات کی مناسب طور پر تلافی کی جائے۔

ڈپٹی کمشنر سلچھار سے سرحد کی جانب روانہ ہو گئے ہیں تاکہ اس سرحدی معاہدے کی پہلی خلاف ورزی کا موقع پر جائزہ لیا جائے۔ یہ معاہدہ گزشتہ اپریل میں ہوا تھا۔

"سوچا سمجھا حملہ"

کریم گنج سے موصول ہونے والے معتبر ذرائع سے پتہ چلا ہے کہ توکرگرام کے ہندوستانی گاؤں پر قبضہ جمانے کا کام پاکستان نے ۳۰ اگست کو مکمل کر لیا تھا۔

ہمالیائے سرما کی سرحد کے ساتھ ساتھ بنکرز کی تعمیر، خیموں کا نصب کرنا اور فوجوں کی نقل وحرکت کا کام بھی اسی دن انجام پذیر ہو گیا تھا۔ خبر میں بتایا گیا ہے کہ بھنگا اور توکرگرام کے درمیان کشتیوں کے ذریعے آمدورفت کا سلسلہ بھی بند کر دیا گیا اور بدقسمت گاؤں کو ہندوستان سے مکمل طور پر الگ تھلگ کر دیا گیا تھا۔

(پی ۔ ٹی ۔ آئی)

عقیدت کے پھُول

*****

ڈھاکہ سے لاہور تک

*

باب - ۴

میجر طفیل محمد کی شہادت اور اعلیٰ عسکری اعزاز پر ان کے عزیزوں کو ملک کے دونوں کونوں سے بے شمار خطوط اور تار موصول ہوئے۔ چند منتخب خطوط اور تار ہدیہ قارئین ہیں۔ ان سے عوام اور افسروں کی شہید سے عقیدت، محبت اور اپنائیت کا زندہ ثبوت ملتا ہے۔

*

TELEGRAM DATED 9.8.1958

RAWALPINDI.

Chaudhri Iqbal Mohammad Chak No.253 EB GAGGOO N.W. A5187(III).

I am deeply grieved at the death of your borther Major Tufail Muhammad who succumbed to his wounds received in action (iii) His conduct during the operation has been of the highest order and in keeping with the great traditions of Pakistan Army (iii) His unflinch -ing devotion to duty and superb patriotism has been a source of great pride to us all and the example set by him would be a source of great inspiration to his brother Officers (iii) May his soul rest in peace.

General Muhammad Ayub Khan.
C-IN-C Pakistan Army.

*

احساسِ وطنیت

صدرِ مملکت فیلڈ مارشل محمد ایوب خان

۲۳۔ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو مسلح افواج کے کمانڈر انچیف اور مارشل لاء کے ناظم اعلیٰ محمد ایوب خان نے ڈھاکہ میں ایک جلسۂ عام سے خطاب کرتے ہوئے کہا :

"گزشتہ دنوں لکشمی پور کے نزدیک بھارت نے ہماری مرضی اور اجازت کے بغیر اپنی ایک چوکی قائم کر لی تھی . . . جس شخص نے بھارت کو وہاں سے نکالا اور وطن کے لیے لڑتے ہوئے جان دی وُہ مشرقی پاکستان کا نہیں بلکہ اسی پنجاب کا رہنے والا تھا۔ جس کے بارے میں غلط کار لوگ مشرقی پاکستان کے عوام کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کر رہے ہیں . . . ایسا کرنا اس کا فرض تھا۔ اسے یہ فکر تھی کہ کوئی دوسری طاقت ہماری اجازت کے بغیر ہمارے ملک میں کیوں داخل ہوئی"۔ آپ نے مزید کہا یہی احساس سب کے دلوں میں پیدا ہونا چاہیے۔ نیز آپ نے حاضرین کو صوبائی عصبیت سے بچنے کی تلقین کرتے ہوئے کہا کہ ہم علاقائی نہیں بلکہ پاکستانی قوم بن کر ہی زندہ رہ سکتے ہیں۔

TELEGRAM DATED 9 AUGUST 1958

DACCA.

Wife of Major Tufail Muhammad Chak No.253-EB, via Arifwala (Montgomery).

Government of Pakistan deeply reret death of your brave husband Major Tufail Muhammad who died fighting valiantly for recapturing the lost territory of Pakistan and convey heartfelt sympathies to you. Government have already recommended to President grant of suitable award to him. I also convey to you on behalf of both myself and Government of East Pakistan our deep appreciation for the heroic manner in which he fought the momentous action and heartfelt sympathies for his death.

Governor of East Pakistan.

TELEGRAM DATED 8.8.1958

DACCA.

Begum Major Tufail Muhammad
Chak No. 253,E.B. Via
Arifwala (MONTGOMERY)

Most grieved to hear death of your husband. Though he is not more with us but his name will always be remembered in Pakistan as one of the most brave sons.

Sd/- Major General
M.Omrao Khan G.O.C.

Copy of Condolence letter No.2694(2)/S/19-58, dated 11th August, 1958 from S.Ismail, Inspector General of Police, East Pakistan, DACCA.

To

The Members of the family of deceased Major Tufail Muhammad C/o Director General, E.P.R., DACCA.

I am extremely grieved to hear of the heroic demise of Major Tufail Muhammad who has fallen victim to the firings of the Indian Armed Forces on Tippera-Agartala Border. We have lost a valiant fighter. We fully appreciate his valuable services for the state. He has shown an act of supreme courage.

I and the Police Force of East Pakistan deeply mourn his loss and offer our sincere condolences to you all. May his soul rest in peace !

We are considering recognising his sacrifice suitably.

Sd/- S. Ismail.

...

از کرنل جے۔ اے۔ ہیوبرٹ۔ ڈی۔ ایس۔ او

معرفت ۱۷۔ پنجاب رجمنٹ سیالکوٹ۔

۱۴۔ اپریل ۱۹۵۹ء[1]

محترمہ بیگم صاحبہ

میں چند روز سے پاکستان آیا ہوا ہوں تاکہ اپنے دوستوں سے پھر ملاقات کروں آپ کے شوہر کی بے وقت موت کی خبر کا سن کر میرے دل کو انتہائی صدمہ پہنچا ہے مرحوم نے نہایت صبر آزما حالات میں اپنی جان قربان کی ہے۔ میری دلی ہمدردیاں آپ کے ساتھ ہیں۔ خوش قسمتی سے مجھے آپ کے مرحوم شوہر کی رفاقت میں کام کرنے کا موقعہ ملا تھا جب کہ میں ابھی پاکستان سے (۱۹۴۸ء) میں باہر نہیں گیا تھا۔ ہم قریباً دو سال اکٹھے رہے۔ میری ان سے خوب گہری شناسائی تھی اور میرے خیال میں مرحوم اعلیٰ ایمان داری اور ثابت قدمی کے مالک تھے اور صحیح معنوں میں ایک آفیسر اور شریف النفس تھے۔

سیالکوٹ میں میں نے اپنی ملازمت کے آخری ۸ ماہ گزارے ہیں ان دنوں میری اہلیہ بھی میرے ساتھ تھیں۔ ان کی بھی آپ کے مرحوم شوہر سے کئی موقعوں پر ملاقات ہوئی۔ جب ہم افسروں کا ذکر کیا کرتے تو ان کا نام بھی اکثر لیا جاتا کیونکہ میری اہلیہ ان کو بھولی نہ تھیں۔ اس افسوس ناک خبر کو سن کر وہ بھی یقیناً نہایت افسوس کریں گی۔

آپ کا مخلص

جے۔ اے۔ ہیوبرٹ

---

[1] کرنل ہیوبرٹ کا یہ خط انگریزی میں ہے۔ اس کا اردو ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔

منجانب

بریگیڈیر صاحبداد، پی - ایس - سی

ڈائریکٹر جنرل ایسٹ پاکستان رائفلز

فیل خانہ - ڈھاکہ

۱۶ر اگست ۱۹۵۸ء

میں اپنی طرف سے اور اپنی رجمنٹ کی طرف آپ کے غم میں پوری طرح شریک ہوں - میں آپ کے ساتھ اس نقصان پر پوری ہمدردی کا اظہار کرتا ہوں جو آپ کو اپنے بہادر شوہر کی وفات سے پہنچا ہے -

ان کی بے مثال عظیم بہادری کے صلے میں گورنمنٹ آف پاکستان نے ان کو شجاعت کا سب سے بڑا اعزاز یعنی نشانِ حیدر عطا کیا ہے جس کے میجر صاحب پوری طرح مستحق تھے - ان کا نام ہماری تاریخ میں ایک بہادر فرزند کی حیثیت سے ہمیشہ زندہ رہے گا جس نے اپنے وطن اور عزت کے لیے اپنی قربان کی - انہوں نے دوسروں کے لیے فرائض کی بجا آوری کی ایک شاندار مثال قائم کی ایسٹ پاکستان رائفلز میجر طفیل محمد اور ان کی بہادری پر فخر کرتی ہے - ہم آپ کے افسوس میں شریک ہیں اور خدا سے دعا کرتے ہیں کہ آپ کو یہ نقصان برداشت کرنے کی ہمت عطا فرمائے -

صاحب داد

بریگیڈیر

بیگم میجر طفیل محمد

چک نمبر ۲۵۲ / ای - بی

عارف والا - منٹگمری

منجانب

بریگیڈیر اختر حسین ملک[1]

کمانڈنٹ سکول آف انفنٹری اینڈ ٹیکٹکس

کوئٹہ ۲۲ راگست ۱۹۵۸ء

محترمہ بیگم طفیل صاحبہ

ہمارے تمام آفیسرز۔ جونیئر آفیسرز اور انفنٹری کے تمام سکولوں کے افراد کی طرف سے میجر طفیل محمد کی اچانک موت پر دلی تعزیت قبول فرمائیں۔

انہوں نے Weapon سکول میں بحیثیت چیف انسٹرکٹر اپنا کام نہایت امتیاز کے ساتھ سرانجام دیا۔ ان کی ہمت۔ خلوص۔ اور اپنے فرائض میں انہماک اپنے وطن سے بے پناہ محبت ہمارے لیے ایک مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اپنی زندگی ہی میں انہوں نے گوناگوں خوبیوں کی وجہ سے ہمارے دلوں میں ایک گہرا مقام حاصل کر دیا تھا اور اپنی شہادت سے انہوں نے اپنے لیے ایک لامتناہی اور لازوال خوشیوں کا مقام حاصل کیا۔

انہوں نے بہادری کے ساتھ لڑتے ہوئے شہادت حاصل کی اور اس طرح سے فوج کی عمدہ روایات کو زندہ رکھا جس کی وجہ سے تمام قوم ان پر فخر کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کو جوار رحمت میں جگہ دے۔

بیگم صاحبہ میجر طفیل محمد نشان حیدر
چک نمبر ۲۵۳ / ای ۔ بی
ڈاکخانہ گگو ضلع منٹگمری

آپ کا مخلص
اختر ملک

[1] اختر حسین ملک آجکل میجر جنرل ہیں

منجانب

بریگیڈیئر محمد احمد

ڈائریکٹر جنرل، ایسٹ پاکستان رائفلز

ڈھاکہ

۲۴ر اگست ۱۹۶۲ء

محترمہ بیگم صاحبہ

میں آپ کو مختلف اخبارات کے تراشے بھیج رہا ہوں جس میں "لکشمی پور ڈے" واقعہ کے متعلق حالات کا ذکر ہے جو، راگست ۱۹۶۲ء کو پورے صوبے میں منایا گیا۔ ہم نے یہ دن میجر طفیل اور جمعدار اعظم کی بہادری کو خراجِ تحسین پیش کر کے منایا۔ یہ دن تمام باڈر چوکیوں اور ڈسٹرکٹ میں تمام ایسٹ پاکستان رائفلز ہیڈ کوارٹرز نے منایا۔ اس روز فاتحہ خوانی۔ کھیل کود کے مظاہرے اور بہت بڑے جلسے ہوئے جس میں ان کے بہادری کے کارنامے پڑھ کر سنائے گئے۔ پوسٹر۔ اشتہارات کتابچے سکولوں۔ کالجوں اور دیگر تعلیمی اداروں میں تقسیم کیے گئے۔

۱۴ویں ڈویژن کے جی او سی میجر جنرل خواجہ وصی الدین نے برہمن باڑیہ کے مقام پر پھولوں کی چادر چڑھائی گئی۔ جہاں ہزاروں لوگ اس موقعہ پر موجود تھے۔ اس یادگاری جگہ پر مندرجہ ذیل لوگوں نے پھولوں کی چادر چڑھانے کی رسم میں شمولیت کی :

میجر جنرل وصی الدین (۱۴ویں ڈویژن کے تمام عہدیداران کی جانب سے)

بریگیڈیر محمد احمد ۔ (ایسٹ پاکستان رائفلز کے تمام عہدیداران
کی جانب سے)

ڈپٹی کمشنر کومیلا۔

سب ڈویژنل آفیسر برہمن باڑیہ و دیگر حضرات

طفیل محمد اور اعظم خان فٹ بال ٹورنامنٹ کے فائینل انعامات جی اوسی ۱۴ ویں ڈویژن نے تقسیم کیے۔

شہیدوں کے عظیم کارنامے ہر پاکستانی کے لیے باعث فخر ہیں اور ہم ایک مرتبہ پھر پاکستان کے پرچم کو بلند کرنے کا عہد کرتے ہیں۔

آپ کا مخلص

ایم احمد

بیگم نیاز بی بی صاحبہ

بیوہ میجر طفیل محمد (نشان حیدر)

چک نمبر ۲۵۲ / ای ۔ بی

براستہ عارف والا تحصیل پاکپتن

ضلع منٹگمری۔

****

منجانب: لیفٹیننٹ کرنل ایم - ایچ کے محسود

۱۷ویں بٹالین - پنجاب رجمنٹ -

سیالکوٹ: ۲۲ اگست ۱۹۵۸ء

محترم چوہدری صاحب

مجھے آپ کے بھائی میجر طفیل محمد کی مشرقی پاکستان میں شہادت کی خبر سن کر بے حد صدمہ ہوا - انہوں نے اپنی جان وطن کی خدمت کرتے ہوئے شہادت کی راہ میں پیش کی اور اس طرح سے اپنے خاندان کے لیے عزت کا باعث بنے اور خود اپنے لیے پاکستان کا سب سے بڑا اعزاز حاصل کیا۔

میں ان کو کافی مدت سے جانتا تھا اور ان کے ساتھ ساتھ میری دوستی کافی عرصہ سے تھی - ان کی بے وقت موت سے ہم سب کو سخت صدمہ پہنچا ہے - میں اپنے تمام افسروں کی طرف سے سوگواروں سے دلی تعزیت کا اظہار کرتا ہوں - خدا ان کی روح کو سکون بخشے اور آپ کو صدمہ برداشت کرنے کی توفیق عطا کرے۔

آپ کا

لیفٹیننٹ کرنل محسود

چوہدری اقبال محمد
چک نمبر ۲۵۲ / ای بی
ضلع منٹگمری

*

از میجر لہراسب خان

قائم مقام کمانڈر

۱۳۔ پنجاب جیسور کینٹ ۔ مشرقی پاکستان

۹ راگست ۱۹۵۸ء

*

محترم چوہدری صاحب

۱۳ ر پنجاب کے تمام ارکان کو میجر طفیل محمد کی وفات سے بہت صدمہ پہنچا ۔ ان کی وفات اس رجمنٹ کے لیے ناقابل تلافی اور ناقابل برداشت ہے ۔ لیکن ہم تمام ان پر فخر کرتے ہیں جس طریقہ سے انہوں نے پاکستان کے لیے اپنی جان دی ۔

ہم تمام لوگ مرحوم کے لیے سب سے بڑے اعزاز عطا ہونے پر مبارک باد پیش کرتے ہیں ۔

خدا مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے ۔

آپ کو یہ معلوم کر کے خوشی ہو گی کہ ہم نے مرحوم کی ایک تصویر کو آفیسرز میس میں لگانے کا فیصلہ کیا ہے اور دوسری پنجاب رجمنٹ کو تحفۃً دے دی ہے ۔

آپ کا مخلص

لہراسب خان راجہ

چوہدری اقبال محمد

چک نمبر ۲۵۳/ای ۔ بی

ڈسٹرکٹ منٹگمری

*

ہیڈ کوارٹرز - گلگت اسکاؤٹس - گلگت

۲۷ - دسمبر ۱۹۵۱ء *

محترم میجر صاحب

السلام علیکم

آپ کا ۵ دسمبر کا خط مل گیا - اس کے لیے بے حد مشکور ہوں - اتنی دیر کے بعد یاد کرنے سے بڑی مسرت ہوئی -

یکم نومبر کو میں اور ایس ایم پنڈی بذریعہ جہاز گئے تھے - آپ کے متعلق ۲ تاریخ کو معلوم کیا تو پتہ چلا کہ آپ مری چلے گئے ہیں - کچھ روز بعد پھر آپ کی رجمنٹ گئے تب معلوم ہوا کہ آپ چھٹیوں پر گھر چلے گئے ہیں - آپ کے نہ صرف دیدار سے ہی محروم ہوئے بلکہ آپ کی پُر لطف باتوں سے بھی محفوظ نہ ہو سکے -

۶ تاریخ کو ہم نئی جیپ میں لاہور گئے اور ۹ تاریخ کو راولپنڈی واپس پہنچے اور ۱۲ نومبر ۱۹۵۱ء کو واپس گلگت پہنچ گئے -

میں آپ کو خط لکھنا چاہتا تھا لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ آپ گھر پر موجود ہیں یا نہیں - لہٰذا میں خاموش رہا جب تک یہ معلوم ہوا کہ آپ ڈیوٹی پر واپس آ گئے ہیں میں اپنے تمام کلریکل سٹاف کی طرف سے آپ کا ان الفاظ کے لیے شکریہ ادا کرتا ہوں - جو کہ آپ نے اپنے خط میں ۴۹-۱۹۴۸ء کے واقعات کے متعلق تحریر فرمائے - خدا آپ کے قلم میں اور زیادہ طاقت عطا کرے -

گلگت مندرجہ ذیل تبدیلیوں کے علاوہ پرانی شکل میں قائم ہے -

سید فرید اللہ شاہ اب پولیٹیکل ایجنٹ ہو گئے ہیں - دو ایک روز میں سابقہ پولیٹیکل

ایجنٹ اور اے ایس بی شاہ گلگت کو خدا حافظ کہہ دیں گے۔

او سی - جی ایس اور ایس ایم پوٹوٹیم کے ساتھ ۴ دسمبر کو راولپنڈی گئے ہیں میرا خیال ہے آپ ان سے ضرور ملے ہوں گے۔ سی او فروری کے پہلے ہفتے میں ۲۴ دن کی چھٹیاں کراچی میں گزار کر واپس آجائیں گے۔

کیپٹن اے جے کچھ دنوں بعد گلگت آئے تھے اور آج اپنے ڈیپارٹمنٹ کا چارج لیفٹیننٹ جے۔ اے کے سپرد کر کے واپس چلے گئے۔ ان کے ذمہ Darel, Tangir کا محکمہ بھی سپرد کیا گیا ہے۔

Darel دونوں پاکستان میں مدغم ہو گئے ہیں اور Tangir اور اب G.S. Pers کو وہاں ایک پوسٹ کھولنے کو کہا گیا ہے۔

Polers نے ابھی ایک خط وزارت کشمیر کو لکھا ہے کہ وہ ریٹ عبوری طور پر منظور کریں۔ جب منظوری آجائے گی آپ کو اس کی اطلاع دے دی جائیگی اس وقت آپ اپنے بقایا جات N.W.F.P. کے کمپٹرولر سے وصول کریں۔

پولیٹیکل ایجنٹ گلگت نے جو پالیسی کشمیر وزارت کو بھیجی تھی وہ ابھی تک واپس منظور کر کے نہیں بھیجی گئی ہے۔

میں ایک اور فہرست تیار کر کے بھیج رہا ہوں۔ اہم مسائل کے متعلق اور ان کے متعلق نئے P.A. سے التماس کر رہا ہوں کہ ان کے متعلق جلدی سے فیصلہ کریں۔

کرنل اسلم خان کو سلام پہنچا دیں۔

مسٹر عبدالاحد خاص طور سے آپ کو سلام کہتے ہیں۔

آپ کا مخلص

دولت نذیر

نقل تجویز نمبر ۲۴، جنرل اجلاس معمولی ایمرجنٹ میونسپل کمیٹی راولپنڈی منعقدہ ۲۹-۸-۱۹۵۸ء بوقت ساڑھے آٹھ بجے صبح بمقام میونسپل ہال ۔

راولپنڈی میونسپل کمیٹی کا یہ اجلاس پاکستانی فوج کے جاں نثار میجر محمد طفیل اور دیگر پاکستانی فوجی شہداء کے جنھوں نے اپنا خون مشرقی پاکستان کی سرحد پر پاکستان کے تحفظ کے لیے بہایا، انتقال پُرملال پر اپنے دلی رنج و غم کا اظہار کرتا ہے ۔ خداوند کریم مرنے والوں کو جنت الفردوس میں جگہ عنایت فرمائے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے ۔ یہ اجلاس جملہ لواحقین سے معرفت جنرل محمد ایوب خاں صاحب کمانڈر انچیف اپنی گہری ہمدردی کا اظہار کرتا ہے اور بھارتی فوج کے ان درندوں کے اس فعل کو جن کی ناجائز فائرنگ سے یہ لوگ مارے گئے، حقارت اور نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے ۔ مندرجہ بالا ریزولیوشن کی نقول پریس اور آخری ریزولیوشن کی نقل بخدمت جناب جنرل محمد ایوب خان صاحب کمانڈر انچیف اور اڈجوٹنٹ جنرل صاحب جنرل ہیڈکوارٹرز راولپنڈی کی خدمت میں ارسال کی جائے ۔

*

MINISTER FOR FOOD
AND CIVIL SUPPLIES
WEST PAKISTAN.

Lahore.
20.8.50

مکرمی برادرم چوہدری محمد حبیب صاحب! السلام علیکم۔

برادر عزیز محمد طفیل کی وفات حسرت آیات کا
بے حد افسوس ہے۔ اناللہ و انا الیہ راجعون۔
خداوند تعالیٰ انہیں جوار رحمت میں جگہ دے۔
انکی شجاعت و بہادری نے قوم کا نام
بلند کیا ہے۔ تاریخ میں انکی قربانی
سنہری حروف سے لکھی جائیگی۔ میری طرف
سے والدہ صاحبہ انکی اہلیہ۔ بچوں و دیگر
احباب سے صبر و شکر کیلئے کہیں۔
خداوند تعالیٰ نے انکو بہت بڑا انعام
دیا ہے۔ انکی شہادت نے ملک
و قوم کے وقار کو بلند کیا ہے

آپکا نیازمند
عبدالحمید

میجر طفیل محمد

*

۹ر اگست ۵۸ء کو ڈھاکہ میں کرشک سرامک پارٹی کے زیراہتمام ایک جلسہ عام ہُوا۔ جس میں مشرقی پاکستان کی سرحد پر بھارتی فائرنگ کی شدید مذمت کی گئی۔ مقررین نے بھارت کی جارحیت پر گہری تشویش کا اظہار کیا اور حکومت کو اپنے مکمل تعاون کا یقین دلایا۔ مقررین نے پاکستانی عوام سے اپیل کی کہ وُہ بھارت کے چیلنج کو قبول کرنے کے لیے متحد ہو جائیں۔ اس اجلاس میں سابق وزیراعلیٰ ابوحسین سرکار نے بھی شرکت کی۔ انہوں نے اپنی تقریر میں حکومت پر زور دیا کہ بھارت کے اس جارحانہ حملے کا منہ توڑ جواب دیا جائے۔

نیشنل سٹوڈنٹس فیڈریشن کے زیراہتمام طلبہ کے جلسہ میں ایک قرارداد پاس کی گئی جس میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ وُہ بھارتی فوجوں کو پاکستانی سرحدوں سے پیچھے دھکیلنے کے لیے موثر کارروائی کرے۔ طلبہ نے شہیدوں کے حق میں دعائے مغفرت کی۔ مشرقی پاکستان نظام اسلام پارٹی کے صدر مولانا اطہر علی نے بھی سرحدی صورت حال پر گہری تشویش ظاہر کرتے ہوئے حکومت کو اپنی پارٹی کے مکمل تعاون کا یقین دلایا۔ اور بھارتی حملے کی شدید مذمت کی۔ انہوں نے کہا کہ پنڈت پنت

نے حال ہی میں جو اشتعال انگیز تقریر کی تھی وہ بڑی حد تک سرحدی جھگڑے کا باعث بنی ہے۔ انہوں نے پاکستانی عوام سے اپیل کی کہ وہ ملک کی حفاظت کے لیے متحد ہو جائیں۔

*

۹ر اگست ۱۹۵۸ئہ کو ملک فیروز خان نون وزیر اعظم پاکستان نے پنڈت نہرو وزیر اعظم بھارت کے نام ایک نجی پیغام بھیجا جس میں اپیل کی گئی کہ وہ سرحدی تنازعات کے متعلق کانفرنس کے انعقاد کے لیے سرحدوں پر پُر امن فضا پیدا کرنے میں مدد دیں۔ اور اس بات کا خیال رکھیں کہ اب کوئی ایسا واقعہ نہ ہو جس سے فضا کے خراب ہونے کا اندیشہ ہو۔ وزیر اعظم پاکستان نے مرکزی کابینہ کو ہدایت کی کہ وہ ملک کی سالمیت کو برقرار رکھنے کے لیے ہر ممکن قدم اٹھائے اور پاکستانی علاقہ میں جارحیت کو ختم کرنے کے لیے زبردست کارروائی کرے نیز انہوں نے مرکزی کابینہ کو ہدایت کی کہ لکشمی پور میں بھارت کی فائرنگ سے شہید ہونے والوں کے خاندانوں کو معقول معاوضہ ادا کرنے کے سوال پر "جنگی بنیاد" پر غور کیا جائے۔

*

*

۱۱؍ اگست ۱۹۵۸ء کو صدر پاکستان سکندر مرزا نے ایسٹ پاکستان رائفلز کے دو بہادر افسروں کو تمغے دینے کا اعلان کیا۔ میجر طفیل محمد شہید کو نشانِ حیدر اور ان کے نائب جمعدار محمد اعظم کو "ستارۂ جرأت" دینے کا اعلان کیا گیا۔

*

۱۵؍ اگست ۱۹۵۸ء کو میسرز فخرالدین ولی بھائی اینڈ نجم الدین ولی بھائی نے مشرقی پاکستان کے گاؤں لکشمی پور سے بھارتی فوج کو سرزمین پاک سے ہٹاتے ہوئے شہید ہونے والے ایسٹ پاکستان رائفلز کے میجر طفیل محمد شہید کے اہل و عیال کو پانچ ہزار روپے کی رقم بطور امداد دی ہے۔ اس سلسلے میں صدر پاکستان سکندر مرزا کو چیک دیا گیا۔

*

۱۸؍ اگست ۱۹۵۸ء کو روزنامہ کوہستان نے اپنے اداریے میں شہیدوں کو زبردست خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھا

۷؍ اگست کو مشرقی پاکستان میں لکشمی پور کے مقام پر ملک کی سرحدوں

کی حفاظت کرتے ہوئے پاکستانی فوج کے جن دو مجاہدوں نے جامِ شہادت نوش کیا ہے صدر مملکت نے یومِ پاکستان کے موقع پر قوم کی طرف سے خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے میجر طفیل محمد شہید کو بہادری کا سب سے اعلیٰ اعزاز "نشان حیدر" اور جمعدار محمد اعظم کو "ستارۂ جرأت" عطا کیا ہے۔

ان دونوں کی بہادری کی جو تفصیلات منظرِ عام پر آئی ہیں انہیں پڑھ کر قرونِ اولیٰ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ میجر طفیل محمد اور جمعدار محمد اعظم جس کمپنی کی کمان کر رہے تھے وُہ لکشمی پور پر غاصب بھارتی فوج کو نکالنے پر مامور کی گئی تھی۔ انہوں نے دشمن کو ملک کی سرحدوں سے نکال باہر کیا۔ اور پھر اس شان سے جان دی کہ ملائک بھی اس پر رشک کریں۔

ہماری فوج ایسے غازیوں اور بہادروں سے بھری پڑی ہے جو وقت آنے پر دشمن کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیں گے۔ کاش یہی جذبہ ان لوگوں میں پایا جاتا جن کے ہاتھ میں ملک کے اہم تر معاملات کی باگ ڈور ہے۔

پاکستان کے عوام میں قربانی اور ایثار کے جذبے کی کمی نہیں۔ افسوس تو یہ ہے کہ اس قربانی سے فائدہ اٹھانے والا کوئی نہیں۔ پاکستان کی سرحدوں کے اندر جو لوگ جیتے ہیں وُہ جرأت، شجاعت اور تہوار و اقدام میں اپنی مثال نہیں رکھتے۔

بھارت کے ساتھ جنگ ناگزیر ہے۔ آج نہیں تو کل ہمیں اپنے حقوق کی بازیافتگی کے لیے نئی دہلی کی جانب مارچ کرنا پڑے گا۔ . . . ہمیں جس دشمن سے واسطہ پڑا ہے وُہ انسانیت اور تہذیب کے کسی معیار کو تسلیم نہیں کرتا۔

اس نے پاکستان کو ہر مرحلے پر دھوکہ دیا۔ وہ جب کمزور ہوتا ہے تو امن و صلح

کی باتیں کرتا ہے اور جب طاقتور ہوتا ہے تو فوج کشی کرتا ہے۔ ایسے دشمن سے نمٹنے کے لیے ہمیں ہر وقت تیار رہنا چاہیئے۔ جس طرح فرانس الجزائر پر قابض ہے اسی طرح پنڈت نہرو نے کشمیر کو بھارت کا حصہ بنا لیا ہے۔ یہ صورت حال پاکستان کے لیے ناقابل برداشت ہے۔

*

۱۸ر اگست کو ملنے والی اطلاعات سے پتہ چلتا ہے کہ بھارتی اشتعال انگیزیوں اور جارحانہ اقدامات کا شدید ردعمل ہوا۔ پاکستان عوامی لیگ کے رہنما مسٹر سہروردی نے کراچی میں کہا پاکستانی سرحد پر بھارتی فوجیں محض گولیاں ہی نہیں برسا رہی ہیں۔ بلکہ پاکستانی دیہات کے باشندے ان کی گولیوں کا شکار ہو رہے ہیں۔ آپ نے کہا کہ بھارتی فوج کے یہ حملے چھوٹی جنگوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مسٹر سہروردی نے بتایا کہ بھارت پاکستان پر زبردستی قبضہ کرنا چاہتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ وہ اپنی اس قسم کی جارحانہ کارروائیوں سے پاکستان کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دے گا۔ لیکن اُسے معلوم ہونا چاہیے کہ بھارت اس سلسلہ میں غلطی پر ہے۔ پاکستان کو اب مٹایا نہیں جا سکتا۔ اور پاکستان اپنی سالمیت کی حفاظت کے لیے آخری دم تک لڑے گا۔

سلہٹ میں پاکستانی علاقہ پر بھارتی فائرنگ کے خلاف یوم احتجاج منایا گیا اس سلسلہ میں وہاں ایک جلسۂ عام منعقد کیا گیا جس میں پاکستان کی سرحد پر بھارتی جارحانہ کارروائیوں کی مذمت کی گئی۔ اس کے علاوہ ایک جلوس نکالا گیا جو ایک میل لمبا تھا۔ جلوس نے شہر کے بڑے بڑے بازاروں میں چکر لگایا۔ ایک دوسری

اطلاع کے مطابق بنساں میں بھی ایک جلسہ عام منعقد ہوا۔ جس میں ہندوستانی فوج کے پاکستانی علاقہ میں داخلہ کی شدید مذمت کی گئی۔ ایک قرارداد کے ذریعے حکومت پاکستان سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ ملک کے تمام تعلیمی اداروں میں لازمی فوجی تعلیم جاری کرے۔ رنگپور میں بھی طلبا کے ایک اجتماع میں بھارت کی جارحانہ کارروائیوں کی مذمت کرتے ہوئے کہا گیا کہ بھارتی فوج پاکستانی علاقہ میں داخل ہو کر پاکستانی باشندوں پر گولیاں برسا رہی ہے۔

کراچی میں جمعیت العلماء نے ایک بیان جاری کیا جس میں بھارت کی جارحانہ کارروائیوں کی مذمت کی گئی۔ اس کے علاوہ جمعیت کے ایک اعلان میں کہا گیا کہ مشرقی پاکستان کی سرحد پر جو پاکستانی شہید ہوئے ہیں ان کی یاد منانے کے لیے ۳۰ ستمبر کو "یوم شہداء" منایا جائے گا۔

۱۸ راگست ۱۹۵۸ء کو گوجر گزٹ سیالکوٹ میں میجر شہید کارہائے نمایاں کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے حسب ذیل تعزیت نامہ شائع کیا۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

۸ راگست معلوم ہوا ہے کہ ای۔ پی۔ آر کے فقید المثال مجاہد میجر چوہدری طفیل محمد نے مشرقی پاکستان کے گاؤں لکشمی پور کو کفار کی فوج سے خالی کراتے ہوئے جام شہادت نوش کیا ہے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ

واقعات یوں بیان کیے جاتے ہیں کہ طے شدہ تجویز کے ماتحت ای۔ پی۔ آر

کے ذمہ یہ فریضہ عائد تھا کہ وُہ غاصب بھارتی فوج کو بہ جبر مجبور کر کے پاکستانی گاؤں لکشمی پور ان سے واپس لے۔ چنانچہ مذکورہ رائفلز کی ایک کمپنی نے اس جہاد میں حصّہ لیا۔ دست بدست جنگ میں دشمن فوج کو پسپا ہوتے ہی بنی۔ میجر طفیل محمد حملہ کے شروع ہی میں مشین گن فائر سے زخمی ہو چکے تھے۔ تاہم انہوں نے زخمی حالت میں حملہ جاری رکھا اور اسی حالت میں خود اپنے ہاتھ سے بم پھینکے اور اپنی سپاہ کی حوصلہ افزائی کی۔ اس زخمی شیر نے جب یوں دیکھا کہ بھارتی کمانڈر اس کے نائب کی جان لینا چاہتا ہے تو اس نے اسے اڑنگا دے کر پٹخ دیا اور اسے گرفتار کر لیا۔ پہلے خیال تھا کہ یہ مجاہد بے مثال غازی بن کر زندہ رہے گا۔ لیکن بارگاہ ایزدی نے اسے خلعت شہادت سے متفخر کرنا تھا۔ چنانچہ یہ اطلاع پانے کے بعد کہ لکشمی پور خالی ہو کر پاکستان کے قبضہ میں آ چکا ہے اور بھارتی فوج دم دبا کر بھاگ گئی ہے اس عظیم مجاہد نے داعی اجل کو لبیک کہا اور جام شہادت نوش کر کے ہمیشہ کی زندگی حاصل کی ہے۔

"ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء" چوہدری صاحب موصوف کے مجاہدانہ کارنامے رہتی دنیا تک پاکستانی عوام اور بالخصوص آپ کی قوم کا لہو گرماتے رہیں گے۔ مبارک ہے وُہ ماں جس نے ایسے مجاہد سپوت کو جنم دیا اور قابل صد فخر و مباہات ہے وُہ قوم جسے طفیل محمد شہید جیسا شہید ملک و ملّت کو میسر آیا۔

شہید موضع کھرکاں ضلع ہوشیار پور کے ایک معزز گوجر گھرانے کے فرد تھے اور اب ان کا خاندان چک نمبر ۲۵۲/ای۔بی نزد بورے والا ضلع منٹگمری میں

آباد ہے۔ آپ ۱۹۴۶ء میں میجر تھے اور نہایت شاندار ریکارڈ کے حامل تھے۔

شہید کی نعش بذریعہ پی۔ آئی۔ اے ۸ر اگست بروز جمعہ لاہور پہنچی تو دوسرے لوگوں کے علاوہ انجمن مرکزیہ گوجراں کے سکرٹری نشرو اشاعت چوہدری عبدالرشید انجمن مذکور کے صدر چوہدری اسلام الدین ضلع لاہور کے صدر چوہدری ولی محمد محکمہ بجلی کے ہردلعزیز اور فرشتہ صفت افسر چوہدری رحمت علی ہوائی اڈہ میں موجود تھے۔ نعش رسمی اعزاز کے ساتھ جہاز سے اتار کر چک ۲۵۲ کو روانہ کر دی گئی۔

شہید نے اپنی یادگار محض ایک بچی چھوڑی ہے۔ ہمیں شہید کی فرشتہ سیرت والدہ ماجدہ، ان کی سوگوار بیگم اور بھائیوں سے دلی ہمدردی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو صبر جمیل کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین۔

"سکرٹری جنرل"

*

۲ ستمبر کو مسٹر چٹھہ کی تحریک التوا پر بحث کے جواب میں وزیر اعظم ملک فیروز خان نون نے یقین دلایا کہ وہ سرحدی تنازعات کے سلسلہ میں پاکستان اور ہندوستان کے درمیان منصفانہ تصفیہ کرانے کی کوشش کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ ہندوستانی فوج ۲۲ جولائی ۱۹۵۸ء کو پاکستانی علاقے میں گھس آئی اور اس نے جارحانہ طور پر لکشمی پور پر قبضہ کر لیا۔ پاکستان کی سرحدی پولیس نے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا اور مشرقی پاکستان

رائفلز کے دو افسر بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ ملک بھر میں ان کی جواں مردی کی تعریف کی گئی اور انہیں خراج تحسین پیش کیا گیا۔ پاکستان نے اپنا علاقہ واپس لے لیا۔ اس دوران میں تری پورہ کی سرحد بند کر دی گئی۔ اسی سرحد سے مشرقی پاکستان اور مغربی بنگال کے درمیان سامان سمگل ہوتا تھا۔ پاکستان نے جب اپنا علاقہ واپس لے لیا اور امن قائم ہو گیا تو تری پورہ کی سرحد کھول دی گئی۔

*

نشانِ حیدرؒ

باب - ۵

نشانِ حیدر کی - رُوح پرور تقریب

۷ - نومبر ۱۹۵۹ء کو صدر مملکت فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے ایوانِ صدر کراچی میں ایک خاص دربار میں ۶۵ سول اور فوجی اعزازات تقسیم کیے۔ جنہوں نے ملک و قوم، ادب اور ثقافت میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں - دادِ شجاعت دینے اور کارہائے نمایاں انجام دینے پر ملک کا سب سے بڑا فوجی اعزاز "نشان حیدر" میجر طفیل محمد کو دیا گیا - سب سے بڑا سول اعزاز "نشانِ پاکستان" پاکستان کے سابق گورنر جنرل خواجہ ناظم الدین کو ملا - گورنر مغربی پاکستان جناب اختر حسین - نواب میر بائی خان آف مکران اور دفتر خارجہ کے سکریٹری مسٹر اکرام اللہ کو "ہلالِ پاکستان" کا اعزاز دیا گیا - دربار ایوان صدر کے لان میں ہوا - لان سے ایوان صدر کے اس دروازے تک جو لان کی طرف کھلتا ہے - صدر کے باڈی گارڈ اپنی سرخ وردیوں اور نیلی پگڑیوں میں ملبوس دورویہ کھڑے تھے - ٹھیک ½۴ بجے باڈی گارڈ کے ایک ممبر نے بگل بجا کر صدر مملکت کی آمد کا اعلان کیا - صدر ایوب مارشل کی وردی پہنے ہوئے اور فیلڈ مارشل کا بیٹن ہاتھ میں لیے لان میں تشریف لائے - دربار میں کابینہ کے وزراء، غیر ملکی سفیر، اعلیٰ حکام اور ممتاز شہری شریک تھے - ہر شخص کو اعزازی تمغے اور فیتے دیے جانے سے قبل ایک اے - ڈی - سی یہ بتاتا تھا کہ مذکور شخص

کو یہ اعزاز کس لیے دیا جا رہا ہے۔ کراچی میں منعقد ہونے والا یہ پہلا دربار تھا۔ ستارۂ جرأت صرف جنگ میں دادِ شجاعت دینے والوں کو دیا جاتا ہے جو مسلح افواج کے بائیس افسروں اور نان کمیشنڈ افسروں کو دیا گیا۔ شہری اعزازات میں مشہور شاعر اور قومی ترانہ کے مصنف ابو الاثر حفیظ جالندھری کو "ہلالِ امتیاز" دیا گیا۔ سات افراد کو جن میں ڈاکٹر مولوی عبدالحق بھی شامل تھے "ہلالِ قائداعظم" دیا گیا۔ کراچی فائر بریگیڈ کے فائرمین عبدالحنان مرحوم کو جو بوری بازار صدر کی آتشزدگی میں زخمی ہو کر ہلاک ہو گئے تھے "ستارۂ جرأت" دیا گیا۔ چار افسروں کو "ستارۂ پاکستان" کا اعزاز ملا۔ دس افراد کو "ستارۂ قائداعظم" اور دس کو "ستارۂ خدمت" دیا گیا۔

فیلڈ مارشل ایوب خان نے جب پنجاب رجمنٹ کے میجر طفیل محمد شہید کو ملنے والا سب سے بڑا عسکری اعزاز "نشانِ حیدر" شہید کی نوعمر دختر نسیم اختر کو دیا تو منظر نہایت اثرانگیز تھا۔

نسیم اختر اسکول میں پڑھتی تھی داب کالج میں زیرِ تعلیم ہے، جب وہ اعزاز لینے کے لیے صدر ایوب خان کے پاس آئی اور تعظیماً ان کے سامنے جھکی تو صدر نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا۔

آج جو فوجی اعزازات دیے گئے ان میں سے بیشتر ۱۹۴۸ء کی جنگ کشمیر میں شجاعت دکھانے پر دیے گئے۔ چھ نان کمیشنڈ افسروں کی برقع پوش بیواؤں نے صدر سے اپنے شوہروں کے لیے "ستارۂ جرأت" حاصل کیا۔ بلبل چوہدری کی طرف سے بیگم افروزہ بلبل اور استاد بندو خان کی طرف سے ان کے بیٹے

امراؤ خان نے اعزازات وصول کیے۔ کرکٹ کے مشہور کھلاڑی حنیف محمد کو بھی یہی اعزاز دیا گیا۔ جب برقع پوش خواتین اپنے شوہروں کی طرف سے اعزاز وصول



کرنے آئیں تو حاضرین نے نعرہ ہائے تحسین بلند کیے۔ صدر ایوب نے اعزاز پانے والوں کو خود مبارک باد دی اور انہیں تسلی دی۔ سول اعزازات پانے والی اہم شخصیتوں میں پی۔آئی۔ڈی۔سی کے چیئرمین نواب امیر محمد خان آف کالا باغ ایئر مارشل

اصغر خان، امیر البحر اے۔ آر۔ خان، گورنر سٹیٹ بنک آف پاکستان۔ عبد القادر منصوبہ بندی کمشن کے نائب صدر ممتاز حسن بھی شامل ہیں۔ دربار میں پاکستان ایر فورس کے بینڈ نے قومی ترانہ بجایا۔ لیفٹیننٹ کرنل ایم۔ ایچ ضیاء نے اعزاز پانے والے فوجیوں کے کارناموں پر روشنی ڈالی۔ اعزاز پانے والوں کے نام حسب ذیل ہیں۔

نشانِ حیدر :

میجر طفیل محمد شہیدؒ (ان کی صاحبزادی نسیم اختر کو ملا۔)

ستارۂ جرأت : (برطانوی ملٹری کراس کے برابر ہے)

(۱) کرنل محمد اسمٰعیل خان (۲) کرنل خورشید ربانی (۳) گروپ کیپٹن مختار احمد (۴) لیفٹیننٹ کرنل محمد اکبر (۵) میجر غلام رسول (۶) میجر سید اکبر حسین۔ (۷) محمد اقبال ولد لیفٹیننٹ اسمٰعیل خان (۸) صوبیدار میجر آنریری کیپٹن خوشحال خان (۹) صوبیدار میجر مینا خان (۱۰) صوبیدار میجر علی گوہر خان (۱۱) صوبیدار فیروز خان (۱۲) صوبیدار محمد گل (۱۳) صوبیدار امیر حیات (۱۴) صوبیدار امیر سرور۔ (۱۵) محمد حاذق ولد صوبیدار کالا خان مرحوم (۱۶) مسماۃ نواب بی بی بیوہ صوبیدار محمد یعقوب۔

دیگر مراعات :

میجر طفیل محمد شہید کی اس گراں قدر ملکی و قومی خدمت کے صلے میں حکومت مشرقی پاکستان نے آپ کے خاندان کو دو ہزار دو سو بیس / ۲۲۲۰ روپے سالانہ

پنشن دی ہے - نیز آپ کے خاندان کو دس ہزار روپے کی رقم بطور گریجویٹی دی ہے۔ ہے آپ کی بچی کی تین سو بیس روپے سالانہ دیے جائیں گے - نشان حیدر الاؤنس مبلغ پچاس روپے ماہوار تین پشتوں تک دیا جائے گا۔

پاکستان آرمی کے کمانڈر انچیف نے آپ کے خاندان کے لیے دوسو پچاس ۲۵۰ روپے ماہوار فوجی فنڈ سے منظور کیے ہیں - علاوہ ازیں تین مربع زمین چک نمبر ۲۵۲ / ای - بی میں مرحمت کیے ہیں - یہ وہ زمین ہے جس کے بارے میں میجر شہیدؒ نے اپنے بھائی چوہدری اقبال محمد سے کہا تھا - بھائی جان !

" کیا اس زمین کو حاصل کرنے کی کوئی صورت ہے ؟"

اس پر چوہدری صاحب نے جواب دیا -

" یہ زمین کسی صورت بھی نہیں مل سکتی "۔

اس سے قبل میجر شہیدؒ نے جو بات منہ سے نکالی تھی - اللہ تعالیٰ نے اُسے پورا کر دیا تھا - آپ نے سات مربعے زمین ٹیوب ویل سکیم کے تحت حاصل کر لی تھی - جس کے بارے میں کسی کو یقین نہ تھا کہ یہ زمین انہیں مل جائیگی چنانچہ میجر شہید نے فیصلہ کر لیا کہ یہ زمین ایک روز لے کر چھوڑیں گے ۔

جب آپ کی شہادت کے بعد " نشانِ حیدر " کے صلے میں تین مربعے زمین کا اعلان کیا گیا تو چوہدری صاحب کے ذہن میں فوراً اسی زمین کے بارے میں خیالات پیدا ہو گئے اور انہوں نے بہر صورت اُسے لینے کا فیصلہ کر لیا - اگرچہ اس سلسلے میں انہیں کئی مشکلات سے دوچار ہونا

ہونا پڑا۔ مگر قدرت نے میجر شہیدؒ کی آرزو پوری کرنی تھی سو وہ پوری ہو گئی۔ اور آپ کے خاندان کو وہی زمین مل گئی۔

یومِ دفاع پاکستان اور طفیل شہید روڈ کا افتتاح

۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کی صبح کو پاکستان پر بھارت کے مکارانہ حملے کا شاندار مقابلہ کرنے اور پاک وطن کے جاں نثاروں کے دلیرانہ اور شاندار کارناموں کو خراج عقیدت پیش کرنے اور شہیدوں کی روح کو ایصال ثواب پہنچانے کے لیے ساہیوال میں چھ ستمبر کا دن شایانِ شان طور پر منایا گیا۔

صبح کے وقت ساہیوال کی بڑی بڑی مساجد، عید گاہ، مسجد مدینہ، جامعہ فریدیہ اور جامعہ رشیدیہ میں پاکستان کے استحکام اور آزادیٔ کشمیر کے لیے خاص دعائیں مانگی گئیں۔ تمام مساجد میں قرآن خوانی ہوئی۔ سات بجے صبح سکولوں کے طلبہ، رضا کار اور مسلح پولیس کے دستے سٹیڈیم گراؤنڈ میں جمع ہوئے اور انھوں نے اپنے کرتب دکھائے۔

ڈپٹی کمشنر ساہیوال جناب مظفر قادر نے طلبہ، سکاؤٹس، رضا کاروں اور پولیس کے مسلح دستوں سے سلامی لی۔ جونہی وہ سلامی کے چبوترے پر تشریف لائے۔ بینڈ نے قومی ترانہ بجایا۔ ڈپٹی کمشنر صاحب نے قومی پرچم لہرایا تو ساتھ ہی ساتھ پھولوں کی بارش ہونے لگی۔ سلامی کے بعد ڈپٹی کمشنر صاحب نے پریڈ کا بھی معائنہ کیا۔

مختلف سکولوں کے بینڈ نے حاضرین کو بہت محفوظ کیا۔ پریڈ کے بعد

مصنوعی جنگ کا مظاہرہ بھی کیا گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے مصنوعی بموں کی بارش ہونے لگی۔ سکولوں کے طلبہ نے اپنے اپنے مورچے سنبھال لیے۔ منظر یہ تھا کہ ایک طرف بھارت کی مکار فوج پاکستان کے اندر اچانک حملہ کر کے داخل ہو چکی تھی، دوسری جانب پاک فوج کے جوان سروں پر کفن باندھے مورچوں کے بغیر لڑ رہے تھے۔ بھارتی فوجی ایک گولی چلانے کے بعد اپنے پیٹ کی طرف دیکھتا تھا کہ اسے کھانے کو کیا ملے گی دوسری جانب پاکستان کے جوان اس چیز سے بے نیاز جذبۂ شہادت سے سرشار اپنے عزیز وطن کے دفاع میں مصروف تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد پاک فوج کے سرفروشوں نے دشمن پر غلبہ حاصل کر لیا۔ ڈپٹی کمشنر نے طلبہ کے اس مصنوعی جنگ کے شاندار مظاہرے پر انچارج اور طلبہ کو مبارکباد دی۔

اس کے بعد سٹیڈیم گراؤنڈ سے شاندار جلوس نکالا گیا۔ جلوس کے آگے بینڈ اور پیچھے رضاکار، طلبہ اور پولیس کے دستے تھے۔ جب جلوس اختتام پذیر ہوا تو حصہ لینے والے طلبہ میں مٹھائی تقسیم کی گئی۔

شام کے وقت ریلوے پھاٹک کے قریبی گراؤنڈ میں ایک شاندار جلسہ ہوا۔ جس میں پاک وطن کے جان نثاروں کے کارناموں کا تفصیل سے ذکر کیا گیا۔ جناب مسعود احمد ایڈووکیٹ، میجر طفیل محمد شہید نشانِ حیدر کے بھائی چوہدری محمد اقبال، مولانا منظور احمد اور ڈپٹی کمشنر نے تقاریر کیں۔ جلسے کی صدارت ڈپٹی کمشنر جناب مظفر قادر نے کی۔ شہداء بالخصوص چوہدری طفیل محمد شہید نشان حیدر کی زندگی اور ان کے کارناموں پر روشنی ڈالی گئی اور انہیں زبردست

خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ اس موقع پر ساہیوال سے عارف والا (چک نمبر ۲۵۳/ای۔بی میجر طفیل محمد شہید کا آبائی گاؤں ہے) کی طرف جانے والی سڑک کا نام میجر طفیل محمد شہید روڈ رکھا گیا اور اس کی نقاب کشائی شہید کے بھائی چودھری محمد اقبال نے کی۔

عارف والا میں بھی یوم دفاع پاکستان بڑے جوش و خروش سے منایا گیا۔ فجر کی نماز کے بعد تمام مساجد میں قرآن خوانی ہوئی اور بقائے پاکستان اور آزادیٔ کشمیر کے لیے دعائیں مانگی گئیں۔ صبح کے وقت ٹاؤن ہال کے سامنے سید ناظر حسین شاہ نے پولیس، رضا کاروں اور سکاؤٹوں کی سلامی لی۔ ازاں بعد پولیس اور رضا کاروں نے شہر میں مارچ پاسٹ کیا۔ پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق پولیس، قومی رضا کاروں، معزز شہریوں، خان تاج محمد خان ڈسٹرکٹ انسپکٹر پولیس نے، چودھری بشیر احمد نائب تحصیلدار کے ہمراہ چک نمبر ۲۵۳/ای۔بی میں میجر طفیل محمد شہید کے مزار پر فاتحہ خوانی کی اور پھولوں کی چادر چڑھائی۔

*

شہیدوں کے مزاروں پر لگیں گے ہر برس میلے
وطن پر مرنے والوں کا یہی باقی نشاں ہوگا

ایسٹ پاکستان رائفلز نے میجر طفیل محمد شہید نشانِ حیدر اور جمعدار محمد اعظم خان ستارۂ جرأت کی یاد تازہ کرنے کے لیے یکم مارچ ۱۹۶۸ء کو جمعۃ المبارک کے مبارک دن برہمن باڑیہ (کھلنا) میں یوم شہدا منایا۔ ایسٹ پاکستان رائفلز نے

بڑے شایانِ شان طریقے سے شہداء کی یاد منائی - تقریب میں بہت سے لوگوں نے شرکت کی - مہمان خصوصی ایسٹ پاکستان رائفلز کے سیکٹر کمانڈر لیفٹیننٹ کرنل محمد تھے -

تقریب کا آغاز تلاوت قرآن کریم سے ہوا - جس کے بعد مختلف مقررین نے جن میں ایسٹ پاکستان رائفلز کے ونگ کمانڈر میجر یعقوب خان اور ایڈیشنل ایس ڈی - او جناب عبدالحی بھی تھے، لکشمی پور کے مشہور و معروف معرکہ میں میجر طفیل محمد شہید اور جمعدار محمد اعظم خان شہید کے بہادرانہ کارناموں کا ذکر کر کے ان کی بہادری اور وطن پرستی کو خراج عقیدت پیش کیا -

اس کے بعد متعدد اداروں مثلاً سول انتظامیہ، برہمن باڑیہ کے عوام، ڈسٹرکٹ پیپل فورس طفیل اعظم میموریل کلب، یونین کمیٹی اور برہمن باڑیہ کی میونسپل کمیٹی کی جانب سے دونوں شہیدوں کے مزاروں پر پھول چڑھائے گئے -

تقریب کے بارے میں اخبارات نے تفصیلی خبریں شائع کیں - جن میں ڈھاکے کا پاکستان آبزرور اور کراچی کا ڈان قابلِ ذکر ہیں - دونوں اخبارات نے اپنی ۵ مارچ ۱۹۶۵ء کی اشاعت میں خبریں شائع کیں - علاوہ ازیں ریڈیو پاکستان کی جانب سے یکم مارچ ۱۹۶۸ء کو رات کے پونے آٹھ بجے اور آٹھ بجے بالترتیب اردو اور انگریزی میں دونوں شہیدوں کو زبردست خراجِ تحسین پیش کیا گیا -

پاکستانی مسلح افواج کے ہفتہ وار ترجمان "ہلال" نے اپنی ۱۰ مارچ ۱۹۶۸ء کی اشاعت میں صفحۂ اول پر طفیل محمد شہید نشان حیدر کی تصویر شائع کی اور مکمل دو صفحات میں معرکۂ لکشمی پور کا مختصراً جائزہ پیش کیا نیز دونوں شہیدوں کو سخت مشکل

حالات میں غیر متزلزل جذبہ حب وطن، اعلیٰ درجہ کے احساسِ فرض جرأت اور قربانی پیش کرنے پر زبردست خراج تحسین پیش کیا۔

سکاڈرن لیڈر جناب ایم۔ایچ صفدر کا منظوم معرکۂ لکشمی پور اسی اشاعت کی زینت بنا۔ جو ہم ہدیہ قارئین کر رہے ہیں۔

اس کے علاوہ ۴ مارچ سے ۸ مارچ تک ایسٹ پاکستان رائفلز کا "ہفتہ" منایا گیا۔ پروگرام کے مطابق پریڈ، مختلف کھیل اور ورائٹی شو پیش کیے گئے۔ مشرقی پاکستان کے گورنر جناب عبدالمنعم خان نے پریڈ کی سلامی لی۔

*

چھ ستمبر کی تقریب

۶ر ستمبر پاکستان کی تاریخ میں ایک یادگار دن ہے۔ اسی روز ہمارے جیالے جانبازوں نے اپنے خون سے تاریخ کا سنہری باب رقم کیا۔ اور دنیابھر میں پاکستان کا نام بلند کیا۔ اس روز پورے پاکستان میں وطن کی آن پر پروانہ وار نثار ہونے والوں کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ تمام اخبارات و رسائل نے خاص نمبر نکالے جن میں شہیدوں کے کارنامے بالتفصیل بیان کیے گئے۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن سٹیشنوں سے خاص پروگرام نشر کیے گئے۔ ملک بھر کی مساجد میں قرآن خوانی اور فاتحہ خوانی ہوئی اور شہیدوں کی روحوں کو ثواب ایصال کیا گیا۔ خاص جلسے منعقد ہوئے اور جلوس نکالے گئے۔ مختلف سیاسی، سماجی اور ادبی تنظیموں کی جانب سے تقاریب کا اہتمام کیا گیا اور شہداء کی یاد میں مشاعروں کا انعقاد ہوا۔ صدر مملکت فیلڈ مارشل محمد ایوب خان، گورنر مغربی و مشرقی پاکستان پاکستانی افواج —— بری، بحری اور فضائی کے سربراہوں اور دوسرے ممتاز سیاسی رہنماؤں نے خاص پیغامات نشر کیے۔ قائم مقام گورنر جناب شیخ اکرام الحق نے صوبائی دارالحکومت (لاہور) میں ہلالِ استقلال کی رسم ادا کی۔

اسی روز عارف والا ضلع ساہیوال میں شہیدِ وطن —— میجر چوہدری طفیل محمد شہید

نشان حیدر کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ شہر کی تمام مساجد میں قرآن خوانی اور فاتحہ خوانی ہوئی اور شہداء کی روحوں کو ثواب ایصال کیا گیا۔ نیز بقائے پاکستان اور کشمیری مسلمانوں کی آزادی کے لیے دعائیں مانگی گئیں۔ صبح سویرے ٹاؤن ہال کے سامنے جناب سید ناظر حسین شاہ نے پولیس، قومی رضا کاروں اور سکاؤٹوں کی سلامی لی۔ بعد ازاں پولیس اور قومی رضا کاروں نے شہر میں مارچ پاسٹ کیا۔ اور ساڑھے آٹھ بجے صبح جناب خان تاج محمد خان ڈسٹرکٹ انسپکٹر پولیس اور چوہدری بشیر احمد نائب تحصیلدار نے شہر کے معزز افراد اور پولیس اور قومی رضاکاروں کے ہمراہ چک ۲۵۲ / ای - بی میں جا کر میجر چوہدری طفیل محمد شہید کے مزار پر فاتحہ خوانی کی اور پھولوں کی چادر چڑھائی۔ پولیس اور قومی رضا کاروں نے سلامی دی۔

میجر چوہدری طفیل محمد شہید کو خراج تحسین پیش کرنے اور ان کی یاد تازہ رکھنے کے لیے عارف والا میں "شارع طفیل" کا افتتاح ڈسٹرکٹ انسپکٹر پولیس خان تاج محمد خان اور نائب تحصیلدار چوہدری بشیر احمد نے کیا

*

۶ ستمبر ۱۹۶۷ء کو پانچ بجے سہ پہر ایک خاص اجلاس در تقریب افتتاح، شارع طفیل رح" جناب مظفر قادر ڈپٹی کمشنر ساہیوال کی صدارت میں منعقد ہوا دو مقامی سکولوں اور ایک پولیس بینڈ نے سلامی دی۔ پانچ سو کے لگ بھگ

لوگوں کو مدعو کیا گیا تھا۔ اس میں تمام بی۔ ڈی ممبروں، اعلیٰ سرکاری و غیر سرکاری افسروں اور معززین شہر نے شرکت کی۔ مدعوئین کے علاوہ دوسرے لوگوں کا بے پناہ ہجوم تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے تمام شہر شرکت کے لیے اُمڈ آیا ہے۔ اجلاس کا آغاز تلاوت قرآن پاک سے ہُوا۔ بعد ازاں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور ہدیۂ نعت پیش کیا گیا۔ اس کے بعد میجر طفیل محمد شہیدؒ نشانِ حیدر اور دیگر شہداء کو زبردست خراجِ عقیدت پیش کیا گیا۔

ایک رُوح پرور تقریب کا آنکھوں دیکھا حال

۱۰ ستمبر ۱۹۶۷ء کو (بروز اتوار) بوقت چھ بجے شام شہید وطن میجر طفیل محمد شہید کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے ایک خاص اجلاس مسلم ہائی سکول لاہور چھاؤنی کے زیرِ اہتمام منعقد ہُوا۔ جناب مولانا علم الدین سالک نے صدارت کی۔ سب سے پہلے منظور حسن نے تلاوتِ قرآن پاک کی اور جلسے کا آغاز ہُوا۔ اس کے بعد مسلم سکول کے بچوں نے ترانہ پیش کیا۔ ابتدائی اشعار مندرجہ ذیل تھے۔

خطۂ لاہور تیرے جاں نثاروں کو سلام
شہریوں کو، غازیوں کو، شہسواروں کو سلام
ایک ہی جھٹکے میں دشمن کی کلائی موڑ دی
تو نے دشمن کی کمر ضرب سے توڑ دی
اے شہیدوں کے چمن تیری بہاروں کو سلام
خطۂ لاہور کیا رتبہ ہے تیری خاک کا
تو ہے سٹالن گراڈ اس سرزمین پاک کا

ترانے کے بعد جناب مصطفےٰ نے ہدیۂ نعت پیش کیا۔ ابتدائی شعر ملاحظہ

ہو۔ ع

تیرا کھوج جس نے پایا
وہی کھو گیا جہاں سے

بعد ازاں جناب خورشید محمد (فلائٹ سارجنٹ) برادر حقیقی میجر چوہدری طفیل محمد شہید سٹیج پر تشریف لائے۔ انہوں نے فرمایا:

"جو کچھ ہوا دنیا نے دیکھ لیا۔ بھائی جان کی زبردست آرزو تھی کہ وہ شہادت کا بلند رتبہ حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی آرزو پوری فرمائی۔ اس سے زیادہ خوش قسمتی اور کیا ہو سکتی ہے۔"

اس کے بعد پروفیسر مولانا علم الدین سالک تشریف لائے۔ چونکہ حاضرین کی اکثریت طلبہ پر مشتمل تھی اس لیے انہوں نے فرمایا کہ میں سادہ اور عام فہم زبان میں تقریر کروں گا تاکہ طلبہ میری باتوں کو سمجھ سکیں۔ ان کا موضوع "فلسفہ جہاد" تھا سب سے پہلے انہوں نے تحریک پاکستان اور قیام پاکستان کے حالات و واقعات پر روشنی ڈالی۔ پھر جہاد کی فرضیت اور غزوہ بدر و احد کا تفصیلاً تذکرہ کیا۔ صحابہ اور صحابیات کی جاں فروشی اور جاں سپاری کے چیدہ چیدہ واقعات بیان کیے اور سب سے آخر میں ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے مجاہدوں غازیوں اور شہیدوں کو زبردست خراجِ عقیدت پیش کیا۔ بعد ازاں انہوں نے بچوں اور جوانوں میں عقیدے کی پختگی اور اسوۂ رسول پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کی۔ اور عوام اور حکومت کے درمیان مکمل اعتماد اور اتفاق پیدا کرنے پر زور دیا۔

انہوں نے یہ بات واضح کی کہ عدم اعتماد ہمیشہ نقصان دہ ثابت ہوتا ہے مولانا موصوف نے "شمشیر وسناں اوّل" اپنانے اور "طاؤس و رباب" کو خیرباد کہنے کی بہت زیادہ تلقین کی انہوں نے بتایا کہ برائی سے بچ کر اور نیک و پاکیزہ زندگی بسر کرنے سے ہی ہم اپنی منزل پا سکتے ہیں اور ہمارے نوجوانوں اور بچوں کو صحابہ کرام، اولیاء اللہ، غازیوں اور شہیدوں کے سوانح کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیئے

مولانا سالک تقریر ختم کر چکے تو بریگیڈیئر صاحب داد صاحب کو سٹیج پر تشریف لانے کی دعوت دی گئی۔ بریگیڈیئر صاحب نے حاضرین کو خطاب کرتے ہوئے سب سے پہلے میجر طفیل محمد شہید کے آخری الفاظ دہرائے :

"میں نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے"

انہوں نے بتایا کہ جب میجر طفیل محمد شہیدؒ ہوئے اس وقت اتنا چرچا نہ تھا۔ لکشمی پور ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ مغربی پاکستان کی طرح وہاں کوئی ادیب، مفکّر اور شاعر نہ تھا اس لیے انہیں نہ زیادہ شہرت ملی اور نہ ہی ان پر نظمیں اور قصیدے وغیرہ لکھی گئیں۔

ازاں بعد اُنہوں نے ایسٹ پاکستان رائفلز کا تاریخی پس منظر بیان کیا۔ انہوں نے بتایا ایسٹ پاکستان رائفلز کو کئی کام کرنا پڑتے تھے۔ پہلا کام سرحدوں کی حفاظت کرنا۔ (۲) دوسرا کام سمگلنگ کی روک تھام اور تیسرا اندرونِ ملک میں نظم ونسق قائم کرنا تھا۔ ای۔ پی۔ آر فوج اور پولیس دونوں کی خدمت کرتی تھی۔ جب پولیس کو ضرورت پڑتی تو وُہ بلا لیتی اور جب فوج کو مدد درکار ہوتی تو ای۔ پی۔ آر کے جوان آنِ واحد میں حاضر ہو جاتے۔

بریگیڈیر صاحب نے بتایا کہ بعض مقامات پر سرحد کے ساتھ ساتھ جانے والی ریلوے لائن دو دو میل تک بھارتی علاقے میں چلی گئی ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے "زراعتیہ سسٹم" کا ذکر کیا۔ انہوں نے بتایا کہ بعض مسلمانوں کی زمین سرحد کے پار بھارتی علاقہ میں ہے اور بعض بھارتی کاشتکاروں کی زمین پاکستانی علاقہ میں ہے۔ چنانچہ فریقین ایک سمجھوتے کے تحت اپنی اپنی زمین کاشت کرتے ہیں۔ بعض اوقات معمولی بات پر معاملہ طول پکڑ لیتا اور حالات بہت نازک صورت اختیار کر لیتے۔

بریگیڈیر صاحب نے مشرقی پاکستان کے سیاسی حالات کا بھی ذکر کیا۔ انہوں نے بتایا کہ مختلف پارٹیوں کے برسر اقتدار آنے سے وزارتیں راتوں رات بدل جاتیں صورت حال اس قدر غیر یقینی تھی کہ آنے والے حالات کے بارے میں قطعی طور پر کچھ بھی نہ کہا جا سکتا تھا۔ اور کسی کو بھی یہ معلوم نہ تھا کہ صبح صورت حال کیا ہو گی۔ اس بات کا ردِ عمل یہ ہوا کہ فوج کی تنظیم کی طرف خاص توجہ نہ دی گئی۔ اور جب میں ای۔پی۔آر سے منسلک ہوا تو اسے از سر نو منظم کرنے کا کام مجھے سونپا گیا۔ چنانچہ میں نے کچھ پولیس مین، کچھ سابقہ فوجی اور کچھ دیگر لوگوں کی خدمات حاصل کیں اور جہاں تک ممکن ہو سکا۔ ای۔پی۔آر کو از سرِ نو منظم کیا۔ اور اب ای۔پی۔آر گورنر مشرقی پاکستان کے ماتحت آ گئی۔ چنانچہ فوج اتنی ہو گئی تھی کہ بوقت ضرورت سرحدوں کی حفاظت کر سکے۔ شروع شروع میں مشرقی پاکستان کے دانشور، سیاستدان اور دیگر لوگ اس کے حق میں نہ تھے۔ انھیں یقین دلایا گیا۔ گورنر صاحب سے ملاقات کی گئی۔ سیاست دانوں کو تو یقین تھا کہ اگر لڑائی ہوئی تو مغربی پاکستان میں ہو گی۔ مشرقی

پاکستان میں لڑائی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا - کیونکہ اس کی حفاظت کے لیے مناسب فوج تیار نہ تھی - اور وہ ہندوؤں سے مفت کا بیر نہیں لینا چاہتے تھے ان کا خیال تھا کہ اگر لڑائی ہوئی تو ہندوستان کا ساتھ دیں گے - یہ صورتِ حال ہر لحاظ سے غیر تسلی بخش اور ملک و ملت کے تقاضوں کے منافی تھی - صاحب داد صاحب نے سمجھایا کہ جب میزو اور ناگا لوگ بھارت کے قابو میں نہیں آتے تو ہم کیسے اس کے قابو میں آسکتے ہیں - اور جب بھارتی فوجیوں نے زبردستی پاکستانی گاؤں لکشمی پور پر قبضہ کر لیا تو میں نے سٹیشن سے اُتر کر کشتی کے ذریعے سوگز کا فاصلہ طے کیا - (کیونکہ ہر طرف پانی ہی پانی تھا) اور میجر طفیل محمد کے بنگلہ پر پہنچا - اور انہیں صورتِ حال سے آگاہ کیا - چنانچہ اس نازک صورتِ حال میں کچھ سپاہی چٹا گانگ اور کچھ کوکس بازار سے جمع کیے - ان میں پنجابی، بنگالی اور پٹھان سب موجود تھے اسی دوران ایک سرحدی کانفرنس کا انعقاد ہونا تھا - ڈی - سی کے ہمراہ میجر طفیل محمد کو بھیجا گیا - کانفرنس ناکام رہی اور تلخ کلامی کے سوا کوئی نتیجہ نہ نکلا - اس سلسلے میں کراچی سے بھی اجازت لینا تھی - میجر صاحب ہیجانی حالت میں تھے اور اجازت کا بڑی بے صبری سے انتظار کر رہے تھے - بالآخر اجازت مل گئی - لیکن دشمن کو زندہ قیدی بنا کر لانے اور لکشمی پور خالی کروانے کا حکم ملا - ہماری سکیم راز میں نہیں رہ سکتی تھی کیونکہ جس گاڑی میں سوار ہو کر ہمیں وہاں پہنچنا تھا - اس میں ہندو اور سکھ ملازم تھے انہوں نے دشمن کو پہلے سے باخبر کر دیا تھا کہ پاکستان کی فوج آرہی ہے - ہم حملے کے راز کو اچھی طرح جانتے تھے - اور ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت حملہ کیا گیا - دشمن کو ہماری نقل و حرکت کا پتہ چل چکا تھا - ہمارا یہ اقدام سراسر مدافعانہ

تھا۔ دشمن کو زبردست نقصان پہنچا۔ اس کا کمانڈر میجر برمن، اس کا اردلی اور چند دیگر سپاہی قیدی بنا لیے گئے۔ باقی تمام موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔ میجر طفیل محمد کو اعلیٰ عسکری خدمات کے صلہ میں "نشانِ حیدر" عطا کیا گیا۔ مشرقی پاکستان میں تو کسی کو بھی "نشانِ حیدر" کا علم نہ تھا۔ "نشان حیدر" کی قدر و قیمت کی تشہیر تو دراصل حالیہ پاک بھارت جنگ (ستمبر ۱۹۶۵ء) نے کی۔ جب بچے بچے کی زبان پر میجر عزیز بھٹی "نشان حیدر" کا نام تھا۔

میجر طفیل محمد کی شہادت کا مشرقی پاکستان میں یہ اثر ہوا کہ فوج کی تنظیم خود بخود ہو گئی اور عوام و خاص کو معلوم ہو گیا کہ جن ہاتھوں میں قیادت ہے وہ مرنا جانتے ہیں۔ اور ملک و ملت کی آن کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی سے دریغ نہ کریں گے برگیڈیئر صاحب نے بتایا کہ فوج کی تنظیم کا جو کام میں چار سال میں انجام دیتا وہ ایک دن میں ہو گیا۔

برگیڈیئر صاحب نے میجر طفیل محمد شہید کو بالخصوص اور دیگر شہیدوں کو بالعموم خراج عقیدت پیش کیا۔ انہوں نے اس بات کی تردید کی کہ ہماری قوم پستی کی طرف جا رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہماری قوم ایک زندہ و پائندہ قوم ہے اور جب تک اس میں عقیدے کی پختگی رہے گی اور اسوۂ رسول پر عمل پیرا رہے گی دنیا کی کوئی طاقت اسے شکست نہیں دے سکتی۔ انہوں نے حالیہ پاک بھارت جنگ کا ذکر بھی کیا اور بتایا کہ ہماری افواج اور قوم نے اس جنگ میں جو کردار ادا کیا ہے اس نے دنیا بھر میں پاکستان کا وقار بلند کر دیا ہے۔ برگیڈیئر صاحب کی تقریر کے بعد سکریٹری بزم ادب مسلم سکول نے حاضرین اور مقررین کا شکریہ ادا کیا اور اس کے ساتھ ہی اجلاس ختم ہو گیا۔

تاثرات

باب - ۶

میجر طفیل شہید کے خاندان کے لوگوں کے تاثرات حاصل کرنے کے لیے شہید کے برادر حقیقی جناب خورشید محمدؐ سے رابطہ قائم کیا گیا انہوں نے جواب میں درج ذیل خط تحریر کیا اور اپنے تاثرات بھی مرحمت فرمائے جو پیش کیے جا رہے ہیں۔

*

۷۸۶

لاہور
۲۳/۲/۶۷

قبلہ جناب حنیف شاہد صاحب

السلام وعلیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'۔ گرامی نامہ موصول ہوا۔ تہ دل سے مشکور ہوں۔ عموماً اُردو ڈائجسٹ دیکھتا رہتا ہوں۔ مجھے اچھی طرح تو یاد نہیں پڑتا۔ ڈائجسٹ میں ایک مضمون "نشان حیدر" پہ دیکھا تھا۔ جس میں کہ آپ نے قبلہ اخوان صاحب شہید کے متعلق بھی لکھا تھا۔ اور فوٹو بھی دیا تھا۔ آج ابھی کوئی دو گھنٹے ہوئے آپ کا گرامی نامہ موصول ہوا۔ تحریر دیکھ کر حیران تھا کہ کون صاحب ہو سکتے ہیں۔ کھولنے پہ معلوم ہوا۔ کہ آپ نے ازراہ کرم یاد فرمایا ہے۔

مجھے پچھلے سال ایک حادثہ پیش آگیا تھا جس میں کہ بندہ کی بائیں ٹانگ کٹ گئی۔ اب خدا کے فضل سے مصنوعی ٹانگ لگ گئی ہے۔ اور عموماً گھر پہ ہی ہوتا

ہوں۔ جب دل چاہے تشریف لائیں عزت افزائی ہو گی۔ تشریف لانے سے پہلے تاریخ اور وقت سے آگاہ فرما دیں تاکہ کہیں میں گھومنے نہ چلا جاؤں اور آپ کو خواہ مخواہ پریشانی ہو۔

ایرپورٹ کو جاتے وقت دائیں طرف سروسز ہوٹل پڑتا ہے اس کے برابر دائیں طرف فضائیہ کے کوارٹر ہیں کننگھم روڈ پر آر۔ اے بازار کی طرف جاتے ہوئے سروسز ہوٹل سے آگے پہلا ہی پھاٹک ہے۔ ۱۳/۱ کوارٹر میں بندہ مقیم ہے۔ اس پھاٹک پہ کبھی کبھی چوکیدار کھڑا ہوتا ہے۔ آپ اُس سے دریافت کرلیں۔ یا ویسے اندر تشریف لے آویں۔ اندر کسی سے بھی دریافت کرلیں۔

اُمید ہے آپ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بخیریت ہوں گے۔

فلائٹ سارجنٹ خورشید محمد

کوارٹر نمبر ۱۳/۱ ڈومیسٹک کیمپ

پی۔ اے۔ ایف۔ لاہور چھاؤنی

والسلام

خورشید

*

وہ ہمارے خاندان کے معمار تھے

فلائٹ سارجنٹ خورشید محمد

آپ والدین کے بہت ہی مطیع اور فرمانبردار تھے۔ کوئی کام بھی آپ اپنے والدین کی اجازت کے بغیر نہ کرتے تھے۔ آپ نے ہمیشہ ضرورت مندوں کا خیال رکھا۔ تمام ایسے کام خفیہ طریقے سے کرتے تھے۔ جن کا بعد میں پتہ چلا۔ گاؤں میں ایک طالب علم غلام رسول کی دسویں جماعت تک مکمل فیس اور دیگر اخراجات خفیہ طور پر ادا کرتے رہے۔ گاؤں ہی میں دو تین محتاجوں کو وظیفے دیتے تھے۔ بیوگان کی مدد کرتے تھے۔

خاندان میں آپ نے ہمیشہ ہر ایک عزیز کا خیال رکھا۔ آپ کے کوئی اولاد نرینہ نہ تھی۔ ہمارے منجھلے بھائی اقبال محمد صاحب کے بڑے لڑکے محمد اختر کو لارنس کالج گھوڑا گلی میں اپنے خرچ پر اعلیٰ تعلیم دلوائی (محمد اختر آج کل فوج میں کیپٹن ہیں) آپ نے زندگی کا بیمہ کروایا اور بندہ کے بڑے لڑکے محمد نذیر اختر کو اس کا Beneficiary قرار دیا۔

تعلیم نسواں پر آپ نے بہت زور دیا۔ ہمارے قبلہ ماموں صاحب پر زور دے کر انہوں نے ان کی بڑی بچی (جو کہ اب میری رفیقۂ حیات ہیں) کو سکول میں داخل کروا دیا۔ پرائمری پاس کروانے کے بعد اپنے پاس رکھا اور تعلیم دلوائی۔ پھر ہر

بچی کو سکول میں داخل کروایا۔ اب خدا کے فضل و کرم سے ہمارے خاندان کی ہر بچی زیورِ تعلیم سے آراستہ ہے۔

الغرض وُہ ہمارے خاندان کے صحیح معنوں میں معمار ہیں۔

تقسیم ملک کے وقت آپ سیالکوٹ میں سولہ پنجاب رجمنٹل سنٹر میں تعینات تھے۔ میں پہلے ہی ان کے پاس تھا۔ آپ خود مشرقی پنجاب پہنچے اور تمام اہل خاندان کو ساتھ لے کر سیالکوٹ پہنچے۔ تقریباً ایک ماہ سیالکوٹ میں آپ کے پاس قیام کرنے کے بعد ہم اپنے موجودہ گاؤں چک نمبر ۲۵۳ / ای۔ بی منتقل ہو گئے۔ چک نمبر ۲۵۳ ای۔ بی ضلع ساہیوال تحصیل پاک پٹن شریف میں سب تحصیل گگو منڈی سے تین میل کے فاصلہ پر بورے والا کی جانب سات میل مشرق ملتان روڈ پر واقع ہے جو کہ لاہور سے ایک سو اڑتالیس میل اور ملتان سے ۸۹ میل کے فاصلہ پر ہے۔

موجودہ رہائش بھی میرے قبلہ والد محترم چوہدری موج الدین کا انتخاب ہے قبلہ والد مرحوم قبلہ ماموں صاحب چوہدری رحمت علی قانون گو (جو ان دنوں بندوبست کی ٹریننگ کے لیے گگو منڈی تعینات تھے اور اخوانم اقبال محمد کے ہمراہ لائلپور سے ہوتے ہوئے ضلع ساہیوال میں جہاں اس وقت ماموں صاحب چوہدری رحمت علی تعینات تھے پہنچے اور موجودہ گاؤں کو پسند کیا۔ ماموں صاحب نے چک نمبر ۲۵۷ پسند کیا۔ کیونکہ اس گاؤں میں مکانات اچھے ہیں۔ مکانوں میں کنوئیں ہیں۔ لیکن قبلہ والد مرحوم نے فرمایا:

کہ اس گاؤں میں فصلیں اچھی ہیں۔ لوگ لٹے پٹے آرہے ہیں۔ کچھ کھانے دانے

کا بندوبست ہو جائے گا۔ پھر برلب سڑک ہے۔ ریلوے اسٹیشن بھی تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ اس لیے بہتر ہے کہ اس گاؤں میں منتقل ہو جائیں۔

قبلہ اخوان صاحب شہید کی شادی میرے قبلہ ماموں صاحب چوہدری عنایت علی کے ہاں ہوئی۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ آپ کی ایک لڑکی نسیم اختر آپ کی شہادت کے وقت تقریباً گیارہ برس کی تھی۔ وہ بندہ کے ہاں لاہور آگئی اور مدرسۃ البنات۔ ۱۵ لیک روڈ لاہور سے تعلیم مکمل کر کے لاہور کالج برائے خواتین میں سیکنڈ ایئر میں زیر تعلیم ہے۔

قبلہ والدہ صاحبہ کا یہ معمول تھا کہ وہ ہر جمعہ کو قبرستان جاتیں اور موسم کے مطابق شربت یا چائے ساتھ لے جاتیں۔ اسے بچوں میں تقسیم کر دیتیں۔ کافی دیر تک اپنے لخت جگر سے باتیں کرتیں اور دو تین گھنٹے کے بعد واپس لوٹتیں۔ دو تین سال ہوئے ان پر فالج گرا، چنانچہ اب قبرستان جانے سے معذور ہیں۔ لیکن ہر جمعہ کی صبح کو کسی نہ کسی کو بھیجتی ہیں۔ اس سال پھر فالج کا دورہ ہوا اور آپ چلنے پھرنے سے بھی معذور ہو گئی ہیں۔

*

"عبادت ملازمت میں، ملازمت عبادت میں حائل نہیں ہوتی"

شہید کی ماں

میجر طفیل محمد شہید کو جتنا اپنے والدین سے لگاؤ تھا وہ کسی اور سے نہ تھا ۔ خدائے عز و جل کے بعد وہ اپنے والدین کو ہی "قبلہ کونین اور کعبہ دارین" سمجھتے تھے ۔ اپنے محترم والد کی وفات (۷ دسمبر ۱۹۴۸ء) کے بعد انہوں نے تمام خطوط صرف اپنی والدہ محترمہ کے نام ہی تحریر فرمائے ۔ انہیں اپنی والدہ سے بے پناہ محبت تھی ۔ وہ انہیں ہر خط میں "میرے قبلہ کونین اور کعبۂ دارین جناب والدہ صاحبہ دام ظلکم" کے القاب سے نوازتے رہے ۔ باپ سے محبت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاتا ہے کہ تمام عمر اُن کی خدمت کرنے کے بعد بھی انہی کے قدموں میں جگہ پائی ۔

میجر شہید کی والدہ محترمہ ہمیشہ ان کے لیے "شہادت" کا بلند مرتبہ حاصل کرنے کے لیے دعا فرماتی رہیں ۔ بالآخر خدا تعالیٰ نے اُن کی دُعا قبول فرمائی ۔

وہ اس انداز فکر کے حامی ہیں کہ موت خدا اور بندے کے وصال کا نام ہے پھر شہید تو زندہ ہوتے ہیں ۔ اس لیے وصل الٰہی پر خوش ہونا چاہیے ۔ ان کے

نزدیک فرض، فرض ہے۔ ملازمت یا مذہب سے دل برداشتہ ہونے کا بہانہ کرنا محض اپنے آپ کو دھوکا دینا ہے۔ دین و دنیا گاڑی کے دو پہیے ہیں جن کو ساتھ ساتھ چلانا لازمی و لابدی ہے۔ عبادت ملازمت ہیں یا ملازمت عبادت میں حائل نہیں ہوتی۔ اس چیز کا انحصار خود انسان پر ہوتا ہے۔

شہید کی والدہ محترمہ آج تک اپنی پرنم آنکھوں سے شہیدؒ کی منتظر ہیں۔ وہ طفیل محمد کی منتظر ہیں۔ ڈھاکہ سے سامان بھیجنے والے کی منتظر ہیں۔ وہ ان راہوں اور گلیوں کی منتظر ہیں جن پر چل کر اُن کا بہادر شیر دل بیٹا آیا کرتا تھا۔ وہ تو ان چیزوں سے پوچھتی ہیں جو شہید اپنی نشانی چھوڑ گیا ہے۔ لیکن یہ تمام اشیاء بے جان ہیں۔ ان میں قوت گویائی نہیں۔ وہ کیا جواب دیں اور جواب دیں بھی کیسے جب ان کا مالک ان سے جواب دینے کے لیے نہیں کہتا۔ تمام چیزیں ان کی منتظر ہیں۔ لیکن وہ نہیں آئے گا۔ وہ کبھی نہیں آئے گا۔ وہ تو اپنے وطن عزیز کی خاطر اپنی جانِ عزیز قربان کر چکا ہے۔ وہ شہادت جیسا بلند مقام اور سب سے بڑا عسکری اعزاز، "نشانِ حیدر" حاصل کر چکا ہے۔ اور یہی بات جب ان کی والدہ محترمہ سے کہی جاتی ہے تو وہ بے اختیار ہو کر پکار اٹھتی ہیں۔

"طفیل محمد تو شہید ہو چکا ہے۔ وہ ناموس وطن پر قربان ہو چکا ہے تم شہیدؒ کو مردہ مت کہو وہ تو زندہ ہے کیونکہ خود باری تعالیٰ فرماتا ہے۔ تم انہیں مردہ مت کہو (جو لوگ خدا کی راہ میں مارے گئے ہیں) وہ تو زندہ ہیں بلکہ تم شعور نہیں رکھتے۔ یہی وجہ ہے کہ میں اپنے لال کی راہ تک رہی ہوں۔

"تایا جی ___ جلدی آنا"

"نسیم اختر"

آٹھ اگست ۱۹۵۸ء کی صبح کو بھی ہم معمول کے مطابق خوابِ راحت سے بیدار ہوئے۔ سب لوگ خوش تھے اور آنے والے وقت سے بے خبر اپنے اپنے فرائض سرانجام دے رہے تھے کہ اچانک تقریباً سات بجے ایک شخص نے آکر ابّا جان کی شہادت کی خبر سنائی۔ کسی کو بھی اس بات کا یقین نہ آیا۔ سب لوگ حیران و پریشان ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ چیخ و پکار سے سارا گھر گونج اٹھا۔ باہر سے لوگ آنے شروع ہو گئے۔ سب لوگ دعا کر رہے تھے کہ یا اللہ یہ خبر غلط ہو۔ لیکن یہ خبر غلط کیسے ہو سکتی تھی جبکہ آپ واقعی سفرِ آخرت پر روانہ ہو چکے تھے۔

شام کے تقریباً سات بجے ابّا جان فوجی ٹرک میں سوار اپنی رجمنٹ کے چند سپاہیوں کے ساتھ پہنچ گئے۔ ٹرک کی آواز سنتے ہی سب لوگ خاموش ہو گئے۔ دادی جان اس وقت بالکل خاموش بیٹھی اپنے بیٹے کا انتظار کر رہی تھیں۔ جیسے کہ پہلے ان کی

آمد پر کیا کرتیں۔

ابا جان کا تابوت ٹرک سے اتار کر صحن میں رکھ دیا گیا۔ لوگوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ کہیں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ ہر طرف مرد ہی مرد نظر آتے تھے۔ چونکہ گاؤں میں بجلی وغیرہ کا کوئی انتظام نہ تھا۔ اس لیے لوگ ہاتھوں میں لیمپ لیے کوٹھوں کی چھتوں پر چڑھ گئے۔ تاکہ آخری دیدار کر سکیں۔

میں اس وقت تقریباً گیارہ سال کی تھی۔ بچوں کو کوئی پوچھتا ہی نہ تھا۔ ہر ایک کی یہی کوشش تھی کہ وہ شہید کا آخری دیدار کر سکے۔ میں ایک طرف کھڑی رو رہی تھی کہ ایک عورت نے مجھ پر ترس کھایا اور مجھے بھی میری دادی جان اور امّی جان کے پاس پہنچا دیا جو کہ ابا جان کے قریب خاموش بیٹھی تھیں۔

چند گھنٹوں کے بعد ابا جان کو دوبارہ ہمارے پاس سے لے جانے لگے تو اس وقت پھر سارا گھر چیخ پکار سے گونج اٹھا۔ گھر میں ایک طوفان برپا تھا۔ سب کو روتے ہوئے چھوڑ کر ابا جان اپنی آخری قیام گاہ کو روانہ ہو گئے اور اپنے والد مرحوم کے قدموں میں ہمیشہ کے لیے جا سوئے۔

ابھی شہادت سے چند روز پہلے ابا جان ہمارے ساتھ چودہ پندرہ دن کی چھٹیاں گزار کر گئے تھے۔ کسی کو خواب و خیال بھی نہ تھا کہ وہ اتنی جلدی اس طرح ہمارے پاس آئیں گے۔

جب ابّا جان گھر آئے تو امّی جان نے کہا۔ "دیکھو نذیر بیٹے! تمہارے تایا جان کتنی جلدی تمہارے لیے کھلونے لے کر آ گئے۔"

کیونکہ ابّا جان کا تابوت پھولوں سے بھرا ہوا تھا۔ جب اسے ابّا جان کو دکھایا گیا تو اس کے ذہن میں یہ بات آئی کہ میرے تایا جی پھولوں سے گھرے ہوتے ہیں۔ اب بھی وُہ جب ان کا ذکر کرتا ہے تو "پھولوں والے تایا جی" کہہ کر پکارتا ہے۔ اس کی وجہ سے اب سب بچے "پھولوں والے تایا جی" کہہ کر پکارتے ہیں۔

روانگی کے وقت میرے چھوٹے چچا جان (جناب خورشید محمد) کے بیٹے محمد نذیر اختر نے اپنی توتلی زبان سے کہا۔

"تایا جی! جاذی (جلدی) آنا"

اس وقت ابا جان کے یہ الفاظ تھے۔

"ہاں! بیٹا میں انشاء اللہ بہت جلدی آؤں گا اور اپنے بیٹے کے لیے بہت سے کھلونے لاؤں گا۔"

اس کے چوبیس دن بعد وُہ ہمارے پاس اس طرح تشریف لے آئے۔

✵

ابّا جان اپنے والدین کے فرمانبردار بیٹے تھے۔ دادی جان سے آپ کو اس قدر پیار تھا کہ آپ نے دادی جان کو کبھی ناراض نہ

کیا۔ جب بھی وُہ فرماتیں: "بیٹا! نسیم اور اس کی امّی کو کچھ دن کے لیے میرے پاس چھوڑ جاؤ تو وُہ ہمیں دادی جان کے پاس چھوڑ جاتے تھے۔" دادی جان کے معمولی سے فرمان کو بھی آپ نے کبھی نہ ٹالا۔ بلکہ حتی الوسع ان کی یہی کوشش رہی کہ وہ دادی جان کو ہر طرح سے خوش رکھ سکیں۔

بہن بھائیوں سے آپ کو بے لوث پیار تھا۔ خاص کر سب سے چھوٹے چچا جان (خورشید محمد) کے ساتھ جن کے ساتھ میں اب بھی رہ رہی ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ وُہ مجھے ایک حقیقی باپ سے بھی زیادہ پیار کرتے ہیں۔ میری ہر ایک تمنّا پوری کرتے ہیں۔

⁕

ابا جان بچوں کے ساتھ ہمیشہ ہمدردی اور شفقت سے پیش آتے، ان کی تعلیم کا خاص خیال رکھتے۔ جب کبھی چھٹی پر آتے تو اپنے ساتھ ڈھیروں فروٹ لاتے۔ آپ کبھی فروٹ کے بغیر نہ آتے۔ آخری مرتبہ جب آپ تشریف لائے تو اناناس جو کہ مشرقی پاکستان کا مشہور پھل ہے۔ لائے، جس کو ہم دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔

⁕

آپ نے ہمیشہ ضرورت مندوں کی ضروریات پوری کیں۔ اور

اس طریقے سے کیں کہ کسی کو خبر تک نہ ہونے دی۔ آپ بچوں کے وظیفے مقرر کر دیتے تاکہ وُہ تعلیم میں دلچسپی لیں۔

خاندان کے ہر فرد کا آپ نے ہمیشہ خیال رکھا۔ آپ کو اپنے بہن بھائیوں سے بے حد محبت تھی۔ جیسا کہ سب لوگ جانتے ہیں۔ آپ بہادر اور نڈر سپاہی تھے۔ آپ کی سب سے بڑی تمنا یہی تھی کہ میں وطن کی خاطر جان قربان کر دوں جو کہ اللہ تعالیٰ نے پوری کر دی۔

٭

ابّا جان جہاں جاتے وہاں کی مشہور چیزیں گھر لاتے جس کو دیکھ ہم سب لوگ پھولے نہ سماتے۔ آپ کا بہت سا سامان آپ کی شہادت کے چھ مہینے بعد بذریعہ بحری جہاز پہنچا۔ سامان کو ہم نے کیا کرنا تھا جبکہ سامان والے ہی ساتھ نہ آئے۔

مجھے تو اب بھی ہر روز اپنے پیارے ابّا جان کا انتظار رہتا ہے۔ کاش کہ وُہ آ جائیں! یہ جانتے ہوئے بھی کہ اب وُہ کبھی واپس نہیں آئیں گے ہمیں ان کی آمد کا انتظار ہی رہتا ہے۔

٭

میں تو اس وقت اس بات سے بے خبر تھی کہ میرے ابّا جان مجھ سے ہمیشہ کے لیے جُدا ہو رہے ہیں۔ دادی جان اور امی جان کی طرف دیکھ کر میں بھی رو رہی تھی لیکن اب ہر لمحہ ان کی یاد ستاتی ہے۔ یہ سوچ کر دل کو کچھ تسلی ہو جاتی ہے کہ آخر مرنا تو سب نے

ہے۔ لیکن میرے ابّا جان نے اپنی جان اپنے وطن کے لیے قربان کر دی اور اللہ تعالیٰ نے ان کا نام دنیا میں ہمیشہ کے لیے روشن کر دیا۔

*

"میرا تعلق چچا بھتیجے کا نہیں، باپ بیٹے کا رہا"

کیپٹن محمد اختر



میجر طفیل محمد شہید کی چونکہ اولاد نرینہ نہ تھی - انہوں نے اپنے چھوٹے بھائی جناب اقبال محمد کے صاحبزادے محمد اختر کو اپنا بیٹا بنایا - اور بیٹوں کی طرح ان کی پرورش اور تعلیم و تربیت کی - جناب محمد اختر آج کل کیپٹن کے اعلیٰ عہدہ پر فائز ہیں - کیپٹن صاحب موصوف سے میری ملاقات ۱۰ ستمبر کو ہوئی - کیپٹن صاحب بے شمار خوبیوں کے مالک ہیں - حقیقت تو یہ ہے کہ یہ سب کچھ جناب میجر طفیل محمد شہیدؒ کی طفیل ہے - کیپٹن صاحب نے شہیدؒ کے بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار انگریزی

زبان میں کیا۔ جس کا اردو ترجمہ پیشِ خدمت ہے۔

۱۔ میں شہید مرحوم کو اُس وقت سے جانتا ہوں، جب مجھے پہلی مرتبہ پتہ چلا کہ دنیا کیا ہے۔ میں اُن کی شہادت تک اُن کے قریب رہا۔ یہ سعادت مجھے اس لیے حاصل ہوئی کہ میں اُن کا بھتیجا تھا۔

۲۔ لیکن میرے ساتھ اُن کا تعلق چچا بھتیجے کا نہیں، باپ بیٹے کا رہا۔ بلکہ کچھ اس سے بھی بڑھ کر۔

۳۔ انہی نے مجھے ۱۹۴۸ء میں لارنس کالج گھوڑا گلی میں تعلیم کے لیے بھیجا جہاں میں ۱۹۵۸ء کے آخر تک رہا۔

۴۔ ہمیں دسمبر سے وسط مارچ تک تین مہینے کی چھٹیاں ملا کرتی تھیں۔ مرحوم ہمیشہ اسی زمانے میں چھٹیاں لینے کی کوشش کرتے جب کبھی انہیں چھٹی نہ ملتی تو میں ان کے ساتھ رہنے کے لیے چلا جاتا۔ ۴۹-۱۹۴۸ء میں گلگت میں اور ۵۸-۱۹۵۷ء میں کوئٹے میں میں نے تین مہینے اُن کے ساتھ گزارے۔

۵۔ شہید ہر روز صبح سویرے اٹھا کرتے تھے اور بڑی باضابطگی سے قرآن کریم کی تلاوت کرتے تھے۔ مغرب کی نماز تو نہایت باقاعدگی سے پڑھتے۔

۶۔ کوئٹے میں ان کے دوستوں کا حلقہ خاص وسیع تھا جو تقریباً روزانہ اُن کے ہاں آیا کرتے تھے۔ میجر شہید بڑے گرم جوش دوست تھے اور اپنے دوستوں کی ہمیشہ خبر گیری کرتے تھے۔

۷۔ خاندان کے ہر رکن کا خیال رکھتے، ان کی فلاح و بہبود میں
دلچسپی لیتے اور یہ گویا ان کی زندگی کا ایک عام معمول بن گیا تھا

"قدرت خود بخود کرتی ہے لالے کی حنا بندی"

پیر عبدالحمید شاہ

ایک ملاقات کے دوران پیر عبدالحمید شاہ (جو آج کل چک ۲۵۵/ای-بی میں مقیم ہیں اور میجر طفیل محمد شہید کے "یوم" میں شرکت کے سلسلے میں تشریف لائے تھے)، نے میجر شہید سے اپنی پہلی ملاقات کا ذکر فرمایا۔ تقسیم ملک سے قبل شاہ صاحب موضع "بہادر پور باٹیاں" میں قیام پذیر تھے جو موضع کھرکاں ضلع ہوشیارپور سے تین میل کے فاصلے پر ہے۔ شاہ صاحب کا کہنا ہے کہ ۱۹۳۸ء کا ذکر ہے کہ میں اپنے والد محترم قبلہ پیر غلام چشتی صاحب بہادر کے پاس بیٹھا ہوا تھا، میرے والد ماجد میجر شہید کے بزرگوں کے جدی پیر تھے اور تمام خاندان پیر صاحب کا مکمل طور پر معترف اور معتقد تھا۔ میجر شہید اپنے ماموں چوہدری رحمت علی کے ہمراہ قبلہ والد مرحوم و مغفور کے حضور پہنچے۔ آپ نے کچھ کپڑے اور سو روپے نذرانہ پیش کیا۔ پیر صاحب نے فرمایا: یتیموں اور بیواؤں کا حق پہلے ہے۔ آپ اسے لے جایئے اور مستحق لوگوں میں تقسیم کر دیجیے اس پر میجر شہید نے کہا "آپ اس حقیر نذرانے کو شرف قبولیت بخشیے میں انشاء اللہ یتیموں بیواؤں اور دیگر مستحق لوگوں کی ہر ممکن مدد کرتا رہوں گا۔" جب میجر شہیدؒ نے زیادہ اصرار کیا تو پیر صاحب نے نذرانہ قبول فرما لیا۔

جہاں تک میجر شہیدؒ کا تعلق ہے میں نے انہیں بابائے ملت، بانی پاکستان حضرت قائداعظم محمد علی جناح کے اس سنہری اصول "یقین محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم" کا مکمل طور پر پابند پایا ہے۔ شہید واقعی ہمہ صفت موصوف تھے اور اوصاف حمیدہ اور صفات برگزیدہ کے حامل۔ میں نے انہیں رخصت کے زمانے میں کبھی فوجی وردی میں نہیں دیکھا۔ وہ نہایت خلیق، ملنسار، ہمدرد، غریب پرور اور خدا ترس تھے۔ مسکراہٹ ہمیشہ اُن کے چہرے پر کھیلتی رہتی تھی۔ پیر صاحب کے ارشاد کے مطابق وہ غریبوں اور بیواؤں کے حقوق پورے کرتے۔ خفیہ طور پر لوگوں کو وظیفے دیتے۔ جناب غلام رسول کی تعلیم و تربیت کا مکمل خرچ میجر شہید نے دسویں جماعت تک خود برداشت کیا۔

وہ بڑے باادب تھے۔ ہر کام میں والدین سے اجازت طلب کرتے تھے۔ والدین کا اس قدر احترام کرتے کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ بغیر اجازت نہ بیٹھتے تھے۔ اگر والدہ یا والد نوکری چھوڑنے کا کہتے تو مجھے یقین ہے میجر شہیدؒ ہنسی خوشی اسے خیر باد کہہ دیتے۔ صرف میجر شہیدؒ ہی ان اوصاف کے حامل نہ تھے۔ بلکہ یہ پورا خاندان ان صفات سے متصف ہے۔

ایک بار میجر شہید اور میں مودودی صاحب کے کسی نظریے پر تبادلہ خیال کر رہے تھے۔ شہید کے چھوٹے بھائی خورشید محمد نے مجھے ٹوکا اور کہا کہ آپ بے جا تنقید نہ کریں۔ اس پر میجر شہید ناراض ہو گئے اور خورشید محمد کو کمرے سے باہر نکال دیا اور فرمایا۔

"کسی بزرگ ہستی پر اس طرح تنقید کرنا مناسب نہیں۔ تم نے نافرمانی کی ہے

کمرے سے باہر چلے جاؤ۔

جب خورشید صاحب بیٹھک میں سے اُٹھ کر گھر چلے گئے تو میجر شہیدؒ بھی ان کے پیچھے پیچھے چل دیے اور گھر جا کر انہیں دوبارہ ڈانٹ پلائی۔ جب بیٹھک میں واپس آئے تو میں نے کہا۔"میجر صاحب! آپ نے تو خورشید کو ناراض کر دیا۔" اتنے میں خورشید محمد بھی آ گئے۔ میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ دونوں بھائی اس طرح ہنس رہے تھے جیسے وہ کبھی ایک دوسرے سے ناراض نہیں ہوئے۔

حقیقت یہ ہے کہ خدائے بزرگ و برتر نے انہیں ان کی بے لوث خدمت کا ایسا صلہ عطا کیا ہے کہ وہ آئندہ نسلوں کے لیے مشعل راہ ثابت ہو گا۔

اسی طرح چند دیگر اصحاب کی خدمت میں مندرجہ ذیل سوالنامہ ارسال کیا گیا۔ انہوں نے نہ صرف خط کا جواب دیا بلکہ اپنے تاثرات سوالنامے کی روشنی میں مرحمت فرمائے جو من وعن پیش کیے جا رہے ہیں۔

۱۔ آپ کی پہلی ملاقات کب اور کہاں ہوئی۔ آپ کا پہلا تاثر ان کے بارے میں کیا تھا؟

۲۔ بعد ازاں آپ نے انہیں اپنے اس پہلے تاثر کے مطابق پایا یا اس کے برعکس؟

۳۔ فوجی تربیت کے دوران شہید کے شب و روز۔ ان کی صلاحیتیں اور اس دور کے قابل ذکر واقعات۔

۴۔ کمشن ملنے کے بعد شہید کی زندگی، ان کی فوجی خدمات اور مستقبل میں اُن سے وابستہ اُمیدیں۔

۵۔ شہید ایک دوست اور ساتھی کی حیثیت سے۔

۶۔ شہید ایک افسر کی حیثیت سے۔

۷۔ شہید ایک فردِ خاندان کی حیثیت سے (اگر آپ کو اس پہلو سے دیکھنے کا اتفاق ہوا ہو)

۸ ۔ شہید ایک انسان کی حیثیت سے ۔

۹ ۔ شہید ایک مسلمان کی حیثیت سے ۔

۱۰ ۔ اُن کے مشاغل، علم و ادب سے لگاؤ ۔ دلچسپیاں اور فکر و نظر کے زاویے ۔

۱۱ ۔ ان کے ساتھ عرصۂ رفاقت کی ناقابل فراموش یادیں ۔

۱۲ ۔ ان کی شہادت کی خبر سن کر آپ کے تاثرات ۔

*

جناب مولوی رحمت علی انور سے "یومِ طفیل" پر چک نمبر ۲۵۲/ای بی میں ملاقات ہوئی ۔ اُن سے کافی معلومات حاصل ہوئیں ۔ علاوہ ازیں ان کی خدمت میں ایک سوالنامہ بھی ارسال کیا گیا ۔ جس کے جواب میں انہوں نے حسبِ ذیل خط اور جوابات مرحمت فرمائے ۔ مولوی صاحب موصوف سے ان کے جوابات ہی سے تعارف ہو جاتا ہے ۔

*

پاک پتن شریف ۷۸۶

۱۴ اگست ۱۹۶۷ء عزیز القدر شاہد صاحب! سلمہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کی پہلی ہی ملاقات! ملاقاتِ مسیحا و خضر سے کم ثابت نہ ہوئی۔ محترم بھائی صاحب شہید میجر طفیل محمد نشانِ حیدر کے حالات کتابی صورت میں قلم بند کرنے کی سعادت آپ کو نصیب ہوئی۔ یہ ایک روحانی طاقت ہے۔ اسی روحانی رشتہ سے ہم ایک دوسرے سے منسلک ہو گئے۔ اس طرح آپ میجر صاحب سے قریب سے قریب تر ہو گئے۔

انشاء اللہ زندوں کے ساتھ مل کر آپ کا نام شہرت دوام پا جائے گا۔ اب ہم آپ کو بھی فردِ قوم ہی نہیں بلکہ فردِ خاندان سمجھتے ہیں۔ خدا آپ کا خلوص بڑھائے اور ہمت و استقلال بخشے۔

ع اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ!

میں نے آپ کے حکم کی تعمیل میں ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں غیر مربوط واقعات لکھے ہیں۔ ان میں سے جو قابل تصنیف ہوں ان کی نوک پلک سنوار کر مناسب جگہ ٹانک دیں۔

میجر صاحب کا ددھیال اور ننھیال کا شجرہ نسب بھی ساتھ ہی ارسال ہے۔ یہ اس جگہ عین مناسب رہے گا جہاں آپ نے کنبہ کے

افراد کا فرداً فرداً ذکر کیا ہے۔

میرے لائق کوئی اور خدمت ؟ سب احباب کی خدمت میں مؤدبانہ سلام۔ پاک پٹن شریف تشریف لائیں خاص دعوت ہے اور دعوت کا قبول کرنا سنت۔ آنے سے قبل مجھے ایک خط ضرور لکھیں تاکہ میں مکان پر موجود رہوں۔

فقط والسلام

آپ کا خیر اندیش

ایم رحمت علی انور ہوشیار پوری

ٹیچر گورنمنٹ ہائی سکول پاک پتن

ضلع ساہیوال

*

★ مٹّی کے خاک و خون سے تو نے یہ جہاں کیا ہے پیدا
★ صلہ شہید کیا ہے تب و تاب جاودانہ"
★
★

مولوی رحمت اللہ انور

ع

میں خود کہوں تو میری داستاں دراز نہیں

جس کی تاریخ پیدائش یکم اکتوبر ۱۹۱۷ء ہے وہ ہے آج کا مولوی رحمت علی انور ہوشیار پوری جس نے اسلامیہ خالقیہ ہائی سکول کوٹ عبدالخالق سے ۱۹۳۵ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ پھر مولوی بن کر ادیب عالم کیا۔ جے وی اور ایس وی کی ٹریننگ لی۔ خالقیہ ہائی سکول سرگودھا کی جدائی کے بعد گورنمنٹ ہائی سکول رنگپور میں بطور ایس۔ وی ٹیچر تعینات ہوا۔

اس وقت ۱۹۶۷ء گورنمنٹ ہائی سکول پاک پتن شریف۔ ضلع ساہیوال میں مدرس ہے۔ اس کا بڑا لڑکا عبدالعلی بھی گگو سکول میں ٹیچر ہے۔

شہید میجر طفیل محمد نشان حیدر کے ساتھ میرا رشتہ برادرانہ اور دوستانہ تھا۔ ددھیال اور ننھیال کے شجرہ نسب کے لحاظ سے میں دونوں لڑیوں میں میجر صاحب کے ساتھ منسلک ہوں۔ ددھیال میں چچا زاد بھائی تھے تو ننھیال میں پھوپھی کے بیٹے۔ اگرچہ میجر صاحب مجھ سے ہر لحاظ سے بڑے تھے۔ لیکن بعض اوقات تو میرا احترام بڑے بزرگوں کی طرح کرتے تھے۔ یہ ان کا اخلاق تھا کہ کسر نفسی۔ کیونکہ (جھکتی ہے میوے سے ڈالی لدی) آپ نے بڑا ظرف پایا تھا۔ میری

داڑھی کی انہیں خاص لاج تھی۔ بہر حال ہم ادب واحترام کی حدود کے اندر رہ کر بھی بے تکلف دوست تھے۔

چھٹیوں پر گھر آتے تو ایک ساتھ رہتے۔ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، کھانے پینے اور باہم بات چیت کرنے کا خوب موقع میسر رہتا تھا۔

فردِ خاندان کی حیثیت سے آپ قابلِ فخر ہستی ہیں۔ بے حد ہر دلعزیز تھے قوم کے مایۂ ناز فرزند تھے۔ بچوں سے پیار اور شفقت فرماتے۔ اپنے سے بڑوں بلکہ ہم عمروں کی بھی تعظیم و تکریم فرماتے۔ اُٹھ کر آگے بڑھتے اور خندہ پیشانی سے ہاتھ ملاتے۔ بغلگیر ہوتے۔ سب بچوں کے ساتھ مل کر ایک دستر خوان پر کھانا کھاتے ساتھ ساتھ کھانے کے ادب و آداب بھی سکھاتے جاتے۔ والدین کے ازحد تابع فرمان تھے۔ ان کی اجازت حاصل کیے بغیر کوئی کام نہ کرتے تھے۔ اپنے فرائض کو کماحقہٗ محسوس کرتے تھے اور احسن طریق پر انجام دیتے تھے۔ اکثر اپنے ذاتی حقوق بھائیوں کی بھلائی کے لیے قربان کر دیے۔

شخصی مسرتیں، قومی ضرورتوں پر قربان کر دی جائیں تب ہی ملک و قوم کا بھلا ہے۔ اللہ کی راہ میں ہتھیار بند ہو کر نکلنا۔ اعلائے کلمۃ الحق کے لیے قربانی دینا۔ اُن لوگوں کا شیوہ ہے۔ جن لوگوں کو خدا نے دنیا و آخرت کی برتری۔ بزرگی اور فلاح و بہبود کے لیے چن لیا ہے۔ نیند اور آرام کو حرام کر کے اللہ اللہ کرنا مشکل ہے لیکن جان و ایمان کے دشمن کفار کے پختہ مورچوں میں جا گھسنا اور بلا تامل مخالفین کو گریبانوں سے جا پکڑنا کسی ماں کے لال ہی کا حوصلہ ہے۔

؎ ایں سعادت بزورِ بازو نیست　　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ایسے جری، حوصلہ مند، مستقل مزاج اور صحیح معنوں میں مومن میجر طفیل محمد نشانِ حیدر، رفاتح لکشمی پور) ہی ہیں ۔ ایک کافر کرنل کی للکار نے مردِ مجاہد کے دل پر وہ ٹھیس لگائی کہ طبیعت میں اسلامی غیرت نے جوش مارا۔ پھر بیشۂ حیدری کا یہ شیر جس طرح اپنے شکار پر جا کودا ۔ وہ دنیا کی آنکھوں سے پوشیدہ نہیں ۔ اخباروں کے کالم سیاہ ہو گئے ۔ ریڈیو پر صدائے آفرین گونجی ۔ دھومیں مچ گئیں ۔ تاریخ کو اپنے ابواب میں ایک سنہری باب کا اضافہ کرنا پڑا ۔ بچے بچے کی زبان پر ہے : ؎

اے شہیدانِ وطن تم پر سلام
تم نے روشن کر دیا ملت کا نام

جب ہم آپ کی زندگی پر نگاہ ڈالتے ہیں کہ کتنی ان گنت صفات ہیں جو آپ کو بڑائی کے درجے پر لے گئیں ، تو لامحالہ ماننا پڑتا ہے کہ بڑائی اور بزرگی ایک اضافی صفت ہے ۔ جس کا تعلق انسان کی فطرت کے ساتھ ہے ۔ وہی شخص ان صفاتِ حمیدہ کا حامل ہو سکتا ہے ۔ جس کی فطرت ان خوبیوں کو قبول کرتی ہے ۔ یعنی جملہ خوبیاں آپ میں قدرتی اور فطرتی تھیں ۔ بیشک

مری مشاطگی کی کیا ضرورت حسنِ معنی کو
کہ فطرت خود بخود کرتی ہے لالے کی حنابندی

کس طرح بات سے بات پیدا کرتے تھے ۔ الفاظ کے اُلٹ پھیر کیا لطف دیتے تھے ۔

آج رہ رہ کر یاد آتا ہے کہ جب آپ نے میرے نام کی نسبت سے فرمایا:

"آپ تو علی کی رحمت ہیں"۔ میرے مُنہ سے معاً نکلا "بطفیلِ محمدؐ"۔
آپ نے خوشی اور مسرت کے جذبے سے سرشار ہو کر نعرہ مارا "علی حیدرؑ"
کیا یہ نعرۂ حیدری۔ "نشانِ حیدر" کی علامت نہیں؟
جسے بازوئے حیدر ملا تھا وُہ یقیناً نشانِ حیدر کا بدرجہ اتم مستحق تھا۔

انسان کی حیثیت سے میجر صاحب اپنے پہلو میں ایک ہمدرد دل رکھتے تھے۔ بیواؤں، یتیموں اور غریبوں کی امداد روپے پیسے سے بھی کرتے تھے اسلامی مدارس میں چندے بھیجتے تھے۔ معززین میں خوش پوش باوقار شخصیت تھے۔ جسمانی صفائی اور پاکیزگی لباس کی تاکید فرماتے رہتے تھے۔ گھر پر کبھی فوجی لباس نہیں پہنتے تھے۔ ہر آنے والے کے ساتھ تکلفاً کھڑے ہو کر خندہ روئی سے ملتے تھے۔ خود مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھاتے اور ان کی خاطر تواضع میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھتے تھے۔ ع درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو کی صیحح تصویر تھے۔

سچ ہے پاکیزہ تعلیم سے پاکیزہ خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ شمع روشن سے ضیائے نور نکلتی ہے۔ مذہب کے لحاظ سے آپ ایک مومن مسلمان تھے۔ اہل سنت والجماعت کے حنفی تھے۔ زبان دل کی ترجمان ہے۔ ثواب اور ادب کی نیت سے سلام میں پہل کر جاتے تھے۔ صوم وصلوٰۃ اور ورد وظائف کے پابند تھے۔ ختم درود اور خیر خیرات کے قائل تھے۔ سادات اور پیرانِ عظام کو نذر نیاز پیش کرتے تھے۔ ہر سال قربانی دیتے تھے۔ بچوں کو بھی عید کارڈ بھیجتے تھے۔ انگریز افسروں میں رہ کر بھی کوئی بری عادت نہ پڑی تھی۔ بلکہ پان۔ حقہ۔ سگریٹ سے بھی احتراز فرماتے۔ یہ سب اسی کا نتیجہ تھا کہ اسلامی تعلیم گھٹی میں پڑی تھی۔ ان

کی تمام تر فکر کا مرکز محض ایک ہی نقطہ تھا وہ یہ کہ :

مسلمان اپنوں کے لیے ابریشم سے نرم اور دشمنوں کے لیے فولاد سے سخت تر ہے۔

اگر حسن سڈول جسم اور قلبی شرافت کا نام ہے تو آپ بے حد حسین تھے ورزشی گٹھا ہوا جسم تھا۔ کھیلوں میں دوڑ۔ چھلانگ۔ ہاکی۔ کرکٹ سے خاص لگاؤ تھا۔ چوسر۔ شطرنج اور تاش کی قسم کی کھیلوں سے نفرت تھی۔ خاندانی زمیندار ہونے کی حیثیت سے باغبانی کی کتابوں کا مطالعہ فرماتے۔ اپنے کھیتوں اور فصلوں کو دیکھنے کے لیے پیدل بھی اور گھوڑی پر سوار ہو کر بھی باہر آتے اور واپس آکر اپنے چھوٹے بھائی چوہدری اقبال محمد کو مناسب ہدایات دیتے۔ ترقی داد آلات کے استعمال پر زور دیتے تاکہ پیداوار زیادہ اچھی اور زیادہ ہو۔ جانوروں کے جسم پر پیار سے ہاتھ پھیرتے۔ ان کا چارہ دیکھتے اور اچھی خوراک کی تاکید فرماتے۔

شام کی سیر میں محمد افضل۔ محمد اختر۔ سعید اختر اور بچوں کو ساتھ لے کر کھلے میدان میں گیند بلّا لے کر نکل جاتے تھے۔ بڑے لڑکے میری پارٹی میں ہوتے تھے اور چھوٹے بچے خود میجر صاحب کی طرف۔ اچھی خاصی تھکا دینے والی ورزش ہوتی تھی۔ میجر صاحب ان تھک تھے خود باؤلنگ کرتے۔ گیند کے پیچھے بھاگتے اکثر ہم کو رن آؤٹ کر دیتے۔ کھیل کے اس مختصر عرصے میں بھی اصول اور مستقل مزاجی کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ قواعد کی پوری پوری پابندی کرواتے تھے۔

فرصت کے وقت کرۂ ارض اور فوجی نقشہ جات کا بغور مطالعہ فرماتے۔ کتاب پڑھتے تو خاص خاص نوٹ لیتے جاتے۔ گھر پر سب بچوں کا فرداً فرداً سبق سنتے۔

محمد اختر کو انگریزی کا مضمون یا خط لکھنے کو دیتے اور اس کی اصلاح خود فرماتے۔

علامہ اقبال کے یہ شعر اکثر موقع بہ موقع اپنی شستہ گفتگو میں استعمال کرتے:

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیرِ امم کیا ہے
شمشیر و سناں اوّل طاؤس و رباب آخر

یقیں محکم عمل پیہم محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

تیری بندہ پروری سے مرے دن گزر رہے ہیں
نہ گلہ ہے دوستوں کا نہ شکایتِ زمانہ

پہلے شعر کو خوشخط لکھوا کر بیٹھک میں آویزاں کروایا۔

مشرقی پاکستان گئے تو بنگلہ زبان سیکھتے رہے۔ ایک دفعہ گھر چھٹی پر آئے تو اپنے ساتھ ایک چکور ایک خوبصورت پنجرے میں لائے۔ پہاڑی علاقوں میں شکار کھیلا تو وہاں سے جنگلی جانور مارخور وغیرہ کے چار چار۔ پانچ پانچ فٹ لمبے سینگ نمائش کے لیے لائے۔ جو اب بھی گھر پر موجود ہیں۔ جس علاقے سے گھر تشریف لاتے اس علاقے کی سوغات بافراط ساتھ لاتے۔

واقعی کتا بڑا وفادار جانور ہے۔ آپ عرصہ دراز کے بعد بھی گھر آتے تو آپ کا کتا بلّو آپ کے پاؤں پر لوٹتا اور خوب پیار کرتا اور وفاداری کا دم بھرتا۔ آپ فرماتے "بس کرو! بلّو، تمہارا سلام ہو گیا"۔ کتا آپ کے اشارات کو خوب

سمجھتا اور پیچھے ہٹ جاتا۔ کتا تھا کہ کوتے تک کو کسی چیز کے نزدیک نہ آنے دیتا خود وہی کھاتا جو اسے دیا جاتا۔ وہ بھی اپنی مقررہ جگہ پر۔ داڑھی کی بات سے مجھے وہ واقعہ بھی یاد آگیا جب کہ جنگ عظیم دوم شروع تھی۔ میجر صاحب اُس وقت کوئٹہ میں تھے۔ مَیں ان دنوں کوٹ عبدالخالق ضلع ہوشیار پور کے ہائی سکول میں مدرس تھا میجر صاحب کا میرے نام ایک خط آیا کہ تمہاری صحت اچھی ہے۔ فٹ بال کے کھلاڑی ہو۔ ترقی کا یہ اچھا موقع ہے۔ اگر فوج میں بھرتی ہونا چاہتے ہو تو فوراً میرے پاس آجاؤ۔ لیفٹیننٹ بھرتی کر لیے جاؤ گے۔ شرط یہ ہے کہ بھرتی کے وقت داڑھی منڈوائی ہوئی ہو! مجھے (مولوی صاحب کو) یہ بات کب گوارا تھی۔ ویسے بھی بوڑھی والدہ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ انگریز کی فوج میں بھرتی کی اجازت کب ملتی تھی؟ میں نے ایسی نوکری سے انکار لکھ بھیجا۔ کاش مجھے کوئی آج اسلامی فوج میں بھرتی کر لے!

آخری دفعہ چھٹی پر گھر تشریف لائے۔ ایک دن حاجی نیاز محمد۔ میں اور میجر صاحب کمرے میں بیٹھے تھے کہ مجھے ایک مدرس سمجھ کر تعلیمی گفتگو شروع ہو گئی۔ قوم کی تعلیمی پس ماندگی پر ان کی طبیعت کڑھنے لگی۔ قوم کی جہالت کو دُور کرنے کے لیے گرلز اسکول کے اجرا پر زور دیا۔

تعلیم نسواں کی اہمیت جتائی۔ میں جان بُوجھ کر تعلیمِ نسواں کے خلاف بولنے لگا گفتگو کا انداز مباحثہ کی شکل اختیار کر گیا۔ میں نے بھی بحث برائے بحث کے لیے دلیل بازی شروع کر دی۔

جب میں نے یہ کہا کہ آپ جانتے ہیں ہماری قوم میں تعلیم کم ہے۔ لڑکے بھی اَن پڑھ ہیں تو ان بے علم جاہل لڑکوں کے لیے پڑھی لکھی لڑکیاں چاہئیں؟ آپ نے

اس کے جواب میں جو جواب دیا اس کا مجھ سے کوئی جواب بن نہ پڑا - فرمایا " اگر لڑکیاں پڑھ جائیں تو ہماری قوم کا کوئی لڑکا ان پڑھ رہ ہی کیسے سکتا ہے - مائیں پڑھی لکھی ہوں تو اپنے بچوں کو خود پڑھائیں گی - سب تعلیم یافتہ ہو جائیں گے - پڑھی لکھی ماں زیادہ سلیقہ شعار ہو سکتی ہے - ع

مجھے اُس کی شیریں کلامی نے لُوٹا -

فرمایا " ایک رئیس ہونے کی حیثیت سے آپ معمارِ قوم ہیں " میں نے کہا کہ معمار! خدا نہیں ہوتا " آپ نے فرمایا - " خُدا نہیں تو کشتیِ قوم کا ناخُدا ضرور ہوتا ہے "

آخری وقت کا لطفِ خاص کیسے فراموش کر سکتا ہوں - ہم گھر کے اندر رہائشی کمرے میں بیٹھے تھے - آپ کو صبح سویرے بذریعہ لاری یہاں سے لاہور جانا تھا - رختِ سفر تیار ہو چکا تو آپ کے لیے ناشتہ لگایا گیا - چونکہ قبل از وقت ناشتہ تھا اس لیے یہ سفری ناشتہ صرف آپ ہی کے لیے تھا -

جب ناشتہ فرمانے لگے تو کہنے لگے کہ آؤ تم بھی کھاؤ - ہم نے کہا کہ بسم اللہ کیجیے ابھی ناشتہ کا وقت نہیں یہ تو صرف آپ ہی کی خاطر ہے کہ آپ کو سفر درپیش ہے - آپ نے زبردستی بڑی مروت سے میرا بازو پکڑا اور فرمایا " اور کوئی نہیں کھاتا تو ہم دونو اکٹھے کھائیں گے " یہ کہ کر مجھے اپنے ساتھ ناشتے میں شامل کر لیا - میں نے تعمیل حکم کے طور پر دو ایک نوالے لیے اور خاص التجا کے ساتھ معذرت چاہی کہ ہم سب آپ کو لاری پر سوار کروا کے وقت پر ناشتہ کریں گے - ہنس کر فرمانے لگے - " سب کا اچھا ایکا ہے "

مجھے موسمِ گرما کی دو ماہ کی چھٹیاں تھیں۔ چک نمبر ۲۵۳ / ای ۔ بی گگو تحصیل پاک پتن میں چوہدری اقبال محمد صاحب کی بیٹھک میں بچوں کو تعطیلات کا کام کرواتا رہتا تھا۔

مورخہ ۸ ر اگست ۱۹۵۸ء کی صبح تقریباً ½ ۸ بجے بیٹھک ہی میں بیٹھا تھا کہ اچانک گھر کی طرف سے رونے چلانے کی آوازیں بلند ہوئیں ۔ ہم سب فوراً اندر بھاگے۔ یہ دیکھ کر ششدر رہ گئے کہ سبھی چلا چلا کر رو پیٹ رہے ہیں ۔۔ بجلی سی گر گئی ۔ قیامتیں جاگ اُٹھیں۔

میجر صاحب کی والدہ صاحبہ پکار پکار کر کہہ رہی تھیں ۔" میرا گلاب کا پھول! میرا گلاب کا پھول!" ۔ پتہ چلا کہ میجر صاحب کی شہادت کی خبر آئی ہے ۔ کلیجہ دھک سے رہ گیا ۔ خبر بجلی کی طرح ہر طرف کوند گئی ۔ سارا گاؤں اکٹھا ہو گیا ۔ زنانہ ، مردانہ عورتوں مردوں سے پُر ہو گیا ۔ حزن و ملال کا دریا اُمنڈ آیا ۔ آنسوؤں کے پانی سے دل کی لگی بجھانے کی جہد ہوئی ۔ کچھ دیر تک الگ بیٹھا روتا رہا ۔ جی ہلکا کر لیا تو صبر پیش نظر تھا ۔ شہادت کے بلند و بالا مراتب پر خیال گیا ۔ دل کو سنبھالا ۔

بھائی اقبال محمد کو دیکھا کہ بے حس و حرکت مبہوت کھڑے ہیں ۔ بالکل گم سُم ہیں نہ بولتے ہیں نہ روتے دھوتے ۔ ٹک ٹک دیدم لب نہ کشیدم کا معاملہ ہے۔ شدتِ غم سے دل و دماغ بری طرح متاثر ہو چکے تھے ۔ جنونی کیفیت تھی ۔ اپنی چھوڑ کر سب کو ان کی فکر ہوئی ۔ مُہرِ خاموشی کو توڑنے کی ہر ایک نے اپنی مقدور بھر کوشش کی ۔ لیکن کسی کا کوئی طریقہ کارگر ثابت نہ ہوا ۔ آرزوؤں کا خون ہوتا نظر آیا ۔ امیدیں مایوسیوں میں بدلنے لگیں ۔ جان جانے لگی ۔ آخر قبلہ خلیفہ غلام محمد صاحب

نے بمشکل تمام تقریباً ایک گھنٹے کی مسلسل جدوجہد کے بعد بٹھایا اور بڑی التجاؤں کے ساتھ چند گھونٹ پانی پلایا۔

خداوند کریم کا لاکھ لاکھ شکر بجالائیے کہ چوہدری اقبال صاحب باختہ ہوش بجالائے۔ پھر آپ نے بڑے تحمل اور بڑے صبر کے ساتھ قبر کی تیاری اور تابوت کا انتظام فرمایا۔ رات کو مغرب کے بعد فوجی ٹرک آیا تو پھر ایک کہرام مچ گیا میجر صاحب کا تابوت بڑی طاقت کے ساتھ ٹرک سے اتارا۔ آپ پر پاکستان کا ہلالی سبز پرچم پڑا تھا۔ چہرا مبارک دیکھا تو نورانی چہرے پر شبنمی دانے دمک رہے تھے سر پر خون آلود پٹی بندھی تھی۔ اس وقت کے تاثرات نہ بیان کرنے کی ہمت ہے نہ تحریر کرنے کی طاقت ہے

مرے خاک و خون سے تو نے یہ جہاں کیا ہے پیدا
صلۂ شہید کیا ہے؟ تب و تابِ جاودانہ
تری بندہ پروری سے مرے دن گزر رہے ہیں
نہ گلہ ہے دوستوں کا نہ شکایتِ زمانہ

*

۷۸۶

بہاولپور

۱۱۔فروری ۱۹۶۸ء

محترمی جناب شاہد صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' - طالبِ خیریت بخیریت -

پیشتر اس کے کہ اپنا مفہوم عرض کروں میں اس بات پر اپنی ندامت کا اظہار کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کے خطوط کا بروقت جواب نہ لکھ سکا۔اس بارے میں آپ سے دلی معافی چاہتا ہوں۔ وجہ جواز کے طور پر نہیں بلکہ حقائق کے مطابق یہ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

آپ کا پہلا خط چند ماہ قبل موصول ہُوا۔جس میں آپ نے میجر طفیل محمد شہیدؒ کے متعلق مجھے ایک سوالنامہ بھیجا تھا تو بندہ نے اسے اس ارادے سے ایک جگہ محفوظ رکھا کہ اس سوالنامہ کے مطابق کچھ زیادہ معلومات فراہم کرکے جواب لکھ سکوں۔چنانچہ اس کوشش میں رہا۔ ایک اور صاحب جو کہ میجر صاحب کے مداح ہیں نے بھی کچھ معلومات فراہم کرنے کا وعدہ کیا۔ ابھی یہ کر نہ پایا تھا کہ آپ کا دوسرا خط بھی مل گیا۔ اُسے بھی اس خیال سے ایک جگہ رکھا کہ کچھ فرصت کے وقت جواب لکھوں۔ لیکن پھر ایسا ذہن سے اُترا اور اپنے کام میں اس قدر مصروفیت رہی کہ بھول گیا۔ آج اُن کاغذات پر کچھ وقت صرف کیا تو یہ خطوط بھی مل گئے۔ بے حد احساسِ شرمساری ہُوا۔ اُمید ہے آپ معاف فرمادیں گے اور اس معذرت نامہ کو طباعت میں نہیں لائیں گے۔

آپ کے سوالنامے کا جواب اب مختصراً لکھ رہا ہوں۔ اگرچہ اتنی تاخیر کی وجہ

سے یہ توقع نہیں کہ یہ جواب آپ کے مقصد کے لیے کام آسکے۔ تاہم اس لیے ارسال کر رہا ہوں کہ بعض اوقات ناگزیر مشکلات کی وجہ سے ایسی ہی تاخیر آپ کے مسودہ میں ہو گئی ہو۔ تو شاید یہ ذاتی تاثرات آپ کے لیے کچھ مفید ہو سکیں۔

(اتنی لمبی تاخیر کے لیے پھر معذرت خواہ ہوں)

سوالنامہ کے جوابات شامل عریضہ ہذا ہیں۔

افسوس ہے کہ مرحوم شہید کے خطوط میں سے کوئی بھی اس وقت دستیاب نہیں ہو سکا۔ دراصل اس بات کا گماں بھی نہ تھا کہ وہ ہم سے اس قدر جلد رخصت ہو جائیں گے۔ شہید کے چھوٹے بھائی چوہدری خورشید کی شادی کے موقع پر میں نے خود شہید کے کیمرہ سے ہی کافی تصاویر لی تھیں۔ مجھے اُمید ہے کہ ان میں سے کچھ تصاویر حسب پسند آپ چوہدری خورشید احمد صاحب سے حاصل کر چکے ہوں گے۔

فقط

والسلام

ذوالفقار محمد چوہدری

اسسٹنٹ ڈائرکٹر بنیادی جمہوریت بہاولپور

*

نوٹ: ناظرین کی خاطر خط من وعن شائع کیا جا رہا ہے۔

وُہ جوانوں کو ملک و ملّت کی خدمت کیلیے اُبھارتے تھے

ذوالفقار محمّد چودھری

(۱) میری پہلی ملاقات اُن سے بچپن میں ہی ہوئی - جب کہ ہم دونو ابھی سکول میں ہی تھے - ہمارے والدین کے درمیان نہایت گہرے برادرانہ تعلقات کی وجہ سے ایسی ملاقات کا موقعہ ملتا رہتا تھا - اُس وقت میرا پہلا تاثر اُن کے متعلق وہی تھا جو ایک چھوٹے بھائی کو ایسے بڑے بھائی سے ملنے پر ہوتا ہے کہ نہایت ذہین - مشفق اور خدا ترس ہو - اُن سے ہر ملاقات میں خلوص اور محبت ظاہر ہوتی تھی -

(۲) بعد ازاں میں نے انہیں ہمیشہ اپنے اس پہلے تاثر کے مطابق پایا -

(۳) میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد آپ اپنے شوق کی تکمیل کے لیے بطور سپاہی کلرک فوج میں بھرتی ہوئے - دوران تربیت اپنے جذبہ وطن دوستی اور محنت کی بدولت اپنے افسروں کے ہاں قدرومنزلت حاصل کی - جب کبھی رخصت پر گھر آتے تو اپنے ان جذبات اور شوق کا اظہار کرتے رہتے اور ساتھ ہی یہ بتایا کرتے کہ والدین کی محبت انہیں جلد جلد رخصت لیکر گھر آنے پر مجبور کرتی ہے دوسری طرف تربیت فوجی سے پورا فائدہ اٹھانے کے لیے ایسی رخصت سے گریز کرنے کو جی

چاہتا ہے۔ اپنی ذاتی صلاحیتوں کی بدولت وُہ اِن دونوں خواہشات کو پورا کرتے رہے۔

(۴) کمیشن ملنے کے بعد مجھے ان سے زیادہ قریب ہو کر ملنے کا اس وقت موقعہ ملا۔ جب ان کی تعیناتی ۱۹۴۲ء میں سیالکوٹ چھاؤنی میں ہوئی۔ ان دنوں میں بھی بسلسلہ ملازمت ضلع سیالکوٹ میں مقیم تھا اور اُن سے ملنے کا کافی موقعہ ملتا رہا۔ اس وقت آپ ۱۶ پنجاب رجمنٹ میں تعینات ہوئے۔ اپنے فرائض کی ادائیگی میں اس قدر باقاعدہ دلچسپی لیتے تھے کہ ادائیگی فرائض کے پروگرام کو ہمیشہ دوسری تمام باتوں پر فوقیت دیتے تھے۔ ڈیوٹی کے اوقات کے بعد ان کے یونٹ کے جوان چھوٹے چھوٹے گروہوں میں ان کی کوٹھی پر آتے رہتے اور وُہ اُن سے نہایت بے تکلفی اور محبت سے باتیں کیا کرتے۔ اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وُہ ان جوانوں میں کس قدر مقبول تھے۔ جوانوں کو ملک اور قوم کی خدمت کے لیے اُبھارتے رہتے اور اُن کے گھریلو حالات معلوم کر کے ان کے مسائل حل کرنے میں اُن کی مدد کرتے۔ سیالکوٹ سے کچھ وقفہ کے بعد مختلف تربیتی کورس میں شرکت کے لیے دوسرے مقامات پر جاتے رہتے اور نہایت اعلیٰ معیار پر ایسے تربیتی کورس پاس کرتے۔ ان حالات کی روشنی میں یہ اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وُہ آیندہ کس حد تک ملک اور قوم کے لیے مفید ہو سکتے ہیں۔

(۵) شہید ایک دوست اور ساتھی کی حیثیت سے اپنی مثال آپ تھے۔ دوستوں اور ساتھیوں کی مشکلات دُور کرنے میں عملی مدد کیا کرتے اور اس مقصد کے لیے اپنی استطاعت کے مطابق فراخ دلی سے خرچ کرتے۔ اس قسم کے اخراجات

کا ان کے قریبی عزیزوں کو بھی علم نہ ہوتا تھا۔

(۶) شہید ایک افسر کی حیثیت سے اپنے ماتحت جوانوں کے لیے صحیح راہنما اور مشفق دوست کا درجہ رکھتے تھے۔ جیسا کہ پہلے ذکر کر چکا ہوں۔ اپنے ماتحتوں میں بہت ہر دلعزیز تھے جس کی وجہ ان کا مخلصانہ اور برادرانہ رویہ تھا۔ کام کا معیار بلند کرنے اور فنی تربیت کو بہتر بنانے میں خود اپنی مثال اپنے ماتحتوں کے لیے بطور نمونہ پیش کرتے تھے۔ اگرچہ احکامات کی تعمیل ایک فوجی جوان کے لیے لازمی امر ہوتا ہے۔ لیکن شہید کے احکامات کی تعمیل میں جوانوں کی طرف سے بھی محبت اور اطاعت کا جذبہ زیادہ کارگر ہوتا تھا۔ اپنے ماتحتوں کی بہبودی کے لیے ذاتی طور پر کوشاں رہا کرتے۔

(۷) ایک فرد خاندان کی حیثیت سے بھی آپ کا کردار بطور نمونہ پیش کیا جا سکتا ہے۔ والدین اور عزیزوں سے بے حد محبت تھی ان کی خدمت اور بہبودی کے لیے تجاویز زیر غور لا کر اُن پر عملدر آمد بھی کرواتے۔ کیپٹن محمد اختر جو کہ اُن کے برادر زادہ ہیں سے اس قدر محبت تھی کہ ان کی تعلیم تربیت کو اپنی ذاتی ذمہ داری بنا لیا تھا اور کہا کرتے تھے کہ اختر کی تعلیم میں خرچ کو رکاوٹ نہیں بننے دوں گا۔ والدین سے عقیدت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اُن کے ملنے والوں کا بے حد احترام کیا کرتے۔

(۸) ایک انسان کی حیثیت سے آپ کی خوبیوں کو دیکھنے کا اس وقت زیادہ موقعہ ملا جب کہ تقسیم ملک کے وقت فسادات ہونے پر آپ کو سیالکوٹ شہر کا کمانڈر مقرر کیا گیا۔ اس وقت جہاں آپ نے مسلم مہاجرین کی بے حد خدمت کی وہاں غیر مسلم

تارکین کو بھی ظلم سے بچاتے رہے ۔غریب لوگوں کی اپنی ذاتی گرہ سے مدد کرتے رہے

(۹) ایک مسلمان کی حیثیت سے بھی آپ کی زندگی بلند پایہ تھی۔ نماز کی ادائیگی باقاعدگی سے کرتے۔ اور قرآن عظیم کی تلاوت بامعنی وتفسیر اُن کا معمول تھا۔ یہ باتیں آپ نے اپنے والد صاحب مرحوم سے ورثہ میں پائیں تھیں جو اسلامی اقدار کو بلند رکھنے کے لیے شہید کو بار بار تاکید کرتے رہتے تھے۔ اکثر دفعہ جب اُن سے مل بیٹھنے کا موقعہ ملتا تو اسلامی تاریخ کے واقعات زیر غور و تبصرہ لاتے اور کہا کرتے کہ کاش ہم خلفائے راشدین کی پیروی کر سکیں۔

(۱۰) فرصت کے اوقات میں مختلف کتب کا مطالعہ کرتے رہتے۔ آپ کی اپنی ذاتی لائبریری میں زیادہ تر فوجی فنی معلومات۔ اسلامی تاریخ اور دینی کتب کا ذخیرہ ہوتا تھا۔ جو باتیں ان کتابوں سے دورانِ مطالعہ حاصل کرتے اُن پر اپنے احباب سے بھی تبادلہ خیال کرتے اور ان کو بھی یہ کتابیں پڑھنے کی ترغیب دیتے۔ شراب سے سخت نفرت تھی۔ اسی وجہ سے کلب میں جانے سے بھی گریز کیا کرتے اگرچہ اپنے عہدہ کے لحاظ سے کبھی کبھی رسمی طور پر وہاں جانا پڑتا تھا۔

(۱۱) پاکستان کے قیام پر مجھے دوبارہ اُن کے زیادہ قریب ہونے کا موقعہ ملا۔ ۱۹۴۷ء میں آپ پھر سیالکوٹ چھاؤنی میں میجر کی رینک پر تعینات تھے اور مجھے بھی بسلسلہ ملازمت وہاں آنا پڑا۔ اس وقت ہر طرف فتنہ و فساد برپا تھا۔ شہید کو سیالکوٹ شہر کا کمانڈر مقرر کیا گیا۔ آپ کی ذاتی توجہ سے بہت سی قیمتی جانیں اور جائیداد ضائع ہونے سے بچ گئی۔ اُن دنوں والدین کے متعلق بہت متفکر رہا کرتے تھے جو کہ ضلع جالندھر کے دیہاتی علاقہ میں مقیم تھے۔ شہید کے افسر جو کہ ایک

انگریز کرنل تھے نے انہیں خود پیش کش کی کہ وُہ فوجی ٹرک اور گارد ساتھ لے جا کر اپنے والدین و عزیز و اقارب کو لے آویں۔ چنانچہ آپ اس انتظام کے تحت مشرقی پنجاب گئے۔ جب شام چوراسی کے مقام کے قریب سے گزر رہے تھے تو ایک گاؤں میں مسلمان آبادی کو بہت پریشان پایا۔ لوگ اُس رات غیر مسلموں کی طرف سے اس گاؤں پر حملہ کی خبر پا چکے تھے۔ شہید کو جب یہ معلوم ہُوا تو اپنے ساتھیوں کو کہا کہ آج کی رات وہاں ہی گزاریں گے۔ چنانچہ گنتی کے چند ساتھیوں اور اپنے آپ کو گاؤں کے ارد گرد مورچہ بند کر دیا تا کہ گاؤں کی حفاظت کی جا سکے حملہ آور سکھوں کو جب اس بات کا علم ہُوا تو انہوں نے حملہ کا ارادہ ترک کر دیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے شہید کی بدولت اس گاؤں کے مسلمانوں کو بچ نکلنے کا موقعہ دیا۔ اس وقت شہید مسلمان بھائیوں کی خدمت کے لیے اس قدر متوجہ ہوئے کہ اپنے والدین کی حفاظت اور اُن کو جلد خطرہ کے علاقہ سے نکالنا بھی بھول گئے۔ اگلے روز وُہ والدین اور عزیزوں کو ساتھ لے کر پاکستان کی طرف لوٹے۔ اُس زمانہ میں آپ کا جذبہ ملی عروج پر تھا۔ اور دن رات اپنے فرائض کی ادائیگی میں مشغول رہتے ایک سکھ فوجی افسر نے (جو کہ اُن کے دوست تھے) سیالکوٹ سے روانہ ہوتے وقت اپنا ذاتی ملکیتی مکان میجر شہید کو دینے کی پیش کش کی اور سابقہ تاریخ میں تحریر بابت ملکیتی حقوق دینے کے لیے بھی تیار ہوئے لیکن آپ نے یہ کہہ کر اس پیشکش کو ٹھکرا دیا کہ اب یہ تمام جائیداد و مال قومی مفاد کے لیے ہی استعمال ہو گا۔ اسی جذبہ کے تحت مسلمان بھائیوں کو تارکین کی جائیداد کو نقصان پہنچانے سے منع کرتے اور سختی سے روکتے۔

(۱۲) آپ کی شہادت کی خبر سُن کر بے حد رنج و غم ہُوا اور فوراً میرے خیالات شہید کے اپنے منہ سے کہے ہوئے کلمات کی طرف مبذول ہوئے آپ احباب میں بیٹھ کر اکثر اس خواہش کا اظہار کیا کرتے کہ اُن کی زندگی کے دو اہم مقاصد اُن کے سامنے ہیں اور وُہ دعا کیا کرتے کہ اللہ یہ مقاصد حاصل کرنے میں انہیں کامیاب کرے ۔ ان میں سے اول والدین کی خدمت اور دوسرا ملک وقوم کے لیے جان دینے کی خواہش ۔ اکثر کہا کرتے کہ میدان کی موت خوش قسمت لوگوں کو ہی ملا کرتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ ان کی یہ دونوں خواہشیں پوری کر دکھائیں ۔ والد صاحب کی وفات کے بعد والدہ ماجدہ کو ملنے کے لیے پہلے کی نسبت زیادہ آیا کرتے تھے چنانچہ یہی جذبہ خدمت وعقیدت انہیں شہادت والی مہم پر روانگی سے پہلے مختصر وقفہ کے لیے مشرقی پاکستان سے چک ۲۵۳ ای ۔ بی (مغربی پاکستان) میں کھینچ لایا ۔ اس ملاقات کے جلد ہی بعد اُن کی شہادت کی خبر مل گئی ۔ اُن کے آخری الفاظ بھی فرض کی ادائیگی کے بارے میں ہی نکلے ۔ شہید اس دنیا سے مطمئن رخصت ہوئے کہ انہوں نے اپنا فرض پورا کر دکھایا ۔ اُن کی خواہش کے مطابق شہید کو اُن کے والد صاحب مرحوم کے قدموں میں سپردِ خاک کیا گیا ۔ اللہ تعالیٰ اُن کی لحد پر ہمیشہ ہمیشہ اپنی رحمتوں کی بارش برساتا رہے ۔ آمین

منجانب : میجر جنرل امیر عبداللہ خاں نیازی

ہلال جرأت - ستارۂ خدمت، ملٹری کراس

جنرل آفیسر کمانڈنگ

۸ ڈویژن سیالکوٹ

مکرمی و محترمی

السلام علیکم

آپ کے ہر دو مراسلے ملے .... شکریہ !

جواب میں تاخیر عدیم الفرصتی کی وجہ ہے - گو آپ کے سوالنامے کے ہر سوال کا جواب تو بخوبی نہیں دیا جا سکتا تاہم جو کچھ بھی مجھے شہیدوں کے متعلق علم ہے لکھے دیتا ہوں -

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ آپ کی کتاب "نشانِ حیدر" ایک اچھی کتاب ثابت ہو اور شہادت کی پوری پوری ترجمانی کرے -

آمین !

والسلام

احقر

نیازی

۳۰ ستمبر ۱۹۶۷ء



میجر جنرل اے اے کے نیازی

نیازی صاحب "ٹائیگر" کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ خطاب انہیں پانچویں انڈین ڈویژن کے جنرل وارن نے برما کی جنگ میں عطا کیا تھا۔ جنرل موصوف نیازی صاحب کی بہادری، جاں فروشی اور شجاعت کے جنگی کارناموں سے بے حد متاثر تھے۔ دوسری جنگ عظیم میں نیازی صاحب نے برما کے محاذ پر "ملٹری کراس" حاصل کیا۔ گزشتہ پاک بھارت جنگ میں آپ کو اعلیٰ عسکری خدمات انجام دینے کے صلہ میں "ہلال جرأت" دیا گیا۔ نیازی صاحب ایک ایسی شخصیت ہیں جنہیں نہ صرف کیپٹن راجہ محمد سرور شہید "نشان حیدر" میجر طفیل محمد شہید "نشان حیدر" اور میجر عزیز بھٹی شہید نشان حیدر سے ملاقات کا شرف حاصل ہے۔

۱۹۵۴ء میں جب میجر عزیز بھٹی شہید کوئٹہ میں سکول آف انفنٹری اینڈ ٹیکٹکس میں انسٹرکٹر تھے۔ اسی زمانے میں میجر طفیل محمد بھی "دینپر دنگ"

ہیں انسٹرکٹر تھے۔ میجر طفیل محمد شہید اور نیازی صاحب کی
ملاقات کی یادگار تصویر اور جنرل موصوف کے تاثرات پیش کیے
جاتے ہیں۔

*



میجر طفیل محمد شہید

آپ سے میری پہلی ملاقات ایک فوجی ادارے میں ہوئی جہاں انہیں میرے ساتھ نوکری اور رفاقت کا موقعہ ملا۔ میں نے آپ کو ایک محنتی، دُور بین اور محقق قسم کا افسر پایا۔ آپ نے اس ادارے میں جو جو نمایاں کام سرانجام دیے وہ آج بھی اُس ادارے میں مشعلِ راہ ہیں۔

آپ ایک غیور افسر تھے۔ یہاں مجھے اُن سے وابستہ ایک واقعہ یاد آتا ہے۔

ایک دفعہ اسی ادارے میں سکھلائی کی ایک تربیتی مشق دکھائی جاتی تھی جس میں مشین گن کا فائر مختلف زاویوں سے دکھانا مطلوب تھا۔ مشق کے بعد دوسرے دن میں نے سرِ راہ آپ سے کہا کہ کل کا فائر کوئی اچھا نہ تھا۔ میجر طفیل شہید نے اس کا اتنا گہرا اثر لیا کہ اگلی مشق پر تمام کام اپنے ہاتھوں سے کیا اور مشین گن کے ہر زاویے کے فائر کو اپنے اتنے قریب سے دیکھا کہ خطرہ لاحق تھا۔ اس موقعے پر باہر کے ملکوں کے بہت سے افسر بھی موجود تھے۔ جنہوں نے بے ساختہ یہ کہا کہ "اس قسم کی فوجی تربیتی مشق پہلی بار دیکھنے میں آئی ہے کہ گولیاں اتنے قریب سے گزرتی ہیں جس کا گمان نہیں ہو سکتا"۔

دوسری دفعہ ایک افسر کو اُس کی غلطی پر سزا ملنے والی تھی کہ آپ اُس کی معافی

کے لیے میرے پاس آئے اور اصرار کیا کہ اُس افسر کو ایک دفعہ اور موقعہ دیا جائے باوجود میرے یہ کہنے کے کہ غلطی پر سزا واجب ہے۔ انہوں نے اور اصرار کیا اور آخر مجھے ماننا ہی پڑا اور پیشی کے وقت میں نے اُس افسر کو تلقین کے بعد چھوڑ دیا۔ آج بھی جب کبھی میں اُس افسر کو دیکھتا ہوں تو مجھے طفیل شہید یاد آجاتے ہیں۔

آپ جب اس ارادے سے تبدیل ہو کر مشرقی پاکستان جانے لگے تو مجھ سے ملاقات پر اس بات کا اظہار کیا کہ وہ ہمیشہ مشیتِ ایزدی پر لبیک کہتے ہیں اور مطمئن رہتے ہیں۔

آپ پانچ وقت کے نمازی تھے اور ہر محفل میں مقبول تھے۔ آپ بے حد شریف، منکسر المزاج، بہادر اور شجاع الشان تھے۔"

*

"میجر طفیل محمد بہت بہادر اور جرأت مند تھے"

میجر جنرل فضل مقیم خان ستارۂ پاکستان، ستارۂ قائد اعظم

میجر جنرل فضل مقیم خان نے اپنی بے مثال تصنیف "تگ و تاز جاودانہ" ـ پاک فوج کی کہانی جو اپنی نوعیت کی پہلی تصنیف ہے میں جہاں دیگر شہیدانِ وطن کا تذکرہ کیا ہے۔ وہاں معرکۂ لکشمی پور کو بھی نظر انداز نہیں کیا اور میجر طفیل محمد شہید کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ ان کا بیان ہے :

"ہندوستان کی سرحدوں پر تقریباً ہر سال حادثے رونما ہوتے رہے۔ آخری سنگین حادثہ مشرقی پاکستان کے شمال مشرقی علاقے میں ۱۹۵۸ء میں واقع ہوا۔ جہاں مئی میں سرما کے علاقے میں ہندوستانی فوجوں نے پاکستان کے کسانوں پر گولیاں چلائیں اس کے بعد انہوں نے پتھاریہ کے جنگل میں جو ایک متنازعہ علاقہ ہے اور دریائے پیان کے علاقے میں آتش باری کی۔ پاکستان نے دوسرے مقامات پر جوابی کارروائی کر کے ہندوستان کی توجہ وہاں سے ہٹائی اور اس طرح اُسے فائر بندی پر مجبور کر دیا۔ اس کے نتیجے میں دونوں مملکتوں کے نمائندوں کے درمیان جو کانفرنس ہوئی اس میں بھی ہندوستان کی ہٹ دھرمی کے باعث کوئی تصفیہ نہ ہو سکا۔ جیسا کہ بعد میں پتہ چلا کہ ہندوستان نے اس فائر بندی سے یہ فائدہ اٹھایا کہ مزید فوج بطور کمک لے آیا اور پاکستان کے خلاف پہلے سے بڑھ چڑھ کر نفرت انگیز پروپگنڈہ شروع کر دیا۔

ہندوستان کے وزیر داخلہ نے تو یہاں تک دھمکی دی کہ ہندوستان اپنی عظیم طاقت کی نمائش کر کے پاکستان کی عقل ٹھکانے لگا دے گا۔

اگست میں ہندوستانی چپ چاپ ہتھیار یہ جنگل میں گھس آئے اور مشرقی پاکستان کی مشرقی سرحد پر اکھوڑا کے قریب لکشمی پور گاؤں کے ایک حصے پر قبضہ کر کے کھلم کھلا جارحانہ کارروائی کی۔ اس حرکت پر انہیں سزا دینی ضروری تھی۔ میجر طفیل محمد شہید نے چند سپاہیوں کو لے کر بڑی جرأت اور بہادری کے ساتھ ہندوستانیوں سے گاؤں خالی کرا لیا اور انہیں سخت جانی اور مالی نقصان پہنچایا۔ اس معرکے میں میجر طفیل کو اپنی جان کی قربانی دینی پڑی۔

"میجر طفیل اپنے فرض کو مقدس فریضہ سمجھتے تھے"

بریگیڈیئر صاحب داد، پی - ایس - سی

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے جناب بریگیڈیئر صاحب داد صاحب جولائی ۱۹۵۸ء میں ای - پی - آر سے ڈائریکٹر جنرل کی حیثیت سے منسلک ہوئے - بریگیڈیئر صاحب کے زیر انتظام و انصرام معرکۂ لکشمی پور رُونما ہُوا - میری یہ کوشش تھی کہ بریگیڈیئر صاحب سے مل کر معرکے کی تفصیلات حاصل کی جائیں اس سلسلے میں برادرم فلائٹ سارجنٹ خورشید محمد اور قبلہ کیپٹن عبدالرحمٰن صاحب سے بات چیت ہوئی - جناب کیپٹن صاحب نے بریگیڈیئر صاحب سے رابطہ قائم کیا تو انہوں نے ازراہِ نوازش فرمایا: "آپ جس روز چاہیں دفتر تشریف لے آئیں - لیکن آنے سے پہلے فون پر اطلاع دے دیویں" میرا خیال تھا کہ دفتر میں اس سلسلے میں کھل کر بات چیت نہ ہو سکے گی چنانچہ میں کیپٹن صاحب سے یہی درخواست کرتا رہا کہ بریگیڈیئر صاحب سے ان کی رہائش گاہ پر ملاقات کا اہتمام کروا دیجیے - چنانچہ کیپٹن صاحب نے بریگیڈیئر صاحب سے یہی درخواست کی - اس پر بریگیڈیئر صاحب نے فرمایا کہ "رہائش گاہ پر ہی تشریف لے آئیں مگر آنے سے پہلے اطلاع دے دیں تاکہ میں کسی کام کے سلسلے میں باہر

نہ چلا جاؤں"۔ ابھی پروگرام زیر ترتیب تھا کہ ۱۰ ستمبر ۱۹۶۷ء کو "یوم دفاع" کے سلسلے میں بریگیڈیئر صاحب ایک تقریب میں مدعو تھے۔ آپ کو "معرکۂ لکشمی پور" پر تقریر کرنا تھی۔ چنانچہ جناب خورشید صاحب نے اس امر کی مجھے بھی اطلاع اور شرکت کی دعوت دی۔ میں ساڑھے پانچ بجے جناب خورشید صاحب کے پاس لاہور چھاؤنی پہنچ گیا اور وہاں سے ہم دونوں بریگیڈیر صاحب کی رہائش گاہ بنگلہ نمبر ۱۹ شارع ظفر اقبال لاہور چھاؤنی پہنچے۔ چھ بجنے کے قریب تھے۔ بریگیڈیئر صاحب تیار ہو رہے تھے۔ چند منٹ میں بریگیڈیئر صاحب تقریب میں جانے کے لیے باہر تشریف لے آئے۔ اور ہماری مختصر سی ملاقات ہوئی۔ جناب خورشید صاحب نے کیپٹن عبدالرحمٰن کا حوالہ دے کر میرا تعارف کرایا۔ بریگیڈیئر صاحب نے میری کوشش کو سراہا اور ہر ممکن مدد کا یقین دلایا۔ میں تو بریگیڈیئر صاحب کے بارے میں غائبانہ طور پر بہت کچھ سُن چکا تھا۔ کیپٹن عبدالرحمٰن صاحب نے بتایا تھا کہ بریگیڈیر صاحب نہایت ملنسار، خلیق، صاف گو، سادہ اور خدا اور اُس کے رسول کے شیدا ہیں۔ چنانچہ ملاقات کے وقت میں نے ان میں یہ اوصاف بدرجۂ اتم موجود پائے۔

بریگیڈیر صاحب سے ہماری دوسری ملاقات ۲۵ ستمبر ۱۹۶۷ء کو سوا پانچ بجے شام ہوئی۔ خورشید صاحب میرے ہمراہ تھے۔ جب ہم بریگیڈیئر صاحب کی رہائش گاہ پر پہنچے تو آپ اپنی نئی کوٹھی کے نقشہ کے سلسلے میں ایک صاحب سے مصروفِ گفتگو تھے۔ بریگیڈیئر صاحب نے نہایت خندہ پیشانی سے ہمارا استقبال کیا اور بیٹھنے کی دعوت دی۔ آپ اپنی کوٹھی کے باہر لان میں تشریف رکھتے

تھے۔ ہم دونوں کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ تھوڑی ہی دیر میں آپ نے ہم سے پہلے آنے والے ملاقاتی کو اگلے روز کا وقت دے کر رخصت کر دیا۔ اور میری طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے "یہ بتائیے! میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں"؟ میں نے تشکر آمیز لہجے میں معرکۂ لکشمی پور اور میجر طفیل محمد شہید کی شخصیت اور کردار کے بارے میں مختصراً بیان فرمانے کی عرض کی۔ ان چیزوں کے علاوہ بریگیڈیئر صاحب میجر طفیل محمد شہید کی شہادت کے مشرقی پاکستان پر اثرات کا ذکر بھی فرمایا۔ اندھیرا چھا رہا تھا۔ اور مغرب کی نماز کا وقت بھی نکلنا جا رہا تھا۔ ہم نے بریگیڈیئر صاحب سے ۲۷ ستمبر ۱۹۶۷ء کا وقت لیا اور رخصت چاہی۔ بریگیڈیئر صاحب نے بڑے پرخلوص انداز سے ہمیں رخصت کیا۔

۲۷ ستمبر ۱۹۶۷ء کو پونے پانچ بجے میں خورشید صاحب کے ہاں لاہور چھاؤنی پہنچا تاکہ ان کے ہمراہ بریگیڈیئر صاحب سے ملاقات کی جائے۔ خورشید صاحب نے اس امر کی اطلاع فلائٹ سارجنٹ اکبر خان صاحب کو بھی دے دی تھی۔ چنانچہ ہم تینوں ٹیکسی میں سوار ہو کر بریگیڈیئر صاحب کے ہاں ساڑھے پانچ بجے پہنچے۔ بریگیڈیئر صاحب مہمانوں کے ساتھ مصروفِ گفتگو تھے۔ تھوڑی دیر بعد کیپٹن عبدالرحمٰن صاحب بھی اپنے بچوں کے ہمراہ اتفاق سے بریگیڈیئر صاحب سے ملنے کے لیے تشریف لے آئے۔ ان کے بعد بریگیڈیئر کے دوست تشریف لائے۔ آپ بریگیڈیئر صاحب کے بہت قریبی دوستوں میں سے ہیں۔ بریگیڈیئر صاحب داد صاحب باہر تشریف لائے تو معذرت کی کہ مہمانوں کی وجہ سے ہمیں انتظار کرنا پڑا۔ اس کے بعد علیک سلیک ہوئی اور انہوں نے نہایت گرم جوشی سے تمام حاضرین سے

ہاتھ ملایا۔ اور سب حضرات کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ اس کے بعد بریگیڈیئر صاحب مجھ سے فرمانے لگے "بہتر یہ ہو گا کہ آپ سوال کرتے چلے جائیں اور میں ان کا جواب دیتا جاؤں گا۔" آپ کی تجویز بڑی معقول تھی۔ میں نے ای۔ پی۔ آر معرکہ لکشمی پور اور مشرقی پاکستان پر میجر طفیل محمد کی شہادت کے اثرات کے بارے میں مختصر طور پر بیان کرنے کی ان سے درخواست کی۔ کیونکہ دو بار پہلے اس سلسلے میں آپ تفصیلات بتا چکے تھے۔ چند باتیں ایسی تھیں جن کی تصدیق لازمی سمجھتا تھا۔ ان تمام چیزوں کا ذکر "معرکہ لکشمی پور" کے ضمن میں کیا گیا ہے۔

بعد ازاں بریگیڈیئر صاحب نے میجر طفیل محمد شہید کو زبردست خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے آنِ وطن اور اپنا فرض مقدس ادا کرتے اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔ اب میرا فرض تھا کہ ان کو اعلیٰ سے اعلیٰ اعزاز دلواتا چنانچہ میں جنرل ہیڈ کوارٹرز میں اپنے تمام واقف کار افسروں سے ملا۔ فیلڈ مارشل محمد ایوب اکتوبر ۱۹۵۸ء میں صدر مملکت کا عہدہ سنبھال چکے تھے۔ میں ان سے ذاتی طور پر اس سلسلے میں ملا۔ مجھے خوشی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر موقع پر میری رہنمائی فرمائی اور کامیابی سے ہمکنار کیا۔ اور ملک نے انہیں سب سے بڑا عسکری اعزاز "نشان حیدر" عطا کیا۔

بریگیڈیئر صاحب نے جو مفید کارآمد مشورے دیے ان کے لیے میں اُن کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ باتوں باتوں میں جہاں بریگیڈیئر صاحب کا اپنا ذکر آتا تو آپ اپنا نام لینے سے گریز فرماتے تھے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ "نشان حیدر" انہی کی انتھک کوششوں کا نتیجہ ہے۔ بریگیڈیئر صاحب نے ایک انگریزی کتاب

کا حوالہ دیتے ہوئے درج ذیل کہاوت کا ذکر کیا۔ جو میجر طفیل محمد پر بالکل صادق آتی ہے۔

Full many a flower is born to blush unseen,
And waste its sweetness on the desert air
(Thomas Gray)

نیز انہوں نے کہا۔ آپ گلاب کے پھولوں کا پودا لگاتے ہیں۔ اس میں سے پھول اور کانٹے نکلتے ہیں۔ جب پھول اپنے پورے جوبن پر آ کر کھلتا ہے تو اس وقت تک آپ کو اس کی قدر و قیمت کا پتہ نہیں ہوتا۔ پتہ اس وقت چلتا ہے جب آپ اسے اپنے ڈرائنگ روم میں سجاتے ہیں اور اس کی خوشبو سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ میجر طفیل گلاب کا ایک پھول تھے۔ اور اگر میں یہ کہوں کہ بریگیڈیر صاحب داد صاحب نے ان کی قدر و قیمت پہچانی اور ان کی سرکردگی میں انہوں نے ایسا کارنامہ انجام دیا جو ہر انسان کے بس کا روگ نہیں تو بیجا نہیں اسکے بعد بریگیڈیر صاحب نے کہا آپ اگر ڈرائنگ روم میں تشریف فرما ہوں اور باہر چاند اپنی پوری چاندنی پھیلا رہا ہو تو آپ کو کیا معلوم کہ باہر کیا ہے۔ چاند کی چاندنی کا اندازہ تو ڈرائنگ روم سے باہر نکل کر ہی لگایا جا سکتا ہے۔ میجر طفیل ایک چاند تھے۔ بریگیڈیر صاحب داد صاحب نے ان کی چمک دمک کو پہچان لیا اور اس کا نتیجہ آپ سب کے سامنے ہے۔ میجر طفیل محمد مشرقی پاکستان کے افق پر چمکے اور مغربی پاکستان میں ان کو چمکانے کا سہرا آپ لوگوں کے سر ہے۔

اس کے بعد چائے آ گئی۔ چائے کے دوران بھی سوال و جواب کا سلسلہ

جاری رہا۔ بریگیڈیر صاحب داد صاحب نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا :

رینجرز یا فرنٹیئر کور بیس سال میں ایک بھی نشان حیدر پیدا نہیں کر سکی ہیں۔ یہ اعزاز پنجاب رجمنٹ کو حاصل ہے کہ تینوں نشان حیدر کے حامل اس کے افسر اور مغربی پاکستان سے تعلق رکھتے ہیں۔ سب سے پہلے پنجاب رجمنٹ کے افسر کیپٹن محمد سرور شہید نے کشمیر کے محاذ پر جامِ شہادت نوش کیا اور نشان حیدر پایا۔ دوسرے ہمارے قومی ہیرو میجر طفیل محمد شہید ہیں جنہوں نے اپنا خون دے کر مشرقی اور مغربی پاکستان کا اتحاد ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قائم کر دیا۔ اس زمانے میں نشانِ حیدر ملنے پر اتنا شہرہ نہ تھا۔ جتنا میجر عزیز بھٹی کی شہادت کے بعد ہُوا ہے۔ عام لوگوں کو تو یہ معلوم نہ تھا کہ نشان حیدر کیا ہے۔ بعض لوگ پوچھتے تھے کہ کیا نشانِ حیدر وکٹوریہ کراس کے برابر ہے۔ وکٹوریہ کراس تو انگریزوں کا اعزاز ہے اسے مقدس "نشان حیدر" سے بھلا کیا نسبت ہو سکتی ہے!

زیادہ شہرت نہ ہونے کی دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ مشرقی پاکستان مغربی پاکستان سے ایک ہزار میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ مغربی پاکستان میں اس معرکے (معرکہ لکشمی پور) کی تفصیلات نہ پہنچیں۔ سرسری طور پر معدودے چند اخبارات نے لڑائی کی خبر شائع کی اور بعض نے میجر طفیل محمد شہید اور جمعدار محمد اعظم خان شہید کو علی الترتیب نشانِ حیدر اور ستارۂ جرأت ملنے کی خبر بھی دی اور بس ان دنوں تو صرف پی۔ آئی۔ اے کے سپر کانسولیشن ہی مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے درمیان رابطہ قائم کرنے کا واحد ذریعہ تھے۔ بریگیڈیر صاحب نے جناب سلطان شعیب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ شعیب صاحب میجر شہید

کے جگری دوست تھے۔ آپ انہیں ضرور ملیں۔ مشرقی پاکستان میں جتنی یادگاریں قائم ہوئی ہیں وہ سب جناب سلطان شعیب کی انتھک کوششوں کا نتیجہ ہیں۔ بریگیڈیر صاحب نے بتایا کہ میں مشرقی پاکستان میں صرف چار سال رہا۔ اس عرصے میں میری جو عزت و توقیر ہوئی وہ الفاظ میں بیان نہیں کی جا سکتی۔ بلکہ اگر میں یہ کہوں کہ میری جتنی عزت افزائی مشرقی پاکستان میں ہوئی اتنی مغربی پاکستان میں نہیں۔ میرے وہاں سے چلے آنے کے بعد بھی لوگ مجھے یاد کرتے ہیں۔ اخبارات میں تو یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ "یوم طفیل" کے موقع پر اخبارات کے خصوصی ایڈیشن شائع ہوتے ہیں اور میجر طفیل محمد اور جمعدار اعظم خان شہید کو بالخصوص اور ای۔پی۔آر کو بالعموم زبردست خراج عقیدت پیش کیا جاتا ہے۔

بریگیڈیر صاحب نے ایک واقعہ بیان کیا جس سے پتہ چلتا ہے کہ مشرقی پاکستان کے لوگوں کے دلوں میں ای۔پی۔آر اور اس کے جوانوں کے لیے زبردست جذبہ محبت موجود ہے۔ بریگیڈیر صاحب نے بتایا کہ مشرقی پاکستان سے چند افسر پاکستان ایڈمنسٹریٹو سٹاف کالج لاہور میں تربیت کے سلسلے میں تشریف لائے۔ ایک روز سیر و تفریح کے لیے پروگرام تربیت دیا جا رہا تھا۔ مغربی پاکستان کے افسروں نے چھانگا مانگا جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ لیکن مشرقی پاکستان کے افسروں نے کہا ہم تو وہاں جا کر پکنک منائیں گے۔ جہاں ای۔پی۔آر کے جوان سرحدوں کی حفاظت کر رہے ہیں۔

وقت کافی گزر چکا تھا۔ مگر محفل ایسی جمی تھی کہ اٹھنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے بریگیڈیر صاحب سے میجر شہید کی سیرت اور کردار کے بارے میں چند

ایک سوال پوچھے ۔

س ۔ "میجر طفیل محمد شہید کا بحیثیت مسلمان کیا مرتبہ تھا؟ میں نے سوال کیا ۔

ج : بریگیڈیئر صاحب کا چہرہ تمتما اٹھا اور وُہ فرمانے لگے "میجر طفیل محمد بہت اچھے مسلمان تھے ۔ وُہ نہایت نیک انسان ۔ اور بے شمار خوبیوں کے مالک تھے ۔ وُہ نہایت دیانت دار تھے ۔ دنیاوی لہو ولعب سے انہیں کوئی رغبت نہ تھی ۔ ورنہ جہاں سمگلروں اور سمگلنگ کی روک تھام جیسا کام ہو وہاں انسان پیسے کے لالچ میں بہت کچھ کر لیتا ہے ۔ لیکن انہوں نے کبھی سوچنا تو در کنار اس طرف دیکھا بھی نہیں ۔ ایسے افسر کا ہونا میرے لیے باعثِ فخر تھا ۔ وُہ اعلیٰ اخلاقی اقدار کے مالک تھے ۔

س ۔ "جناب، میجر طفیل محمد شہید کا ایک افسر کی حیثیت سے کیا مقام تھا؟" میں نے پوچھا ۔

ج ۔ "میجر طفیل محمد کا فوجی اقدار کا معیار بہت بلند تھا ۔ انہوں نے بے شمار کورس پاس کیے تھے ۔ اور تقریباً ہر کام میں ماہر تھے ۔ وُہ میرے ایک افسر تھے ۔ مجھے ان پر فخر ہے ۔ ایسے افسر پر تو سب کو فخر کرنا چاہیئے"

اور جب میں نے بریگیڈیئر صاحب سے پوچھا کہ میجر شہید ایک دوست اور ساتھی کی حیثیت سے کیسے تھے ؟ تو انہوں نے کیپٹن عبدالرحمٰن صاحب کی طرف

اشارہ کرکے فرمایا۔ اس سوال کا جواب ان سے پوچھیے۔ یہ اس سلسلے میں بہت کچھ جانتے ہیں۔ میں نے شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ کیپٹن صاحب سے اس سلسلے میں ملاقات ہو چکی ہے اور ان کے میجر شہید کے بارے میں تاثرات کتاب کی زینت بن چکے ہیں۔

س : میجر طفیل محمد شہیدؒ کی شہادت کی خبر سن کر آپ کے کیا اثرات تھے میں نے آخری سوال، کیا۔

ج : اس پر بریگیڈیر صاحب نے بتانا شروع کیا کہ جب مجھے میجر شہیدؒ کے زخمی ہونے کی خبر ملی تو مجھے بہت دکھ ہوا۔ اس امر کا پتہ مجھے ایک پیغام رساں کے ذریعے مل گیا تھا۔ انہوں نے کومیلا ہسپتال میں شہادت پائی۔ مجھے دکھ اس بات کا تھا کہ میں ایک اعلیٰ اقدار کے حامل فوجی افسر سے محروم ہو گیا تھا۔ لیکن خوشی اس بات کی تھی کہ انہوں نے جو کہا اسے کر کے دکھایا اور شہادت کا بلند مرتبہ پایا۔ وہ میرے ایک افسر تھے۔ اب میرا اخلاقی فرض تھا کہ میں ان کو اعلیٰ سے اعلیٰ اعزاز دلواتا۔ مجھے یہ کہتے ہوئے مسرت ہے کہ حکومت پاکستان نے ان کی قدردانی کی اور انہیں ملک کے سب سے بڑے عسکری اعزاز، "نشان حیدر" سے نوازا۔ مجھے طفیل پر فخر ہے۔ قوم کو بھی اس پر فخر کرنا چاہیئے۔

شہادت کے اثرات مشرقی پاکستان میں :

میجر طفیل محمد کی شہادت کے مشرقی پاکستان پر دور رس اثرات ہوئے۔

سب سے پہلا اثر یہ ہُوا کہ مشرقی پاکستان کے لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ ان کی سرحدیں محفوظ ہیں - ان کا جان و مال محفوظ ہے۔ جن لوگوں کے ہاتھوں میں قیادت ہے وہ مرنا جانتے ہیں - آڑے وقت میں پیچھے نہیں ہٹیں گے بلکہ بطریقِ احسن ہماری حفاظت کریں گے۔ میجر صاحب کی شہادت سے پہلے لوگ ای۔ پی۔ آر میں آنے سے ڈرتے تھے مگر شہادت کے بعد یہ تاثر ختم ہو گیا اور کسی نے نہ پوچھا کہ ہمارا روپیہ محفوظ رہ سکے گا، ہمارے کارخانے اور کاروبار کا کیا بنے گا۔ ہمارے جان و مال کی حفاظت کون کرے گا۔

۔بریگیڈیر صاحب نے فرمایا میجر طفیل محمد کی شہادت کا دوسرا اثر یہ ہُوا کہ ای۔پی۔ آر کی تنظیم اور اسے منظم کرنے کا کام اسی روز . . . میجر شہید کی شہادت کے روز انجام پا گیا - ورنہ بصورت دیگر شاید یہ کام میں چار سال میں بھی نہ کر پاتا - انہوں نے بتایا کہ لوگوں میں جب مر کر زندہ رہنے کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت انہیں نہیں مار سکتی - انہوں نے جرمنی، چین اور دیگر ممالک کی مثالیں بیان کیں -

میجر طفیل محمد کی شہادت کا تیسرا اثر یہ ہُوا کہ مشرقی پاکستان کے لوگوں کو پتہ چل گیا کہ میجر طفیل محمد نے اپنا خون دے کر مغربی اور مشرقی پاکستان کی جغرافیائی دوری کو ختم کر کے اتحاد کا رشتہ ہمیشہ کے لیے استوار کر دیا ہے اور اب

مشرقی پاکستان کے لوگوں کے دلوں میں میجر طفیل محمد شہید کے لیے بیحد محبت موجود ہے۔ وہاں بے شمار یادگاریں قائم ہو چکی ہیں۔ ہر سال "یومِ طفیل" بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے جس میں لاکھوں کی تعداد میں لوگ شرکت کرتے ہیں۔

بریگیڈیر صاحب داد صاحب نے بتایا کہ تین سال سے یہ کوشش جاری تھی کہ چیف سکریٹری ملیں۔ جب ہندوستان نے معرکۂ لکشمی پور میں منہ کی کھائی اس کے ۳۷ کے قریب آدمی مارے گئے اور میجر دیو برمن (کار آزمودہ سپاہی، مہاراجہ تری پورہ کا چچازاد بھائی) بھی قیدی بنالیا گیا تو مہارانی بہت خفا ہوئی اور اس نے غصّے سے کہا اگر تم تری پورہ کی حفاظت نہیں کر سکتے تو ہم پاکستان کے ساتھ مل جاتے ہیں۔ چنانچہ کانفرنس سے پہلے دوستانہ اور سازگار ماحول پیدا کرنا لازمی تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دیگر قیدیوں سمیت میجر دیو برمن کو بھی چھوڑنا پڑا۔ رہائی سے قبل جب تک وہ ہمارا قیدی رہا۔ میری کوارٹر گارد میں رہا۔ رخصت کے وقت میجر دیو برمن نے مجھ سے سگریٹ مانگا اور جب کسی دوسرے افسر نے میجر طفیل محمد شہید کے بارے میں اس کے تاثرات پوچھے تو اُس نے جواب دیا۔

"طفیل نہایت بہادر اور نڈر جوان تھا۔ میری زندگی اس مردِ مومن کی مرہونِ منت ہے۔ جس نے کہا تھا کہ قیدی پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے گا۔"

اس کے علاوہ بریگیڈیئر صاحب نے بتایا کہ ای۔ پی۔ آر ہیڈکوارٹرز میں میجر دیو برمن کی پی کیپ، پستول اور کچھ ایل۔ ایم۔ جی اور سٹین گنیں موجود ہیں۔

۷۸۶

میجر جنرل فضل مقیم خان
ستارۂ پاکستان، ستارۂ قائداعظم
آرڈیننس ہاؤس واہ کینٹ

۷ ستمبر ۱۹۶۷ء

محترمی۔ السلام علیکم

آپ کا خط مورخہ . . . . مجھے مل گیا تھا۔ مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی کہ آپ تینوں مشہور شہیدوں پر ایک کتاب لکھ رہے ہیں۔ میں ذاتی طور پر طفیل محمد کو نہیں جانتا تھا لیکن میرے ایڈمنسٹریٹو افسر لیفٹیننٹ کرنل محمد افضل (ریٹائرڈ) ان کو اچھی طرح جانتے تھے میری درخواست پر انھوں نے آپ کے سوالات کے جواب لکھ دیے ہیں۔ وہ ارسالِ خدمت ہیں۔

خاکسار

فضل مقیم

شہید کا اٹھنا، بیٹھنا حتیٰ کہ بات کرنا بھی ایک ضابطے کے تحت ہوتا تھا"

لیفٹیننٹ کرنل محمد افضل

سیالکوٹ جنوری ۱۹۷۰ء میں جب کہ شہید ۱۶ پنجاب رجمنٹل سنٹر میں ٹریننگ افسر کے عہدے پر متمکن تھے۔ درمیانہ قد۔ گٹھا ہوا جسم۔ مسکراتی ہوئی آنکھیں۔ خاموش طبیعت۔ بات چیت میں متانت اور گہرائی ایک ایسا انسان جس کی واحد دلچسپی پاکستانی فوج تھی۔

بالکل مطابق۔ بطور ٹریننگ افسر اور رفیق کے اُن کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اگر کبھی کوئی غلطی ہو جاتی تو اُس کے پورے خلوص سے اعتراف کر لیتے تھے۔

دوران ملازمت میں مجھے صرف چھ ماہ کے قریب شہید کے ساتھ سیالکوٹ سنٹر میں اکٹھے رہنے کا موقع ملا ہے۔ فطرتاً کم گو ہونے کی وجہ سے اُن سے اکثر بات کرائی جاتی تھی۔ جو پھر پھرا کر جوانوں کی سکھلائی پر آ کر ختم ہوتی تھی۔

وقت کی پابندی اُن کا شیوہ تھا۔ خلوص اور محبت جیسے کسی نے کوٹ کوٹ کر بھر دی ہو۔ اگر کسی بات کا وعدہ کر لیا تو پورا کرنے کے بعد وعدہ لینے والے کو بتانا فرض سمجھتے تھے۔ یاد دہانی کا موقع شاذ ہی کبھی دیا ہو گا۔ اکثر کسی گہری سوچ میں

مستغرق نظر آتے تھے

شہید ایک مکمل فوجی افسر تھے۔ جن کا اٹھنا بیٹھنا حتیٰ کہ بات کرنا بھی ایک ضابطے کے تحت ہوتا تھا۔ اگر کوئی رائے دیتے بھی تھے تو اس میں جان اور وزن ہوتا تھا اور ان کی رائے کو احترام سے سنا جاتا تھا۔

بطور ٹریننگ آفیسر وہ شب و روز ٹریننگ کو دلچسپ اور بہتر بنانے میں کوشاں نظر آتے تھے۔ بالخصوص چاند ماری پر جو کہ فوجی ٹریننگ کا نچوڑ سمجھا جاتا ہے بہت زور دیتے تھے اور چاند ماری کے دوران میں وہ بذات خود ایک ایک ریکروٹ کی نگرانی کرتے تھے۔ اس دوران میں اُن کا رویہ اپنے ریکروٹوں کے ساتھ ایک شفیق باپ کا سا ہو جاتا تھا۔ جان بوجھ کر غلطی کرنے والے کو کبھی معاف نہیں کرتے تھے۔

فوج کے بعد اُن کی دوسری بڑی دلچسپی مذہبی رسائل اور کتابوں کا مطالعہ ہوا کرتا تھا۔ صوم و صلوٰۃ کے سختی سے پابند تھے۔

پاکستان کا ایک نیک اور مخلص باشندہ اور ایک بہت اچھا فوجی افسر اپنے مالک حقیقی سے جا ملا۔ لکشمی پور میں انہوں نے جس طرح دشمن کا مقابلہ کرتے ہوئے شہادت کا رتبہ حاصل کیا۔ وہ کوئی غیر متوقع نہیں تھا۔

*

مجھے یقینِ کامل ہے کہ میری حکومت اور میرے متعلقہ اکابرین سلطنت میرے حقوق کو ہر لحاظ سے محفوظ رکھیں گے۔"



میجر محمد جان (ریٹائرڈ)

میجر صاحب موصوف سے میجر طفیل محمد شہید کے ماموں زاد بھائی جناب محمد افضل کی ملاقات ۶ ستمبر ۱۹۶۷ء کو یومِ دفاع پاکستان کی تقریب منعقدہ ساہیوال میں ہوئی۔ جناب محمد افضل نے میجر طفیل محمد شہید کے نام پر "شارعِ طفیل" کے افتتاح کے سلسلے میں مذکورہ بالا تقریب میں شرکت کی۔ بندہ نے ان سے درخواست کی تھی کہ میجر بندہ شہید پر ایک کتاب مرتب کر رہا ہے لہٰذا براہ کرم وہ اپنے تاثرات سے نوازیں۔ ملاقات کے دوران جناب محمد افضل نے میجر محمد جان صاحب کی خدمت میں ایک سوالنامہ بھی پیش کیا۔ انہوں نے بکمال مہربانی جواب سے سرفراز فرمانے کا وعدہ کیا۔ چنانچہ

ایفائے عہد کرتے ہوئے میجر جان محمد صاحب نے اپنے تاثرات قلم بند کر کے بندہ کو ارسال کیے۔ میجر صاحب موصوف نے لکھا :

۶ ستمبر ۱۹۶۷ء کے یومِ دفاعِ پاکستان کی تقریب منعقدہ ساہیوال میں ایک صاحب سے معلوم ہُوا کہ آپ میجر طفیل محمد شہید "نشانِ حیدر" پنجاب رجمنٹ، فاتح لکشمی پور کے متعلق ایک کتاب تحریر فرما رہے ہیں - ان بزرگوں نے ایک سوال نامہ بھی دیا - مطالعے کے بعد یہی مناسب سمجھا کہ ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں میجر صاحب موصوف کے متعلق دو تین واقعات آپ تک پہنچا دوں جو کہ میں نے خود اپنے کانوں سے میجر طفیل محمد صاحب سے سنے تھے۔ میری رائے میں ان واقعات کا میجر صاحب کے کردار پر بہت اثر تھا - کردار بھی ایسا کہ بالآخر انہیں زندۂ جاوید بنا گیا۔

بندۂ عفی عنہ انڈین آرمی میں وائی کیڈٹ کی حیثیت سے ہونہار وائی کیڈٹ، طفیل محمد صاحب کے متعلق ذکر اذکار سنتا رہا کرتا تھا۔ عالمی جنگ عظیم دوم میں افسر بن کر انفنٹری سکول ساگر میں ان سے ملاقات ہوئی - بعد ازاں قیامِ پاکستان پر ہم دونوں ایک ہی بٹالین یعنی موجودہ تیرہ پنجاب رجمنٹ میں پوسٹ کیے گئے - یہ سلسلہ ۱۹۵۷ء تک رہا - جبکہ میں پنشن پر آگیا اور میجر طفیل محمد صاحب اپنی یونٹ کے ساتھ پور بو پاکستان تشریف لے گئے - پاکستان کے اس حصے میں معرکہ لکشمی پور میں ان کی کارکردگی سے پورے پاکستان کا بچہ بچہ بخوبی واقف ہے۔

متعلقہ واقعات حسب ذیل ہیں۔

واقعۂ اوّل :

اگست ۱۹۵۱ء میں سنبھڑیال ایریا میں تمبو ڈٹینٹ، میں بیٹھے ایک روز میجر طفیل محمد صاحب

نے ایک گھریلو واقعہ سنایا۔ فرمانے لگے :"ابتدائے شباب میں ایک دفعہ میں سردیوں میں رخصت پر گھر گیا۔ میرے والد صاحب جو بہت عمر رسیدہ بزرگ تھے قدرے علیل تھے۔ صحت یاب ہونے پر ایک صبح باہر تشریف لائے۔ حسب معمول شوخ رنگ کے قیمتی جامے زیب تن تھے۔ باہر کھیتوں میں گھومنے پھرنے کا ارادہ تھا۔ مجھے بھی ساتھ چلنے کو کہا۔ میں ساتھ ہو لیا۔ جیسے ہی ہم چند سو گز دور نالے کے کنارے پہنچے تو کیا دیکھتا ہوں کہ ہمارے مویشی میرے والد صاحب کو دیکھ کر ان کی طرف سرپٹ دوڑے چلے آ رہے ہیں۔ جونہی نزدیک پہنچے سبھی ایک گھیرے کی شکل میں ارد گرد کھڑے ہو گئے۔ آبا بزرگوار نے باری باری ہر ایک کے سر کو تھپتھپایا اور ہر ایک سے پیار کی باتیں کیں۔ اس پر سبھی مطمئن ہو کر واپس ہٹ کر چرنے چگنے میں مصروف ہو گئے۔ ایک دو سالہ جھوٹی (نوعمر بھینس) وہیں کھڑی رہی۔ آبا بزرگوار پھر اس کے پاس گئے۔ پیار کیا۔ ہتھیلی سے اس کا چہرہ اوپر اٹھایا اور فرمانے لگے :"بچی! تمہاری بیماری کا مجھے پورا علم ہے۔ دوا دارو جو ممکن تھا۔ وہ کیا گیا ہے۔ لیکن تقدیر کے سامنے کوئی تدبیر کارگر نظر نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ تمہارا نگہبان رہے"! جیسے ہی آپ اس سے الگ ہوئے وہ بھینس وہیں گری اور اللہ کو پیاری ہو گئی۔

میجر صاحب نے فرمایا کہ اس واقعہ سے انہیں اپنے والد بزرگوار کی بزرگی کا صحیح اندازہ ہوا۔ مویشیوں تک کے ساتھ ان کا مشفقانہ برتاؤ میرے لیے ہمیشہ کے لیے مشعلِ راہ بن گیا۔ نیز مسئلہ تقدیر بھی حقیقت بن کر سامنے آگیا۔

اسی خاندانی تقدس، ذات باری تعالیٰ پر بھرپور یقین اور تقدیر پر کامل بھروسے کا مظاہرہ لکشمی پور میں ہوا اور ایک مجاہد کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو کر اسے حیات ابدی

دے گیا۔

واقعۂ دوم :

غالباً اگست ۱۹۵۶ء کا ذکر ہے کہ بندہ ایک روز میجر طفیل محمد صاحب کا انفنٹری سکول کوئٹہ میں مہمان تھا۔ آپ ان دنوں وہاں کے "ویپن ونگ" کے چیف انسٹرکٹر تھے۔ دوپہر کے وقت جب تشریف لائے تو قدرے متفکر نظر آئے۔ کھانا بھی نہ کھایا۔ تھوڑے وقفہ کے بعد جب وجہ معلوم کی گئی تو فرمانے لگے: آج ایک جوان ڈیمانسٹریشن کے دوران شہید ہوگیا ہے۔ پورے انتظامات کا جائزہ لینے کے بعد معلوم ہُوا کہ یہ کسی بندوبستی خامی کی وجہ سے نہیں ہُوا ہے۔ جوان کی ذرا سی لاپرواہی اور سنتری کی "پٹھانی نشانہ بازی" اس بے وقت موت کا سبب بنی۔ ہُوا یہ کہ جوان نے اپنے مورچے میں دوسرے جوان کے ساتھ اپنی جگہ بدلنے کی کوشش کی۔ ٹارگٹ اس کے ہاتھ میں تھا۔ دوران حرکت وُہ قدرے نیچا ہو گیا اور جوان تھوڑا اوپر اُبھرا۔ ٹوچی سکاؤٹ کے پٹھان سنتری نے ایک ہزار گز سے یہ حرکت دیکھی اور گولی ٹارگٹ پر داغ دی۔ گولی ٹارگٹ کے نچلے حصّے کو پار کر کے جوان کے سر سے گزر گئی اور وُہ وہیں اللہ کو پیارا ہوگیا۔

سوچتا ہوں ایسا نشانہ باز سنتری کیوں مقرر کیا۔ یہ جوان اگر دفاع پاکستان کرتا ہُوا کسی محاذ پر شہید ہوتا تو کتنا اچھا ہوتا!

اس سے یہ واضح ہوگیا کہ میجر طفیل محمد شہیدؒ اپنے جوانوں کے متعلق کتنا دردِ دل رکھتے تھے اور ایک پاکستانی فوجی کے مقصد اعلیٰ یعنی دفاع پاکستان کو کس قدر

اہم گردانتے تھے - بالآخر اپنی جانِ عزیز کو اسی مقصدِ اعلیٰ کی نذر کرکے پوربو پچھمی پاکستان کی ہوائی دیواروں کو مسمار کرتے ہوئے حیات جاوداں پا گئے - ؎

بنا کردند خوش رسمے بہ خاک وخون غلطیدن

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

واقعۂ سوم :

جون ۱۹۵۷ء کے آخری ہفتے کا واقعہ ہے ہماری ۱۲ - پنجاب رجمنٹ مالاکنڈ میں اپنی صد سالہ جوبلی منا رہی تھی - بندہ بھی ژوب ملیشیا سے وہاں مدعو تھا - میجر طفیل محمد بٹالین کے سیکنڈ - ان - کمانڈ تھے اور بے حد مصروف تھے - اختتام جوبلی والے روز انہیں ایڈوانس پارٹی کے ساتھ پوربو پاکستان بھی جانا تھا - اسی شام کو بندہ ان سے ملنے گیا - فرصت کے چند لمحوں میں ان سے دریافت کیا کہ آیا آپ اپنی خضدار (قلات ڈویژن) والی زمین کا جو کہ آپ نے چند اور سینئر افسروں سے مل کر لی تھی، کوئی بندوبست کر چلے ہیں - فرمانے لگے: "محترمی! اس چلاچل کی اہم فوجی خدمت کے دوران میں بھلا کہاں موقع ملتا ہے کہ یکسوئی سے ذاتی کاموں کی طرف توجہ دی جائے - خدمتِ ملک کی خاطر اگر مجھے اپنے مسائل حل کرنے کے لیے کوئی وقت نہیں ملتا ہے تو بلا سے نہ ملے - مجھے یقین کامل ہے کہ میری حکومت اور میرے متعلقہ اکابرینِ سلطنت میرے حقوق کو ہر لحاظ سے محفوظ رکھیں گے۔"

اس قدر فرض شناسی اور نفیٔ ذات کی مثالیں قرونِ اولیٰ میں تو شائد ملتی ہوں گی مگر اس زمانے میں بھی یہ خصوصیات آپ کی ذات میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔

مندرجہ بالا تین واقعات میں سے دو واقعات کا تعلق مشاہدہ و بیان ماہ اگست سے ہے اور میجر طفیل محمد صاحب کی عظیم قربانی بھی اسی مہینے میں ہوئی۔ بیشک اس عظیم شخصیت کا قریبی لگاؤ ہمارے عظیم ملک، دولت خداداد پاکستان سے تھا جو کہ اسی معروف مہینے میں معرضِ وجود میں آیا تھا۔

*

اگر وطن کی محبت میں میدانِ جنگ میں کام آجاؤں تو میں اپنے آپ کو بہت خُوش بخت سمجھوں گا"

میجر محمد عثمان

"میجر طفیل بڑا فرض شناس افسر تھا۔ فوجی محاورے میں وہ "رجمنٹل سولجر" تھا سیدھا سادا سپاہی، قوی ہیکل، نڈر، جری اور دھن کا پکا، فرض کی ادائیگی سے اس نے کبھی خود منہ چرایا اور نہ اپنی زیر کمان جوانوں کو کبھی چرانے دیا۔ وطن کی محبت اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ اگر وطن کی محبت میں میدان جنگ میں کام آجاؤں تو میں اپنے آپ کو بہت خوش بخت سمجھوں گا۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کی دعا قبول ہوگئی اور اُسے آخر شہادت کا درجہ نصیب ہُوا"۔

*

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۲ر جون　　　　نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

مکرمی جناب شاہد صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا خط ملا۔ جس میں آپ میجر محمد طفیل شہید کے حالات کے بارہ میں مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔ آپ کل بروز منگل مورخہ ۱۳ر جون کو شام کے ۶ بجے مجھے مل سکیں تو ٹھیک ہوگا۔ ورنہ ۱۴ر جون کو صبح ۸ بجے تشریف لائیں میرا بنگلہ Ordinance Estates میں ہے۔ صدر اور ڈیری فارم کے درمیان ہے۔ اگر آپ فون کرنا چاہیں تو نمبر ۶۹۷۴۱۵ آرڈیننس ڈپو ہے۔ میں بھی آپ کو فون پر وقت کی تبدیلی کی اطلاع دوں گا۔ (بشرط ضرورت)

والسلام

خاکسار

عبدالرحمٰن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مکرمی جناب حنیف شاہد صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

طفیل محمد صاحب شہید مرحوم کے حالات کے سلسلہ میں
آپ کو زیادہ مواد مہیا نہیں کر سکا۔ جو کچھ یاد تھا تحریر
کر دیا ہے۔

بریگیڈیر صاحب داد صاحب سے ملاقات کا انتظام
اسی ہفتہ انشاءاللہ ہو جائے گا۔ بذریعہ فون اطلاع دونگا

والسلام

خاکسار

عبدالرحمٰن

یکم اگست ۶۷ء

"وہ اسلامی احکام کے سختی سے پابند تھے"

کیپٹن عبدالرحمٰن



۱ - میں اپریل ۱۹۳۲ء میں فوج میں بطور سپاہی بھرتی ہو کر میرٹھ چھاؤنی میں ۲/۱ پنجاب رجمنٹ کی بی کمپنی اور پلاٹون نمبر ۵ میں شامل ہوا - اُس زمانے ریکروٹ ٹریننگ قریباً ۹ ماہ کے لیے ہوا کرتی تھی - اُس کے بعد وہ گروپ کسی پلٹن میں مستقل طور پر بھیج دیے جاتے تھے -

مجھ سے قریباً ایک ماہ بعد طفیل محمد صاحب سپاہی بھرتی ہو کر ہماری کمپنی اور پلاٹون میں شامل ہو گئے - اُن دنوں تعلیم یافتہ جوان فوج میں زیادہ نہیں ہوتے تھے جب مجھے معلوم ہوا کہ طفیل محمد صاحب اچھے تعلیم یافتہ ہیں - تو دل میں بہت خوش ہوا کہ ایک سمجھ دار آدمی سے مل کر وقت گزارنے کا موقع ملے گا - پھر جب یہ معلوم

ہُوا کہ وُہ باقاعدہ نماز پڑھتے ہیں۔ تو طبیعت جلد ہی اُن سے مانوس ہو گئی۔ ہم ایک ہی بارک میں رہتے تھے۔ ہر وقت کا ساتھ تھا۔ پریڈ ہو یا کھیل کا میدان لنگر میں کھانے کا وقت ہو یا کبھی بازار جانا ہو تو اکثر مل کر جایا کرتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ وُہ اسلامی احکام کے سختی سے پابند تھے۔ زیادہ باتیں کرنا انہیں پسند نہ تھا۔ بلکہ ایسے آدمیوں سے بھی علیحدہ رہنا پسند کرتے تھے۔ اپنے دینی و دنیاوی فرائض کو ہمیشہ مقدم رکھتے تھے۔ دوستوں کا حلقہ محدود تھا۔ ہنس مکھ تھے لیکن اگر کبھی کوئی لغو بات کرتا تو اعلانیہ نفرت کا اظہار کر دیتے تھے۔ اپنے ساتھیوں کی بہت عزت کرتے تھے۔ لیکن خودداری کو ہمیشہ مقدم رکھتے تھے۔ عام طور پر کسی کا احسان اٹھانا پسند نہ کرتے تھے۔ لیکن اگر کوئی احسان کر دیتا تو اس کا بدلہ اُتارنے کی بہت کوشش کرتے تھے۔

۲ - حقیقت یہ ہے کہ میں بعد میں جب بھی انہیں ملا۔ پہلے سے زیادہ بہتر پایا۔ کیونکہ دوستی بے لوث تھی۔ بناوٹ کا دخل نہ تھا۔ ایک دوسرے کو اچھی طرح پرکھ چکے تھے۔ دنیاوی خواہشات زیادہ نہ تھیں۔ زندگی کے لمبے چوڑے پروگرام نہ تھے۔ اطمینان حاصل تھا۔ کسی سے نفرت نہ تھی۔ اپنے دوستوں میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

۳ - اس زمانے میں انگریز افسر زیادہ پڑھے لکھے اور قابل جوانوں کو پسند نہ کرتے تھے۔ جو انہیں زیادہ ابھرتا نظر آتا تھا۔ اُسے زیادہ دبا دیتے تھے۔ کوئی اخبار پڑھنے کی اجازت نہ تھی۔ اُن دنوں انگریز کانگریس سے بہت ڈرتے تھے۔ اگر کسی کے خلاف بدلہ لینا ہوتا تھا۔ تو صرف اتنا کہہ دیتا کہ وُہ کانگریسی خیالات رکھتا ہے۔ کافی تھا۔

اُسے فوج سے فوراً ڈسچارج کر دیتے تھے۔ ایسے حالات میں آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ صلاحیتوں کے جوہر کیا دکھائے جا سکتے تھے۔

شہید مرحوم کو اپنے فوجی فرائض کی احسن طور سے بجا آوری، نماز کی ادائیگی اور چند دوستوں سے مل کر وقت گزارنے کے علاوہ کوئی شغل نہ تھا۔

۴ - میں ۱۹۳۶ء میں اُن سے الگ ہو کر ایک دوسرے محکمہ میں تبدیل ہو گیا تھا۔ کمیشن ملنے کے بعد اوائل ۱۹۴۷ء میں میری تبدیلی سیالکوٹ ہوئی۔ اُن دنوں شہید مرحوم ۱۶ پنجاب میں ایجوٹنٹ کپتان تھے۔ ہر ایک دوسرے کو دوستانہ حیثیت سے ملتے تھے۔ اُن کی فوجی خدمات کا کوئی واقعہ یاد نہیں۔

۵ - شہید مرحوم کی دوستی بے لوث تھی۔ اُن کے دوستوں کا حلقہ محدود تھا۔ لیکن ایک دفعہ جس سے تعلقات قائم ہو گئے تھے، زندگی بھر اُسے نبھایا۔ اکثر دوستوں کا کام کرنے میں خوشی محسوس کرتے تھے۔ لیکن خود دوسروں سے سوال کرنا ناپسند تھا۔

۶ - مجھے انہیں افسر کی حیثیت سے دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔ صرف دوست کی حیثیت سے دیکھا۔

۷ - اپنے والدین کے حد سے زیادہ فرمانبردار تھے۔ بلکہ زندگی کا اولین مقصد ان کی خدمت اور فرمانبرداری سمجھتے تھے۔ جب اُن کے والد صاحب فوت ہو چکے تھے تو ایک دفعہ مجھے خط میں لکھا کہ میری زندگی کا سکون والدہ صاحبہ کی زندگی کے ساتھ ہے۔ اُس کے بعد خدا جانے کیسے گزرے گی۔ اُن کا ایمان تھا کہ والدہ صاحبہ کی دعاؤں کے طفیل اللہ تعالیٰ مجھے دین و دنیا میں سرخرو کرے گا اپنے

بہن بھائیوں اور دوسرے رشتہ داروں کی بہت مدد کرتے تھے۔

۸ - ۹ - شہید مرحوم نیک۔ مخلص اور ہمدرد انسان تھے۔ پکے مسلمان۔ نماز روزہ کے پابند۔ حتی المقدور بنی نوع انسان کی خدمت کرنے والے۔ لیکن اصول یہ تھا۔ کہ " اوّل خویش بعد درویش "

۱۰ - مندرجہ باتوں کے متعلق میں کچھ عرض نہیں کر سکتا۔ اس نقطہ نگاہ سے مجھے انہیں دیکھنے کا خیال کبھی نہیں آیا تھا۔

۱۱ - ویسے تو بہت یادیں ہیں لیکن وُہ قابلِ تحریر نہیں ہیں۔ صرف ایک واقعہ تحریر کرتا ہوں۔

فوجی انقلاب سے پہلے کا ذکر ہے۔ کہ ایک دفعہ ہم دونو کشمیر کے متعلق تبادلہ خیالات کر رہے تھے۔ میں نے کہا کہ کشمیر لڑ کر ہم ہندوستان سے نہیں لے سکتے اور صلح سے ہمیں کوئی دے گا نہیں پھر اس کا فیصلہ کیسے ہو گا۔

شہید مرحوم نے میرا سوال سن کر کہا۔ بعینہٖ یہی سوال میں نے خواجہ ناظم الدین صاحب سے جن دنوں وُہ وزیر اعظم تھے، پوچھا تھا پھر انہوں نے پُورا واقعہ سنایا۔

" خواجہ صاحب کبھی کبھی آرام کرنے کے لیے گلگت جایا کرتے تھے۔ میں اس عرصہ میں وہاں سکاؤٹس کی کمانڈ کر رہا تھا۔ خواجہ صاحب ہمارے پاس ہی ٹھہرتے تھے اُن کی طبیعت میں زیادہ تصنع نہ تھی۔ اس لیے کھل کر باتیں کرنے کا موقعہ مل جاتا تھا۔ ایک دفعہ ہم دونوں ہی تھے تو باتوں باتوں میں یہی سوال میں نے خواجہ صاحب سے کیا۔ خواجہ صاحب فرمانے لگے۔

" طفیل میاں۔ جب پاکستان کا مسئلہ قائداعظم نے پیش کیا تو ہمارا یہی خیال تھا

کہ قائداعظم جب اس مسئلہ پر زیادہ دباؤ ڈالیں گے تو ہندو ہمیں زیادہ حقوق دینے پر رضامند ہو جائیں گے۔ ورنہ بظاہر یہ ناممکن نظر آتا تھا کہ ہندوستان کے دو حصے ہو جائیں گے اور دنیا کے نقشہ پر پاکستان ایک نیا ملک نظر آئے گا۔ قائداعظم کہتے تھے کہ پاکستان ضرور بنے گا لیکن ہمیں یقین نہیں تھا۔ خدا تعالیٰ کو ایسا ہی منظور تھا۔ انگریز اور ہندو کی مخالفت اور ہماری کمزوریوں کے باوجود پاکستان بن گیا۔ اسی طرح میرا ایمان ہے کہ ہماری بے سروسامانی کے باوجود اللہ تعالیٰ ایسے حالات پیدا کر دے کہ کشمیر پاکستان کو مل کر رہے گا اللہ تعالیٰ ہماری کمزوریوں کو دور کر دے گا"

یہ واقعہ شہید مرحوم نے سنایا تھا جو تحریر کر دیا ہے۔

۱۲ - شہادت کی خبر سن کر پہلے تو سخت صدمہ محسوس کیا کہ ایک دوست جوانی کے عالم میں ہمیشہ کے لیے جُدا ہو گیا۔ اُن کی بیوی۔ لڑکی۔ والدہ۔ بھائی اور دیگر لواحقین پر اس کا بہت اثر پڑے گا۔ لیکن تھوڑی دیر بعد مجھے خوشی محسوس ہونے لگی کہ طفیل نے ہمیشہ کی زندگی حاصل کر لی۔ اپنے خون کا آخری قطرہ تک اپنے ملک کے لیے قربان کر کے شہادت کا درجہ پایا ہے۔ موت کا وقت تو مقرر ہے۔ ہر حالت میں آنی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کے ہر فرد کو ایسی دائمی زندگی حاصل کرنے کی توفیق دے۔ ایسے ہی خیالات کا لمبا سلسلہ جاری ہو گیا۔ اور غم خوشی میں بدل گیا۔

افسر ہو یا جوان سبھی انہیں "استاد جی" کہہ کر پکارتے تھے"

چوہدری نیاز علی



چوہدری نیاز علی صاحب سے میری ملاقات ۷۔ اگست کو ہوئی تھی۔ چوہدری صاحب میجر طفیل محمد شہیدؒ کے قریبی رشتہ داروں میں سے ہیں۔ چوہدری صاحب نے فوج میں کارہائے نمایاں انجام دیے۔ آج کل نیشنل گارڈز کے کمپنی کمانڈر اور لبور لوالہ یونین کمیٹی نمبر ۴۱ کے چیئرمین ہیں۔ رشتہ دار ہونے کی وجہ سے چوہدری صاحب کو میجر طفیل محمد شہید سے قریبی تعلق رہا ہے۔ اس لحاظ سے انہوں نے میجر طفیل محمد شہیدؒ کو مختلف پہلوؤں سے دیکھا ہے۔ چوہدری صاحب کو یہ اعزاز

حاصل ہے کہ میجر طفیل محمد شہیدؒ نے ایک لحاظ سے ان کی پرورش کی اور ۳۱ اکتوبر ۱۹۳۷ء کو فوج میں بھرتی کروایا۔ چوہدری صاحب کا کہنا ہے کہ میجر شہیدؒ صبح کے ناشتے کے وقت عموماً انہیں اپنے ناشتے میں سے مکھن اور دوسری اشیاء مجبور کر کے کھلاتے تھے۔ کنبہ پروری کے علاوہ غریب پروری میجر شہید میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ چوہدری سے ایک مختصر سی ملاقات ہوئی تھی اس لیے میجر شہید کے بارے میں بالتفصیل معلومات فراہم نہ ہوسکیں۔ اس بنا پر چوہدری صاحب کی خدمت میں ایک سوالنامہ پیش کیا جس کے جوابات ازراہِ کرم چوہدری صاحب نے مرحمت فرمائے۔ جو ہدیۂ قارئین کیے جاتے ہیں۔

میری پہلی ملاقات میجر طفیل محمد شہید، نشانِ حیدر سے ۱۹۳۶ء میں سیکنڈ پنجاب رجمنٹ جالندھر چھاؤنی میں ہوئی۔ اس وقت میجر صاحب اپنی کمپنی میں لیس نائک اور سکول ماسٹر کے عہدہ پر فائز تھے۔ میرا پہلی ملاقات میں یہ تاثر تھا کہ ہندو، سکھ اور مسلمان ملازم فوج میں بہترین صلاحیتوں سے متصف تھے اس وقت بھی ان کا عقیدہ صحیح اسلامی جذبہ سے بھرپور تھا۔ اور اسی جذبہ کے تحت مجھے فوج کی ملازمت کا شوق پیدا ہوا۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ میں بھی فوجی ملازمت کرنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا۔ "تمہاری عمر ایک سال کم ہے" بعد ازاں ۳۱ اکتوبر ۱۹۳۷ء کو مجھے ہوشیار پور جا کر اسی یونٹ میں بھرتی کروا دیا اور بھرتی کروا کر میرٹھ چھاؤنی بھیج دیا۔ اپنے دوست افسران سے کہہ دیا۔ کہ یہ میرا عزیز ہے۔ اسے اچھی طرح ٹریننگ دینا۔

ٹریننگ کے بعد میں ۲۵ دسمبر ۱۹۳۸ء کو لاہور پہنچا۔ اس وقت میجر

شہید ایجوکیشن ٹریننگ کے سلسلے میں پچ مری گئے ہوئے تھے۔ ہماری یونٹ میاں میر چھاؤنی سے تبدیل ہو کر چھاؤنی منزتی چلی گئی۔ میجر شہید اپنا کورس ختم کرنے کے بعد منزتی پہنچے۔ وہاں جو انگریز افسر سیکنڈ لیفٹیننٹ بھرتی ہو کر آئے تھے وُہ اُردو نہیں جانتے تھے۔ میجر صاحب اس یونٹ کے سکول کے انچارج مقرر ہو گئے اور ترقی کر کے حوالدار بن گئے اور ہماری اے کمپنی کے پلاٹون کمانڈر کی حیثیت سے تعینات ہوئے۔ انگریز افسر یا ہندوستانی افسر اور جوان سب انہیں "استاد جی استاد جی" کہہ کر پکارتے تھے۔ پانچوں وقت نماز باجماعت پابندی سے ادا کرتے اور جب وُہ عبادت میں مشغول ہوتے تو انگریز افسر اکثر بڑی دلچسپی سے دیکھا کرتے اپنی ڈیوٹی کے سخت پابند تھے اور نماز کی ادائیگی کے سلسلے میں سب سے پہلے مسجد میں تشریف لے جاتے۔

وُہ خود محنت کرتے اور دوسروں کو محنت و مشقت کی تلقین فرماتے تھے یہی وجہ ہے کہ وُہ ۱۹۳۲ء میں سپاہی بھرتی ہوئے اور اپنی صلاحیتوں کے بل بوتے پر ترقی کرتے کرتے میجر کے اعلیٰ عہدے پر پہنچے۔

میجر صاحب نے بے شمار کورس پاس کیے۔ فوجی تربیت کے دوران ایجوکیشن کورس ہوتا یا ویپنز کورس یا فیلڈ انجینئرنگ کورس وُہ سب کورسوں میں اوّل آتے رہے اور سیکنڈ پنجاب رجمنٹ کا نام روشن کرتے رہے۔ کرنل صاحب انچارج ہمیشہ دفتر میں بلا کر آپ کو مبارک باد اور سرٹیفکیٹ عطا فرماتے رہے۔ میجر صاحب اپنی تربیت کے ساتھ ساتھ مجھے بھی تربیت دیتے اور ترقی دلاتے رہے۔ میجر صاحب بے شمار صلاحیتوں کے مالک تھے۔

جنوری ۱۹۴۰ء میں میجر شہید وانا Wana چھاؤنی میں جمعدار اور فروری ۱۹۴۰ء میں صوبیدار بنے۔ بعد ازاں کمیشن کے لیے ڈیرہ دون چلے گئے۔ کمیشن حاصل کرنے کے بعد ڈیرہ دون سے واپسی پر آپ کی تعیناتی ۱۶ پنجاب میں ہو گئی۔ اس وقت تمام لوگ محسوس کرنے لگے تھے کہ یہ بہت اچھے عہدہ پر پہنچیں گے۔ چنانچہ تمام چھوٹے افسر اور جوان آپ کے لیے دعائیں مانگتے تھے کہ میجر صاحب کا تقرر ان کی یونٹ میں ہو۔ مگر وہ ۱۶ پنجاب یونٹ کی تربیت کے لیے مامور ہوئے اور ۱۹۴۲ء میں کیپٹن ہو گئے۔ بعد ازاں ایڈجوٹنٹ مقرر ہوئے پھر ۱۹۴۳ء میں بحیثیت انسٹرکٹر وینپنز ٹریننگ سکول ساگر (بھارت)، میں ان کا تقرر عمل میں آیا بندہ جب حوالدار ہو کر وہاں گیا تو ان کو پہلے سے بھی زیادہ اسلامی جذبہ سے سرشار پایا۔

میجر صاحب اپنی ملازمت کے دوران بہترین دوست تھے۔ مثلاً گلگت میں میجر صاحب ۱۹۴۹-۱۹۵۰ء میں سکاؤٹس کمانڈنٹ تھے تو اعلیٰ سویلین افسر بھی ان کی دوستی کا دم بھرتے تھے۔ اور شام کو ان کی کوٹھی پر کافی مجمع رہتا تھا۔ پاکستان آرمی میں آ کر وہ ہر وقت جذبۂ خدمت سے سرشار رہتے تھے۔

میجر صاحب اعلیٰ افسر ہونے کے باوجود اپنے ماتحتوں سے نہایت خوش خلقی سے پیش آتے تھے اور اپنے ماتحتوں کی ترقی کے خواہاں رہتے تھے۔

مجھے چونکہ ان کے خاندان کا ایک فرد ہونے کا شرف حاصل ہے اس لیے میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ ہمارے تمام خاندان اور برادری میں میجر صاحب سے بڑھ کر کوئی فراخ دل اور زندہ دل نہ تھا۔ مثلاً ان کے اولاد نرینہ نہ تھی اور خود وہ

جوان تھے مگر اپنے چھوٹے بھائی اقبال محمد کے لڑکے محمد اختر کو اعلیٰ تعلیم کے لیے گھوڑا گلی کالج میں داخل کروایا اور تمام اخراجات خود برداشت کرتے رہے محمد اختر وہاں دس سال تک زیر تعلیم رہا۔ میجر صاحب کی پرورش اور تربیت کا ثمرہ ہے کہ محمد اختر آج کل ۱۶۔ پنجاب میں کیپٹن کے عہدہ پر فائز ہیں اور اپنے ملک کے دفاع میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

میجر صاحب بہت بڑے انسان دوست تھے۔ وُہ دوسروں کے کام آتے اور اس قدر خوشی اور راحت محسوس کرتے کہ بیان سے باہر ہے۔ ان کا عقیدہ تھا۔ ع

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

میجر صاحب جب بھی رخصت پر گھر آتے تھے۔ غریب غرباء، یتامیٰ اور بیوگان کے گھروں میں جا کر حسبِ توفیق ان کی امداد کرتے تھے اور بعض کے تو وظائف بھی مقرر کر رکھے تھے۔ انسانی خدمت کے جذبہ سے اس قدر سرشار تھے کہ جب کوئی غریب یا امیر انہیں ملنے کے لیے آتا وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر استقبال کے لیے پانچ سات قدم آگے بڑھتے اور اگر کسی وقت کوئی ملازم گھر میں موجود نہ ہوتا تو خود پانی وغیرہ پلاتے بلکہ اگر کوئی مہمان حقہ شوق فرماتا تو حقے کی چلم بھی خود ہی بھر کے پیش کرتے۔ مہمانوں کی خاطر تواضع کے بعد جب وہ سو جاتے تو فارغ ہو کر عبادت میں مصروف ہو جاتے۔ حتیٰ کہ ساری ساری رات عبادت میں گزار دیتے تھے۔ رخصت کے ایام میں تو یہ عالم ہوتا کہ اپنے والد مرحوم کے مزار

پر ایک ایک دن میں پورا قرآن پاک ختم کر دیتے تھے۔

میجر صاحب کو سیاست سے کافی لگاؤ تھا۔ اور اس میں بڑی دلچسپی رکھتے تھے۔ ۱۹۵۲ء میں ڈسٹرکٹ بورڈ الیکشن کے لیے ساری برادری نے اُن کے چھوٹے بھائی اقبال محمد کو چنا مگر وُہ فرمانے لگے کہ نیاز علی اقبال محمد سے زیادہ موزوں ہے۔ بعدازاں برادری کے اصرار پر اقبال محمدؐ ہی نے الیکشن لڑا اور کامیاب ہوئے۔ میجر صاحب کو گھوڑ سواری کا بہت شوق تھا۔ زمینداری سے کافی دلچسپی رکھتے تھے۔ جو خط بھی گھر تحریر فرماتے تمام تفصیلات سے آگاہی حاصل کرتے۔ ٹیوب ویل سکیم کے تحت سب سے پہلے انہوں نے ہی ٹیوب ویل لگایا۔

میجر صاحب کے ساتھ کافی عرصہ تعلق رہا۔ میجر صاحب کا سب سے پہلے علی الصبح نماز کے لیے جگانا اور پھر شام کے وقت کھیل کود کے لیے ساتھ لے جانا۔ یہی ہمارے لیے باعثِ فخر تھا۔ میجر کی ایک ہی بچی تھی۔ ان کی بیوی میجر صاحب کی والدہ کی سگی بھتیجی تھی۔ انہوں نے ایک ہی شادی کی اور اپنی والدہ صاحبہ کی خوشنودی کی خاطر اچھے گھرانوں اور اعلیٰ افسروں کے اصرار کے باوجود دوسری شادی نہیں کی۔

میجر صاحب کی شہادت کی اطلاع سب سے پہلے مجھے بوریوالہ میں بذریعہ فون ملی۔ مگر ہمیں یقین نہیں آتا تھا۔ چونکہ اطلاع میں یہ تھا کہ اُن کی میت مشرقی پاکستان سے بذریعہ ہوائی جہاز لاہور آ رہی ہے۔ اس لیے آپ لاہور پہونچ جائیں۔ لہٰذا میں اور چوہدری نیاز احمد (شہید کے ماموں) لاہور

روانہ ہو گئے۔ ان کے گھر اطلاع بھیج دی۔ راستے میں ہم بار بار یہی کہتے تھے:

"اللہ پاک نے ان کو ان کی خواہش کے مطابق رتبہ دیا ہے۔ ہم لوگوں کا تو خیر اب اللہ ہی حافظ ہے۔"

لاہور

۱۶ ستمبر ۱۹۶۷ء

ایم حنیف شاہد صاحب

السلام علیکم

آپ کا خط ملا - یاد آوری کا شکریہ!

میرے لیے باعثِ فخر ہے کہ میرے الفاظ بھی آپ کی مبارک کتاب 'نشانِ حیدر' کی زینت بن سکتے ہیں میں سوالنامے کا جواب ساتھ بھیج رہا ہوں - میری ایلبم میں میجر طفیل محمد شہید کی چند یادگار تصویریں ہیں - اگر آپ کو ضرورت ہو تو بیشک ملاحظہ فرمائیں - میں ان کی مزید کاپیاں کروا دوں گا - ویسے تو شاید آپ کو اور بھی تصویریں مل گئی ہوں گی - اگر مناسب سمجھیں تو مجھے ٹیلیفون کر لیں - شام کے وقت ۵ بجے سے ½۷ بجے میں گھر پر ہوتا ہوں یا دن کے وقت ٹیلیفون کر کے میرے لیے پیغام چھوڑ دیں - اگر آپ نہ آ سکیں - تو میں خود ایلبم لے کر حاضر خدمت ہو جاؤں گا - میں اور بھی کوئی خدمت کر سکوں تو حاضر ہوں - اپنی ایک تصویر بھی حاضر ہے -

والسلام

رشید

لاہور

۲۹ ستمبر ۱۹۶۷ء　　　　حنیف شاہد صاحب

السلام علیکم

اُمید ہے آپ بخیریت ہوں گے۔
کل شاید آپ نے ٹیلیفون بھی کیا تھا۔ متعلقہ فوٹو مل گئی ہیں۔ بذریعہ ڈاک بھیج رہا ہوں۔ ساتھ دو خطوط بھی ارسال ہیں۔ اُمید ہے آپ یہ خطوط بعد میں واپس کر دیں گے۔ میں صبح ڈھاکہ جا رہا ہوں جنرل مظفر الدین صاحب سے بھی عرض کروں گا کہ آپ کے سوالنامے کا جواب بھجوا دیں میرے لائق جو بھی خدمت ہو۔ مطلع فرمائیں۔
ہو سکے تو اس کی Progress سے مطلع فرماتے رہیں۔

والسلام

رشید

شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے



جناب ڈاکٹر محمد رشید چوھدری

یوں تو میں نے بچپن ہی سے میجر طفیل محمد شہید کے متعلق سن رکھا تھا۔ کیونکہ ہم دونوں کا آبائی وطن ضلع ہوشیار پور تھا اور ہمارے گاؤں ۶ میل کے فاصلے پر تھے۔ جب ۱۹۴۰-۴۲ء میں میں مرے کالج سیالکوٹ میں تعلیم حاصل کر رہا تھا تو اس وقت مجھے ان کے متعلق مزید معلومات حاصل ہوئیں اور جن لوگوں سے شہید کا براہِ راست تعلق تھا وہ سب ان کی تعریف کرتے تھے۔

شہید سے میری پہلی ملاقات جولائی ۱۹۴۹ء میں گلگت میں ہوئی۔ جون

۱۹۴۹ء میں میں نے ایم۔ بی۔ بی۔ ایس کیا۔ گلگت ایجنسی کے لیے چار والنٹیئر ڈاکٹر مانگے گئے تھے۔ جس پر میں نے بھی اپنے آپ کو Voluntarily پیش کیا اور میجر طفیل محمد شہید کی گلگت میں اس وقت موجودگی میرے لیے ایک بہت بڑا۔ Incentive تھا۔ گلگت جانے سے قبل میں نے اپنی آمد کی اطلاع ان کو دے دی تھی۔ جب میں گلگت کے ہوائی اڈہ پر پہنچا تو مخلص دوست کی طرح انہوں نے میرا استقبال کیا اور خوشی سے بغل گیر ہوئے اور مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں اپنے بڑے بھائی کے پاس پہنچ گیا ہوں۔ پہلی ملاقات کے بعد مجھے یقین ہو گیا کہ جو کچھ میں نے ان کے متعلق سن رکھا ہے وُہ اس سے بھی زیادہ اوصاف کے مالک ہیں۔ میرا پہلا تاثر ان کے بارے میں یہ تھا کہ وُہ بڑے دوست پرور۔ مہمان نواز اور وطن پرست انسان ہیں۔

بعد میں مَیں نے اُن کو بالکل اپنے تاثر کے مطابق پایا۔

تربیت کے دوران میں شہید کے ساتھ شریک کار نہیں تھا۔ اس لیے مجھے کوئی قابلِ ذکر واقعہ یاد نہیں۔

کمیشن ملنے پر میں نے ان کو انتہائی فرض شناس پایا اور امید یہی تھی کہ وُہ بوقت ضرورت دشمن کے سامنے آہنی دیوار بن کر کھڑا ہو جائے گا۔

شہید کے ساتھ میں جولائی ۱۹۴۹ء سے لے کر ۱۹۵۱ء تک رہا۔ اس دوران میں کوئی تین چار ماہ کا عرصہ ہم نے فرنٹ لائن یعنی لائن پر گزارا ہمارا کیمپ "منی مرگ" میں تھا۔ اس میں کئی دفعہ انڈین کمانڈر کے ساتھ ملاقاتیں ہوئیں۔ حالانکہ مخالفوں کا کمانڈر کرنل ہُوا کرتا تھا لیکن میجر طفیل محمد شہید

نے کبھی یہ محسوس نہ ہونے دیا کہ وہ انڈین کمانڈر سے کسی کم حیثیت کے مالک ہیں۔ اس دوران میں مَیں نے میجر طفیل محمد شہید کو ایک سچا دوست اور خیر خواہ ساتھی پایا۔ جب کبھی پاکستان کے متعلق کوئی سوال پیدا ہوتا تھا تو ان کے دل میں ایک بہت بڑی امنگ اٹھتی تھی اور اپنے آپ کو ہر قربانی کے لیے پیش کرنے میں سب سے آگے ہوتے تھے۔

بطور افسرِ وہ سخت Discipline رکھتے تھے اور وقت کی پابندی ہر حالت میں کرتے تھے۔ اپنے ماتحت عملہ اور دیگر احباب سے حسنِ سلوک کے ساتھ پیش آتے تھے۔ علاوہ ازیں میں نے دیکھا کہ وہاں دگلگت کی ، سویلین آبادی اکثر فوجی افسروں کو پسند نہیں کرتی تھی۔ مگر میجر طفیل محمد شہید وہاں کی آبادی سے خاصے گھل مل گئے تھے اور عام لوگ ان کو احترام کی نگاہوں سے دیکھتے تھے اور شہید کی خاطر وہ تقریباً ہر کام سرانجام دینے کے لیے آمادہ ہو جاتے تھے۔

شہید کو اپنے خاندان کی سربلندی کا بڑا خیال رہتا تھا۔ خصوصاً ان کے والد بزرگوار جو کہ ان دنوں زندہ تھے ان کا بہت ہی خیال رکھا کرتے تھے۔ نہایت باقاعدگی سے اپنے والد بزرگوار کو خط لکھا کرتے تھے اور جب تک جواب نہیں آتا تھا ان کی خیریت کی بابت بے تاب رہتے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد جب چھٹی لے کر اپنے گھر جاتے تھے تو سب سے پہلے اپنے والد بزرگوار کے لیے کوئی قیمتی تحفہ خریدنے کی کوشش کرتے تھے۔

شہید ایک بڑے خیر خواہ ۔ درد مند ۔ متقی اور پرہیزگار انسان تھے۔ غُربا کی مدد کرنے میں بڑی خوشی محسوس کرتے تھے اور اپنی تنخواہ کا خاصا حصہ رفاہی کاموں پر خرچ کیا کرتے تھے۔

شہید ایک مسلمان کی حیثیت سے نہایت ہی اونچے انسان تھے۔ صوم وصلوٰۃ

کی سختی سے پابندی کرتے تھے۔ سفر پر جب جانے لگتے تھے تو اپنا سامان پیک کرنے کے لیے سب سے پہلے نماز کی چٹائی اُٹھاتے تھے۔ بڑی سے بڑی رکاوٹ کے باوجود بھی وُہ اپنی نماز قضا نہیں ہونے دیتے تھے۔

مطالعہ کا انہیں بڑا شوق تھا۔ اکثر بڑے بڑے بہادر اور نڈر لیڈروں کی کتابیں اپنے پاس جمع رکھتے تھے۔ فوجی جرنیلوں کی کتابوں کا مطالعہ ان کے نزدیک ایک عزیز ترین مشغلہ تھا۔ فوٹوگرافی کا بھی ان کو خاصا شوق تھا۔ کبھی کبھی شکار کھیلنے کے لیے بھی نکل پڑتے تھے۔

جن دنوں گلگت میں میرا قیام تھا۔ سخت برف باری ہو رہی تھی۔ ہر رات چھ سات فٹ برف پڑتی تھی۔ ہم کمرے میں کوئلہ جلا کر اس کی تپش پر بیٹھے باتیں کرتے رہتے تھے۔ گفتگو کے دوران میں جب کبھی ملک کی خدمت کا سوال پیدا ہوتا تو ان کی ہمیشہ یہ دلی امنگ ہوتی تھی کہ کسی طرح اپنے ملک کی خاطر اپنی زندگی نچھاور کر دیں۔

ان کے ساتھ کچھ عرصہ منسلک رہنے کے بعد انہی کی بدولت میں نے اپنی کامیابی کے نئے نئے راستے منتخب کیے۔

دسمبر ۱۹۵۵ء میں میں انگلینڈ تعلیم حاصل کرنے کے لیے چلا گیا تھا۔ اس دوران میں میری شہید کے ساتھ خط و کتابت رہی۔ شہید ہونے سے کچھ عرصہ قبل انہوں نے ایک اوورکوٹ کی فرمائش کی۔ میں نے بصد شوق اس فرمائش کی تکمیل کر دی اور یہ اوورکوٹ ان کے ایک افسر کی معرفت پاکستان میں اُن کے پاس بھیج دیا۔ ان کی شہادت کی خبر پا کر ایک دل خراش صدمہ ہُوا۔ اپنی زندگی میں ایک خلا محسوس کرنے لگا مگر صرف ایک ہی خیال سے اپنے ٹوٹے ہوئے دل کو جوڑتا ہوں اور وُہ یہ خیال ہے کہ پہلے انہوں نے مجاہد کا درجہ پایا اور پھر

جامِ شہادت نوش کیا اور خالق حقیقی سے جا وصال کیا۔ ان کی زندگی ہماری آئندہ نسلوں کے لیے مشعل راہ ہے۔ اس کی زندگی کی تقلید ہی سے ہم باعزت اور باوقار زندگی گزار سکتے ہیں۔

"شہید کی جو موت ہے وُہ قوم کی حیات ہے"۔

*

وہ آزادیٔ کشمیر کے نمبر ایک علمبردار تھے

قائدِ ملت چوہدری غلام عباس مرحوم

یہ امر مسلمہ ہے کہ جب تک انسان کا کسی دوسرے شخص سے تعلق یا واسطہ نہ رہا ہو۔ اس وقت تک وہ اس کے بارے میں کوئی صائب رائے یا تاثر قائم نہیں کر سکتا۔ میجر طفیل محمد شہید کے برادر خورد جناب اقبال محمد نے ایک دفعہ اشارۃً ذکر کیا کہ میجر شہیدؒ کی ملاقات اغلباً گلگت میں جناب چوہدری غلام عباس سے ہوئی تھی۔ اس لیے بہتر یہ ہو گا کہ چوہدری غلام عباس صاحب سے رابطہ قائم کیا جائے تاکہ وہ میجر شہید کے بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار فرماویں۔ چنانچہ چوہدری صاحب کو ان کے راولپنڈی کے پتہ پر ایک عریضہ تحریر کیا گیا۔ چوہدری صاحب آزاد کشمیر میں قیام پذیر تھے۔ راولپنڈی سے خط آزاد کشمیر پہنچا تو چوہدری صاحب نے از راہِ لطف و کرم فرمایا :

"آپ کا خط ملا۔ بہت بہت شکریہ !

مجھے دلی افسوس ہے کہ میں آپ کے ارشاد کی تعمیل سے اس لیے قاصر ہوں کہ میجر طفیل محمد شہید مرحوم و مغفور سے میں بالکل متعارف نہ تھا۔ ان کے برادر خورد اقبال محمد صاحب کو اس سلسلہ میں غلط فہمی ہوئی ہے۔ ورنہ میں بسر و چشم اور بطور فرض "نشانِ حیدر" یہ خدمت قومی سر انجام دیتا اور اس سے مجھے دلی خوشی اور اطمینان ہوتا۔

۱۹۵۰ء میں گلگت کے دورہ کے سلسلہ میں ایک دوست میجر طفیل محمد صاحب سے ملاقات ہوئی تھی لیکن ظاہر ہے کہ وہ اگر اس وقت ریٹائر نہیں ہوتے تو کرنل یا بریگیڈیر ضرور ہوں گے "۔

چوہدری صاحب کے خط سے معلوم ہوا کہ انہیں میجر شہید کے شہادت کے بارے میں شائد علم نہ تھا۔ چنانچہ بندہ نے انہیں دوبارہ ایک عریضہ ارسال خدمت کیا جس میں تمام صورتِ حال بالتفصیل بیان کی۔ اس کے جواب میں جناب چوہدری صاحب نے جس محبت، شفقت اور خلوص کا مظاہرہ فرمایا وہ نہایت قابلِ ذکر اور قابلِ قدر ہے۔ انہوں نے تحریر کیا۔

۷۸۶

دھیر کوٹ (آزاد کشمیر)

براستہ کوہالہ۔

۹ ستمبر، ۶۷ء

محترمی چوہدری صاحب!

السلام علیکم - آپ کا خط ملا۔

میجر طفیل شہید مرحوم سے استور (گلگت) میں غالباً ۱۹۵۰ء میری بالکل مختصر سی ملاقات ہوئی تھی۔ میں معہ رفقاء کار صرف ایک دن استور ٹھہرا تھا اور اُس رات سرکاری حیثیت سے ہی مرحوم نے ہماری دعوت کی تھی اور کھانے کے دوران ہی اُن

سے بات چیت کا موقع مل سکا۔ میں نے دورانِ گفتگو ان کے متعلق یہ رائے قائم کی جس کو میں آج تک تبدیل نہ کر سکا کہ وہ بے حد خلیق، شریف النفس، محبِ وطن اور آزادی کشمیر کے نمبر ایک علمبردار تھے بلکہ کشمیر کے سلسلہ میں اُن میں ایک قسم کا مخصوص قلبی درد تھا غالباً یہی وجہ تھی اور ان کی حب الوطنی کا یہ نتیجہ تھا کہ خداوند کریم نے اپنے کرم سے ان کو شہادت کا بہت بلند مرتبہ عنایت فرمایا۔

اُن کی شخصیت نے مختصر سی ملاقات میں مجھے اس قدر متاثر کیا کہ میں اُن کو کبھی بھول نہ سکا۔

نیاز مند

غلام عباس

*

معرکہ لکشمی پور

شب کی تاریک فضاؤں میں نہاں زیست کی آس
دیدۂ انجم گردوں سے عیاں خوف و ہراس
چشم مردانِ مجاہد میں شہادت کا خمار
رہِ شبخون میں چمکتی ہوئی تلوار کی دھار

یوں بڑھا دستہ جوانوں کا بسوئے اعدا
جس طرح بڑھتا ہے سیلابِ بلا کا دھارا
یہ مجاہد یہ سپاہی یہ جوانانِ وطن
یہ مہکتے ہوئے گلہائے گلستانِ وطن

چند جاں باز مگر صدق و صفا کے پیکر
عزم و قربانی و تسلیم و رضا کے مظہر
شیر کی مثل وہ دشمن کی صفوں پر ٹوٹے
شورِ تکبیر سے کفار کے چھکے چھوٹے

تھا وہاں لشکر جرار، لگی تھی توپیں
بیٹھے بنکر میں تھے اشرار، گڑی تھی توپیں
بسکہ بارود کے انبار تھے، خندق تھی وہاں
ہر قدم پر تھا جوانوں کو شہادت کا گماں۔

پھر بھی بڑھتے گئے جاں بازِ بلا خوف و خطر
خدمتِ دین و وطن میں تھے وہ سب سینہ سپر
پتہ دشمن کا ہُوا پانی جو گولے برسے
ہوئے اوسان خطا برقِ فنا کے ڈر سے
جاں نثاروں کا وُہ سالارِ جواں سال طفیل[۱] رح
لشکرِ پاک میں تابندہ گہر مثلِ سُہیل
سرو قد، خندہ جبیں، ہوش و خرد کا مالک
نرم گفتار، جری، جد و جہد کا مالک
جنگ میں طاق مگر حلم و حیا کی تصویر
مردِ بے باک مگر صدق و صفا کی تفسیر
وُہ بڑھا آگے اور اک سمت گرینیڈ پھینکا
ہُوا مجروح مگر توڑ کے بنکر[۲] لوٹا
گرتے گرتے جو نظر ڈالی تو اعظم[۳] کے لگا
دشمنِ دیں کی گڑی توپ کا خونیں گولا
صاحبِ عزم نے پھر اور گرینیڈ پھینکا
یوں ہمیشہ کے لیے توپ کا منہ بند کیا

۱؎ میجر طفیل محمد شہید نشانِ حیدر
۲؎ بنکر Bunker
۳؎ جمعدار محمد اعظم شہید ستارہ جرأت

پکا دشمن کا کمانڈر تو ٹنگڑی ماری
گرچہ تھے زخم کئی جسم جری پر کاری
خود کو پھینک کے زخمی کیا چہرہ اس کا
جس سے ساتھی کا بڑے موذی سے پیچھا چھوٹا
موت کی گود میں لیٹے ہوئے احکام دیے
آگ کے زغے میں گرتوں کے قدم تھام لیے
شیر سوتا تھا گھِرا نعشوں میں دشمن کی وہاں
جیسے سویا ہو پڑا چاہ میں ماہ کنعاں
آج وہ ہم سے بہت دور ہے لیکن پھر بھی
یاد سے اس کی درخشاں ہے دلوں کی وادی
اس کے سانسوں کی مہک اب بھی چمن زار میں ہے
اس کے نغمات کی گونج آج بھی کہسار میں ہے
خون سے نخلِ محبّت کو ہرا کرتے ہیں
یہ شہیدانِ وطن مر کے جیا کرتے ہیں
ملّت افراد کے ایثار سے پاتی ہے حیات
ہو نہ ایثار تو ہر فرد ہے اک شاخِ نبات
ہے شہادت ہی اسلام کا رنگین اندام
ہے شہادت ہی حیات ابدی کا پیغام
رونا نرگس کا نہیں گرم نگاہی کے لیے
رقصِ پروانہ نہیں آبلہ پائی کے لیے

شمع جلتی ہے کہ محفل میں اجالا ہو جائے
غنچہ کھلتا ہے کہ بلبل کا مداوا ہو جائے

جب چلی باد بہاری تو گلستان مہکا
دل ہوا داغ تو لالہ سرِ گلشن دہکا

ملت افراد کی کثرت سے نہیں بنتی ہے
شان و شوکت سے، امارت سے نہیں بنتی ہے

ہے نہاں جذبۂ ایثار میں طاقت اس کی
شوقِ بے باک میں پوشیدہ ہے قوت اس کی

اپنی منزل کا یقین شوق بڑھا دیتا ہے
رہِ پُر خار کو گلزار بنا دیتا ہے

زخم کھانے میں مزہ ملتا ہے دیوانے کو
جان دینا ہے بھلا لگتا ہے پروانے کو

اک جواں مرد فقط قوم و وطن کی خاطر
اپنی پاکیزہ زمیں، پاک چمن کی خاطر

جا کے پنجاب سے بنگال میں جاں دیتا ہے
قوم کو دشمنِ ایماں سے اماں دیتا ہے

اے طفیل! آج تری یاد سے دل ہیں روشن
خون سے تیرے ہوا رنگین وطن کا گلشن

تو نشان قوم کی ہشیاری و بیداری کا
تو جرس لشکرِ اسلام کی تیاری کا

آج روشن ہیں تری یاد سے ملت کے چراغ
آج ہر دل میں درخشاں ہیں تری چاہ کے داغ
لکشمی پور کا ہے یہ معرکہ تاریخ کا باب
جاں نثاری و جواں مردی و جرأت کی کتاب

(سکواڈرن لیڈر ایم۔ ایچ صفدر)

بشکریہ "ہلال"

*

"طفیل محمد"

ایم حنیف شاہد

اے مجاہد نشان حیدر کی عزت تجھ سے ہے
ملک و ملت کی بلندی و عظمت تجھ سے ہے
تیری ہمت و جرأت باعث صد افتخار ہے
تو وطن کے افق کا اک روشن مینار ہے
تیری ہمت سے ہیں پائندہ وطن کے مرغزار
تو نے ظلمت کی فضاؤں کو کیا ہے تار تار
تو نے دشمن کے ارادے مٹی میں ملا دیے
لگا کر ضرب حیدری سب کافر لکشمی پور سے بھگا دیے
کر کے قبضہ پاک زمین پر پرچم ہلالی لہرا دیے

پور بو پاکستان میں تیرا جو چرچا ہوا
لازم ہے یاں بھی ہو اس سے سوا
فلک سے لے کر عرش تک تیری عظمت ہے بلند
گیت گاتے ہیں تیری شجاعت کے پتھاریہ و سندربن

تیری رفعت بیکراں ہے تیرا وہ رنگ جلال
کانپ نہ اٹھے ترے نعرے سے دشمن کی کیا مجال
تیری جرأت وشجاعت سے فضا میں ارتعاش
تجھ پہ امداد علی ہے اور رحمت پروردگار
تو نے وطن کو جان دی اس نے "نشان حیدر" دیا
شاہد کا بھی ہو بھلا بہ طفیل محمد و پروردگار

*

طفیل شہیدؒ

طفیل قوم و وطن کا وقار بن کے رہا
گلوں کا رنگ چمن کی بہار بن کے رہا
سحر کا نور شبوں کا نکھار بن کے رہا
وطن کا قوم کا تو جان نثار بن کے رہا
ملا کے خاک میں چھوڑا غرور دشمن کا
تو کامیاب تھا تو کامگار بن کے رہا
تو مرد غازی جری جاں نثار بن کے رہا
لہو بہا کے سینچا وطن کے ذرّوں کو
وطن کا ناز دلوں کی پکار بن کے رہا
طفیلؔ قوم کو ہر روز یاد آئے گا
جو تیرا خون بہا ہے وہ رنگ لائے گا

(خدیجہ طاہر کوکب خلیل عرب)

*

ذیل میں ایک بنگالی کتاب بعنوان "اے نوہے کاہانی" (یہ داستان نہیں ہے) کی ایک کہانی کا اُردو ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔ یہ کتاب ایسٹ پاکستان سکول ٹیکسٹ بک بورڈ کی طرف سے ۱۹۶۷ء کے تعلیمی سال کے لیے پانچویں جماعت کے طلبہ کے لیے منظور کی گئی ہے۔ اسے منّت علی صاحب ایم۔ اے پروفیسر برہمن باڑیہ کالج نے مرتب کیا اور جناب محمد ناظم عثمانی ۴۲۔ پونچھ روڈ، سمن آباد لاہور نے اس کہانی کا ترجمہ ازراہِ نوازش مصنف کی فرمائش پر مرحمت فرمایا۔ مذکورہ کتاب چھ سات کہانیوں پر مشتمل ہے۔

*

موت جن کے قدموں میں سرنگوں ہے

مشرقی پاکستان کی مشرقی سرحد پر لکشمی پور گاؤں، جس کے مشرقی جانب متصلاً پاک وہند سرحد واقع ہے۔ سرحد کے اس طرف پاکستانی سرحدی محافظ دستہ ای۔پی۔آر اور دوسری طرف انڈین فورس کھڑی اپنی اپنی سرحد کی کڑی نگرانی کر رہی ہیں۔ یہی علاقہ تھا جہاں سے چور بازاری بلاخوف وخطر ہُوا کرتی تھی۔ لیکن اب پاکستانی چاق وچوبند محافظوں سے کوئی سمگلر آنکھ بچا کر پاکستانی اشیا انڈیا بھیج نہیں سکتا۔

لکشمی پور اگرچہ پاکستانی علاقہ ہے لیکن کچھ روز پہلے ہندوستانیوں نے اچانک حملہ کر کے لکشمی پور پر قبضہ جمالیا اور انڈین پرچم لہرا دیا۔ پاکستان کی طرف سے اس پر سخت احتجاج کیا گیا لیکن بے سود۔

اگست ۱۹۵۸ء کو ایک اور مسلح ہندوستانی فوجی دستہ لکشمی پور میں داخل ہوگیا اور مورچے کھود کر باقاعدہ کیمپ لگا لیا۔ اس پر پاکستان بھر میں رنج وغم اور غصّے کی لہر دوڑ گئی۔ پاک بھارت تعلقات انتہائی نازک مرحلے میں داخل ہوگئے۔ بھارتی فوج اس پر قابض ہو کر بھی خاموش نہ رہی بلکہ قریبی میدان اور کھیتوں میں کام کرنے والے کسانوں پر ظلم وستم شروع کر دیا۔ مجبوراً پاکستان کو بھی جوابی کارروائی کرنی پڑی۔ لکشمی پور سے بھارتی سورماؤں کو باہر نکال پھینکنے کا فریضہ میجر طفیل کو سونپا گیا۔ میجر طفیل ایسٹ پاکستان رائفلز

کے ایک اعلیٰ افسر تھے ۔ اس سے پہلے بھی کئی بار وہ اپنی جوانمردی اور اعلیٰ جنگی تدابیر کے مظاہرے کر چکے تھے ۔ انہوں نے سوچا اگر پوری ایک پلاٹون فوج لے کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے تو حریف کو آسانی سے نیچا دکھایا جا سکتا ہے لیکن اس طرح جوانمردی کے جوہر دکھانے کا موقعہ کم میسر آتا ہے انہوں نے ایک ایسی جنگی تدبیر سے کام لینے کا ارادہ کیا جس سے ملکی تاریخ میں انکا نام ہمیشہ کے لیے سنہری حروف میں لکھا جائے گا ۔

وہ ۶ اور ۷ اگست کی درمیانی دھند لکی رات تھی ۔ آسمان پر گھنگھور گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں ۔ چاروں طرف گھٹا ٹوپ اندھیرے کی وجہ سے ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا ۔ سنتری پہرے میں مصروف تھے اور سپاہی سونے کی تیاری کر رہے تھے کہ اچانک میجر طفیل نے جمعدار اعظم کو بلا بھیجا ۔

" ہمیں ابھی چلنا ہوگا " جمعدار اعظم کے آنے کے بعد میجر نے عزم صمیم کے ساتھ کہا ۔

" کہاں ؟" جمعدار نے حیران ہو کر پوچھا ۔

" لکشمی پور "

" تو پھر میں ساری فوج کو ایک گھنٹے میں تیار ہونے کا حکم دیتا ہوں ۔

" نہیں ، " صرف چیدہ چیدہ چوبیس جوان ہمارے ساتھ ہوں گے "

جمعدار حیران و ششدر رہ گیا ۔ کہا ، " صرف ۲۴ جوان ؟

لیکن . . . لیکن دشمن کی تعداد تو بہت زیادہ ہے ۔

" اس کا مجھے علم ہے " میجر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ۔

رات کے اندھیرے میں ۲۴ مسلح پاکستانی سپوت دشمن کے کیمپ کی طرف بڑھنے لگے ۔ جن کی قیادت خود میجر طفیل کے ہاتھ میں تھی ۔ جھاڑیوں

ہیں سے گزرتے دشمن کی نظروں سے بچتے بچاتے اور گھٹنوں کے بل چلتے ہوئے یہ لوگ دشمن کے کیمپ کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ کیمپ کے نزدیک پہنچ کر تھوڑی دیر کے لیے پتہ چلا کہ کیمپ کے دروازے پر دو توپیں نصب کی ہوئی ہیں۔ کیمپ کے درمیانی حصّے میں دھیمی سی روشنی ہے جس سے دشمن کے قائد کا ٹنیٹ صاف نظر آرہا تھا۔

اچانک موسلا دھار بارش شروع ہو گئی جس سے چاروں طرف اندھیرا چھا گیا۔ اُدھر مشرقی افق پر صبح صادق کی سپیدی نمودار ہونے لگی۔ میجر طفیل نے اپنی اس مختصر سی جماعت کو اشارے سے سمجھا دیا کہ اس بارش سے فائدہ اٹھا کر دشمن پر ہلہ بول دیا جائے۔ کیچڑ اور پانی میں گھٹنوں اور کہنیوں کے بل وہ پھر آگے بڑھے۔ کیمپ کے قریب پہنچ کر جمعدار اعظم نے بلند آواز میں "نعرہ تکبیر" بلند کیا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے "اللہ اکبر" کی جوابی آواز کے ساتھ پاکستانی جیالے جوان ہندوستانی سورماؤں پر بجلی کی طرح ٹوٹ پڑے۔ مشین گنوں کی آواز سے فضا مرتعش ہو گئی۔ دشمن کی فوجوں کو اتنا بھی موقع نہ ملا کہ وہ گولی چلائے اچانک حملے کا دشمن کو گمان تک نہ تھا۔ چنانچہ دشمن کی فوج نے کیمپ سے نکلنے کی کوشش کی لیکن پاکستانی فوجوں کی آواز آئی کہ

سرنڈر ..... اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو۔

میجر طفیل حملہ کی ابتدا ہی سے فوجوں کے آگے آگے تھے۔ وہ دشمن کے قائد کو گرفتار کرنا چاہتے تھے اس ارادے سے وہ آگے دشمن کے کیمپ کی طرف بڑھے ہی تھے کہ اُس نے ان کے سینے کا نشانہ باندھا اور لبلبی دبا دی۔ گولی ان کے سینے کے بائیں حصہ کو چھیدتی ہوئی نکل گئی۔ خون کا ایک فوارہ اُبل پڑا لیکن ان کے پاس اس طرف متوجہ ہونے کا وقت ہی کہاں ؟ دشمن کو انہوں نے

دوسری گولی چلانے کی فرصت ہی نہ تھی جھپٹ کر ہاتھ سے پستول چھین لیا۔ پھر دونوں میں دست بدست لڑائی شروع ہو گئی۔ جمعدار اعظم بھی میجر کی امداد کے لیے آگے بڑھا۔ اچانک دشمن کے قائد کے باڈی گارڈ نے میجر کا نشانہ لے کر گولی چلا دی لیکن گولی جمعدار کو لگی جس سے وُہ موقعہ پر ہی شہید ہو گیا۔ مگر ساتھ ہی ان کی پستول سے نکلی ہوئی گولی سے حملہ آور بھی بچ نہ سکا وُہ بھی واصلِ جہنم ہو گیا۔ دشمن کیمپ میں ہاتھا پائی اور جمعدار اعظم کی شہادت اس نازک مرحلے پر بھی پاکستانی نوجوانوں کو ہراساں نہ کر سکی۔

اس نازک اور خطرناک وقت میں قریبی دیہات کے لوگ تماشا دیکھنے کے لیے جمع ہو گئے۔ بدنظمی، لوگوں کی بھیڑ اور رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر دشمن کی کچھ فوج فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی۔ پاکستانی فوج نے اس لیے گولی نہ چلائی کہ میدان میں مجتمع عوام کو نہ لگ جائے۔

عین اس وقت خون میں لت پت میجر طفیل دشمن کے کیمپ سے باہر نکلے۔ وُہ خون میں لت پت تھے مگر انہوں نے دشمن کے قائد کو پکڑ رکھا تھا۔ ان کے حکم سے باقی ہندوستانی فوجی بھی گرفتار کر لیے گئے۔ صبح ہوئی تو پاکستان کا ہلالی پرچم لکشمی پور میں پھر سے پوری آب و تاب سے لہرا رہا تھا۔

قیدی پاکستانی کیمپ میں بھیج دیے گئے۔ زخمی میجر کو علاج کے لیے کومیلا کے فوجی ہسپتال میں داخل کر دیا گیا۔ لیکن افسوس! ڈاکٹروں کے ہزاروں جتن اور کوشش کے باوجود میجر طفیل تندرست نہ ہو سکے ان کی روحِ مبارک قفسِ عنصری سے عالم بالا کی طرف پرواز کر گئی لیکن میجر طفیل اب بھی ہر پاکستانی کے دل کے نہاں خانے میں "فاتحِ مرگ" کی حیثیت سے زندہ و پائندہ ہیں۔ موت ان کے قدموں میں ہمیشہ کے لیے سرنگوں ہے۔ پاکستان پائندہ باد۔

میجر طفیل

*

طفیل شہید کے والد ماجد کے خطوط شہید کے نام کے اقتباسات طفیل شہید (کے خطوط) والدہ ماجدہ، منہ بولے بیٹے، محترم دوست کیپٹن عبدالرحمن اور ڈاکٹر محمد رشید چودھری اور دیگر احباب کے خطوط کے اقتباسات ہدیۂ قارئین ہیں۔

ان کے مطالعہ سے شہید کی شخصیت، سیرت و کردار وطن اور اسلام سے بے پناہ محبت، دوست و احباب سے الفت اور فرائض منصبی میں انہماک کی بے مثال جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں نیز ان سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ انہوں نے کیا کچھ ورثے میں پایا اور آگے چل کر عملی زندگی میں ان چیزوں نے ان کی شخصیت و کردار کو کس سانچے میں ڈھالا۔ وہ کس طرح کندن بن کر نکلے اور آفتاب بن کر چمکے۔

*

۴۸۶

از چک ۲۵۳
ای۔بی

۷ مئی ۱۹۴۸ء

برخوردار نورچشم راحت جان لخت جگر عزیزم طفیل محمد دام اقبالہٗ وسلمہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ خیریت کا طالب بخیریت احوال یہ ہے کہ عزیز کا خط موصول ہو کر حالات مندرجہ سے آگاہی ہوئی۔ خداوند تعالیٰ عزّوجل شانہ وعم نوالہٗ کا لاکھ لاکھ شکریہ ادا کیا۔ ہر وقت بارگاہِ باری تعالیٰ میں دعاگو ہوں کہ عزیز کا وقت نہایت عزت و آبرو سے گزارے اور کار منصبی کو نہایت بخیر و خوبی سرانجام دیوے۔ بعد ادائیگی فرض منصبی وقت پورا ہونے پر نہایت عزت و احتشام سے جلد واپس لاکر ملاقات کراوے۔ خداوند کریم کے عنایات بیغایات یعنی بے اور بخششوں کا شکریہ کرتا ہوں اور آپ بھی کیا کرو۔ نماز ضرور پڑھا کرو۔ تصوّر اپنا قائم رکھا کرو۔ جتنا ہو سکے سبق ضرور پڑھا کرو۔ اللہ تعالیٰ ہر بلا سے محفوظ رکھے گا اور اپنی رحمت کا سایہ تم پر رکھے گا۔ قوم اور ملک کی خدمت کرنا تمہارا فرض اوّل ہے۔ قوم اور ملک پاکستان کے سر پر زبردست دشمن تاک لگائے منڈلا رہے ہیں۔ خدا ان کے شر سے محفوظ رکھے اور دنیا کو امن سے بیٹھنے کا موقعہ دیوے۔

الراقم موج الدین از چک ۲۵۳ /ای۔بی

از چک ۲۵۳/ ای - بی ۲۸۶

۱۹ مئی ۱۹۴۸ء

برخوردار نورچشم راحت جان لخت جگر عزیزم طفیل محمد دام اقبالہٗ وسلمہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ خیریت کا طالب بفضل الٰہی بخیریت۔ احوال آنکہ عزیز کا تیسرا خط موصول ہوا۔ حالات مندرجہ سے مطلع ہوا۔ عزیز تمہارے دُور چلے جانے سے طبیعت کو پریشانی سی ہو گئی ہے۔ جس کا اظہار نہ تو زبان سے اور نہ قلم سے کر سکتا ہوں۔ دوری کا بھی فکر نہ ہوتا اگر زمانہ پرامن ہوتا اور جس علاقہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کا آب و دانہ کیا ہے وہ بھی بالکل دنیا سے الگ اور نیا ہے اور قبضہ بھی گورنمنٹ پاکستان نے حال ہی میں بغیر کسی تصفیہ کے کیا ہے۔ جنگ کشمیر کے حالات شائد کیسے ہوں اگر حالات موافق رہیں تب تو خیر ورنہ ناموافق حالات ہونے پر نکلنے کا راستہ بھی مسدود ایسے موقعہ پر جب کہ پرآشوب زمانہ ہے آپ کا نزدیک ہونا بہتر ہے اب معاملات خدا کے سپرد ہیں۔ اللہ آپ کا حافظ ہے۔ خیریت سے جلد جلد مطلع کرتے رہیں تاکہ تسلی رہے۔

موج الدین

۷۸۶

از چک نمبر ۲۵۳/ای-بی
۲۰ر جولائی ۱۹۴۸ء

برخوردار نورچشم راحت جان لخت جگر عزیزم طفیل محمد دام اقبالہٗ وسلمہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ خیریت کا طالب بخیریت۔ احوال یہ ہے کہ عزیز کا خط موصول ہو کر حالات مندرجہ سے آگاہی ہوئی۔ خداوند تعالیٰ کا ہر دم شکر گزار ہوں۔ زندگی مستعار کے دن اس کی رحمت سے اچھے گزر رہے ہیں۔

گورنمنٹ ہند کے ارکان کے دماغ جو بگڑ چکے ہیں۔ سکھ گردی کے دماغ میں حماقت کا بھوت سوار ہو چکا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ حکومت کے ایماء پر جو اگست ۴۷ء میں سکھ قوم نے خاص کر ریاست ہائی پٹیالہ۔ نابھہ۔ کپورتھلہ۔ فریدکوٹ کی مصیبت میں جو مظالم مشرقی پنجاب میں مسلمانوں پر ڈھائے ہیں اس سے ان کے حوصلے پست ہو چکے ہیں۔ اس لیے ماسٹر تارا سنگھ وغیرہ سورن سنگھ۔ بلدیو سنگھ پٹیل وغیرہ گورنمنٹ کو اکسا رہے ہیں کہ حیدر آباد۔ کشمیر تو کیا پاکستان کو ہڑپ کر جاؤ۔ لاہور۔ منٹگمری پر حملہ کر کے اپنے گوردوارے واپس لے لو۔ ہر وقت کی پرجوش تقریریں قوم کو اور حکومت کو اُبھار رہی ہیں۔ ادھر پاکستان کی نوزائیدہ حکومت جو نہ تو ابھی اپنے پاؤں پر کھڑی ہو سکتی ہے اور نہ کسی کا سہارا ہے۔ صرف

نام نہاد صرف اللہ پنجتن کے سہارے پر حکومت پاکستان کا نام حاصل کر چکی ہے۔ اس کی حفاظت اور شرم بنانے والے کے اختیار میں ہے۔ ورنہ حالت خراب ہے۔ اگر ایسی ویسی حالت ہوئی تو ہم لوگوں کا خدا جانے کیا حشر ہو۔ اچھا سب سپردِ خُدا ہے۔

الراقم

موج الدین

*

۷۸۶

۲۵ جولائی ۱۹۴۸ء

از چک نمبر ۲۵۲ / ای - بی

برخوردار نور چشم راحت جان لخت جگر عزیزم طفیل محمد دام اقبالہ، وسلمہ،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، خیریت کا طالب بخیریت - احوال آنکہ - عزیز کا کارڈ مل گیا تھا - جس کا حوالہ پہلے خط میں دے چکا ہوں - اُمید ہے وُہ خط مل چکا ہوگا اور ملاحظہ سے گزر چکا ہوگا - کل اخبار میں دیکھا گیا ہے کہ گلگت پر سخت بمباری ہوئی ہے خاص کر سرکاری عمارات پر اور بہت نقصان جان و مال کا کیا گیا ہے - اس وقت سے طبیعت کو بے چینی سی ہو گئی ہے - فکر بہت بڑھ گیا ہے - لہٰذا خدا خیر کرے - بدیدن خط ہذا واپسی ڈاک اپنی خیریت اور حملہ کے حالات سے جلد مطلع فرما دیں تاکہ تسلی کا موجب ہو اور کشمیر کمیشن کچھ تصفیہ نہیں کرا سکا - کمیشن نے تصفیہ تو کیا کرانا ہے بلکہ مسلمانوں کے برخلاف رپورٹ دے گا جیسا کہ ان کا پہلا اصول ہے - نمونہ کے اصول پر پاکستان اور ہندوستان کی تقسیم کے بارے میں آپس میں خانہ جنگی کرا کے دنیا کی تباہی کرا دی - اب بھی یہ مسلمان کا دشمن خیر نہیں گزارے گا - ان کمزور مسلمانوں کا تکیہ تو صرف خدا اور خدا کے رسول پر ہے - ورنہ کیا ہندو بنیا - کیا سکھ - کیا چمار - کیا یہودی - کیا انگریز سب مسلمان کے دشمن واقعہ ہوئے ہیں - اچھا سب معاملہ سپردِ خدا ہے -

راقم

موج الدین پٹواری ریٹائرڈ

۱۶ راگست ۱۹۴۸ء ۷۸۶

برخوردار نور چشم راحت جان لخت جگر عزیزم طفیل محمد دام اقبالہٗ وسلمہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ - خیریت کا طالب بہ فضل الٰہی تادم تحریر عریضہ ہذا بخیریت - احوال آنکہ -

ملک میں امن نظر نہیں آتا - منٹگمری میں مہاجرین نے سالگرہ پر جلوس سیاہ لباس پہن کر ماتمی نکالا - ملتان میں بھی گولی چلی - پناہ گزین جو کیمپوں میں تا حال بیٹھے ہیں وہ بہت باغیانہ حرکتیں کرنے لگ گئے ہیں - حکومت ان کو بٹھلانے کا بندوبست نہیں کر سکی - اس نازک دور میں اندرونی گڑبڑ خطرے کا موجب بن رہی ہے - خدا خیر کرے - دراصل سویلین ملازمان بد دیانت ہیں - رشوت خوری - دوست نوازی - قبیلہ پروری - خود غرضی کو بہت مدِ نظر رکھا گیا ہے - انصاف پسندی نام تک کو نہیں - یہی لوگ بدامنی کے زیادہ تر ذمہ دار ہیں - گورنمنٹ کا اس میں کیا قصور جب کہ گورنمنٹ کے مشیروں کا یہ حال ہو -

گلگت میں ہوائی حملہ کی بم باری سے زیادہ نقصان تو نہیں ہوا - محاذ کے حالات کیسے ہیں -

راقم خاکسار

موج الدین از چک نمبر ۲۵۳ / ای - بی

۸ ر اکتوبر ۱۹۴۸ئہ

چک نمبر ۲۵۳ / ای - بی

برخوردار نور چشم راحت جان لخت جگر عزیزم طفیل محمد دام اقبالہٗ وسلمہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ - خیریت کا طالب بخیریت - احوال یہ کہ عرصہ قریباً ایک ماہ سے آپ کی خیریت کی خبر موصول نہیں ہوئی جس کی وجہ سے دل ہر وقت پریشان ہو رہا ہے -

قائداعظم جناح صاحب کی بے وقت وفات سے جو صدمہ مسلمانان پاکستان کو پہنچا ہے بیان سے باہر ہے - دنیا کے ہوش وحواس باختہ ہو گئے کہ بانئ پاکستان اور حامئ قوم جس کے سر پر سارا دار و مدار اللہ اور اللہ کے رسول کے سوا تھا اس وقت میں جب کہ دشمن کا خوف کا ہر وقت اور ہر لمحہ ہر طرف سے گھیرے ہوئے تھا بے سہارا اور بے پناہ چھوڑ کر خود تو خواب استراحت میں جا سوئے - اور قوم کو خدا اور اس کے حبیب کے حوالے کر گئے - ابھی اسی سوچ و بچار میں تھے کہ اب ملک اور قوم کا کیا حشر ہو گا - اگر کچھ اُمید تھی تو پھر رہی سہی نظام حیدر آباد کی غداری نے کمریں توڑ دیں - اب اللہ حافظ ہے - جواب تحریر کریں - مسلمانانِ حیدر آباد خاص کر وزیروں - اہل کاروں - رضا کاروں پر سخت مصیبت ٹوٹ پڑی ہے - دعوے چلائے جا رہے ہیں - جیلوں میں دیے جا رہے ہیں - شہید کیے جا رہے ہیں - نظام اپنی ریاست کو قائم رکھنے کی خاطر مسلمانوں کے مظالم کا نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے -

موج الدین

۲۵ ، اکتوبر ۱۹۴۸ء   ۴۸۶

از چک نمبر ۲۵۳ / ای - بی

برخوردار نور چشم راحت جان لخت جگر عزیزم طفیل محمد دام اقبالہ وسلمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ - خیریت کا طالب تادم تحریر عریضہ بفضل خدا بخیریت احوال آنکہ عزیز اقبال محمد سے میں نے بیماری کی حالت میں خط لکھوایا تھا جس میں عزیز نے میری حالت کچھ زیادہ تشویش کن تحریر کی جس کی نسبت مجھے زیادہ فکر ہوا کہ اس نے خواہ مخواہ پردیس میں اپنی ڈیوٹی پر مصروف عزیز کو کیوں پریشان کیا -

کل (۲۴ ر) کے اخبار میں دیکھا تھا کہ کشمیر محاذ پر مجاہد چھ میل پیچھے ہٹا دیے گئے ہیں ، جس پر خلقت قیاس آرائیاں کرنے لگ جاتی ہے کہ ہندوستان والوں نے اب زور دیا ہے - برف باری سے پہلے شائد کتنے میل پیچھے ہٹا دیے گئے ہیں جو چھ میل تحریر کیا ہے - اچھا مسلمان بے چاروں کا تو اللہ ہی حافظ ہے - کیا آپ کو کچھ رخصت مل سکتی ہیں - تو موقعہ کو فرصت نگاہ میں رکھ کر کوشش کر کے دیکھ لیویں اور نہیں تو خیر - ملک اور قوم کی بہترین خدمت کا موقعہ ہے - اپنی ڈیوٹی پر اچھی طرح فرض منصبی کو ادا کرو - تمہارا اللہ حافظ

خاکسار

موج الدین

۲۴ر نومبر ۱۹۴۸ء

۷۸۶

از چک نمبر ۲۵۲ / ای - بی

برخوردار نور چشم راحت جان لخت جگر عزیز فرزند طفیل محمد دام اقبالہٗ وسلمہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ - خیریت کا طالب بخیریت - احوال آنکہ چونکہ ہندوستان والوں نے کشمیر پر اپنی پوری طاقت سے حملہ کر دیا ہے - حیدر آباد کا خدشہ مٹا کر کشمیر پہ نہرو خود سب سامان حرب و پوری فوج سے حملہ آور ہوا ہے - مسلمانوں کا اللہ حافظ ہے - اسی کو ان کی شرم ہے ورنہ ان کا انتظام اندرونی جو ہے سب اللہ پر روشن ہے - پنجاب کی وزارت بگڑی بیٹھی ہے - نون صاحب اور ممتاز دولتانہ خوب دھڑے بندی بنا رہے ہیں - دیکھیے کیا فیصلہ ہوتا ہے

الرقم

موج الدین

*

۷۸۶

اکھوڑا

۵ رمارچ ۱۹۵۰ء

میرے قبلۂ کونین و کعبۂ دارین جناب والدہ صاحبہ دام ظلکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ'۔ خیریت کا طالب۔ بخیریت، احوال یہ ہے کہ خیریت نامہ آپ کا ملا۔ حالات سے آگاہی ہوئی۔ آپ میری رخصت کے متعلق فکر نہ کریں۔ میں جس وقت آپ چاہیں انشاءاللہ تعالیٰ حاضر ہو سکتا ہوں۔ ابھی مجھے گھر سے آئے صرف آٹھ ماہ ہوئے ہیں۔ میں انشاءاللہ تعالیٰ ایک سال نہیں ہونے دوں گا۔ اگر چاہیں تو عید پر حاضر ہو جاؤں اور اگر آپ مناسب سمجھیں تو اختر کے داخلہ کے وقت حاضر ہو جاؤں۔ اگر ہو سکا تو بیس روز کی رخصت پر آنے کی کوشش کروں گا۔ جیسا آپ فرمائیں میں کرنے کے لیے تیار ہوں یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ آپ کوئی خواہش کریں اور میں بشرطِ زندگی اور حسب ہمت اسے پورا نہ کروں۔ اختر کا امتحان بھلا کب شروع ہو رہا ہے اور کب ختم ہو گا اور پھر نتیجہ کب نکلے گا۔ نتیجہ کے متعلق بھی حکومت نے اعلان کر دیا ہو گا۔

عزیزم محمد سعید اختر اگر ڈرائنگ نہیں لینا چاہتا تو بے شک نہ لے۔ اس کے مقابلے میں جو مضمون ہے وُہ پڑھے۔ عزیزم کا نتیجہ کب تک نکلنے کی امید ہے۔ عزیزم پر زور دیا جائے کہ وُہ کلاس میں اعلیٰ پوزیشن حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اس کی صحت

کا بھی خیال رکھیں اور گھی اور دودھ کافی کھانے کو دیں۔ اب رخصتوں میں برادر عزیز اقبال اس کا حساب جیومیٹری اور انگریزی خوب دوہرا دے ضروری ہے تاکہ عزیزم ہائی کلاس میں جا کر اچھا رہے۔ اگر پاک پتن شریف میں اچھا انتظام ہو سکے اور عزیزم محنت کا وعدہ کرے تو وہاں بھیجنے میں کوئی ہرج نہیں۔ مولوی رحمت علی ذرا کم ظرف سا ہے ایسا نہ ہو کہ اختر کی طرح عزیزم بھی وہاں تنگ ہو جاوے۔ سعید سے اچھی طرح مشورہ کر لیں اگر ہو سکے تو نوکر کا بھی انتظام کر دیویں۔

بھینس کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اگر آپ کو پسند ہو تو رکھ لیں۔ کچھ دن اور دودھ دوہ کر دیکھیں۔ ممکن ہے درست ہو جاوے۔ بہرحال جیسے مناسب سمجھیں کریں۔

عزیزم محمد اختر کا خط آیا ہے کہ عزیزم نذیر بیمار تھا۔ اللہ تعالیٰ اپنا فضل و کرم کرے۔ اور عزیزم کو بخیریت رکھے آمین! ابھی تحریر فرمائیں کہ کیا حال ہے۔

زمین کے متعلق بھی تحریر فرماویں کہ ۳ مارچ کو کیا فیصلہ ہُوا۔ معاملہ ابھی ہمارے بس سے باہر ہے اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے دُعا ہے کہ وُہ اپنے رحم و کرم سے اور ہمارے بزرگوں کی دعاؤں سے تر سن رکھے۔ آمین!

آنی کا مجھے بہت فکر ہو رہا ہے۔ کیا وجہ ہے۔ عزیزم کیوں تعلیم کی جانب دھیان نہیں دیتا ہے۔ قبلہ جناب خلیفہ صاحب سے دعا کرا دیں۔

قبلہ جناب ماموں صاحب کیوں اتنا کم گھر پر آتے ہیں۔ انہیں ہر دس

پندرہ روز کے بعد گھر کا چکر لگانا چاہیے ۔ ملازمت کے ابھی آخری سال ہیں ۔ انہیں فکر کرنے کی اتنی کیا ضرورت پڑی ہے ۔ میں نے انہیں مدت سے خط نہیں لکھا ہے کیونکہ خیال رہتا ہے کہ وہ گھر آ کر ضرور خط پڑھ سکیں گے ۔ ان کی ملازمت کی نسبت اس وقت انہیں بچوں کی دیکھ بھال بہت ضروری ہے ۔ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ وہ عزیزہ بشرہ بی بی کی شادی کا انتظام ابھی کر دیں ۔ میرے خیال میں دیری ہو رہی ہے ۔

ٹیوب ویل کی زمین کے متعلق ضروری ہے کہ اس کی پیداوار بڑھائی جاوے ۔ میرے خیال میں مزارعین کو جمع کر کے مشورہ کریں اور کھاد وغیرہ کا انتظام کریں ۔ ورنہ وقت آئے گا کہ ٹیوب ویل اپنا خرچ بھی پورا نہیں کر سکے گا ۔

عزیزم محمد اختر کے امتحان کے ایام میں خاص کر حساب اور دوسرے مضامین کے دوران میں اس کے پاس رہیں اس کو لگاتار حوصلہ اور نصیحت دیتے رہیں ۔ میں نے دیکھا ہے کہ اس کی عادت ہے کہ وہ سست ہو جاتا ہے ۔ دل کو اوپر نیچے کرتا رہتا ہے ۔ مضبوط ارادہ نہیں ہے اگر اس کا سینیئر کیمبرج کا نتیجہ آوے اور اچھا نہ ہو تو اسے دکھایا نہ جاوے

قبلہ جناب خلیفہ صاحب کی خدمت میں دست بستہ سلام علیکم عرض کریں اور دعا کے لیے عرض کریں ۔ آپ بھی بندہ کے حق میں اور اس کنبہ کے حق میں دعا فرماتے رہیں

سب پرسانِ حال کی خدمت میں اسلام علیکم عرض کریں ۔ ہمشیرہ صاحبہ کو پیار ۔ بچوں کو پیار ۔

احقر

طفیل محمد

از اکھوڑا   ۷۸۶

۲۵ر مارچ ۱۹۵۸ئہ

میرے قبلہ کونین وکعبۂ دارین جناب والدہ صاحبہ دام ظلکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ‘۔خیریت کا طالب بخیریت۔احوال یہ ہے کہ تقریباً ایک ماہ سے آپ کی خیریت کی کوئی خبر نہیں ملی ہے۔ خدا جانے کیا وجہ ہے۔خط نہ آنے سے دل کو پریشانی ہو جاتی ہے۔خدا کرے کہ ہر طرح سے خیریت ہو۔

عزیزم محمد اختر کا خط آیا ہے کہ اس کا امتحان پھر نہیں ہو رہا ہے عید کے بعد ہوگا۔ بھلا یہ کیا وجہ ہے کبھی ایسے نہیں ہوتے دیکھا تھا کہ امتحان کی تاریخیں اس طرح سے تبدیل ہوتی رہیں۔ تفصیلاً تحریر کریں کہ کیا وجہ ہے۔عزیزان محمد اختر اور سعید اختر روزے بھی رکھتے ہوں گے۔ انہیں روزے نہیں رکھنے چاہئیں۔ ان کے لیے تا حال معافی ہے۔ان کو سمجھا دلویں۔

عزیزم محمد اختر کیسے پڑھ رہا ہے۔حساب میں ابھی کیسے ہے۔اس کو شوق دلاتے رہیں۔ اب وہ گرمی کی وجہ سے تنگ ہو رہا ہے۔ اس میں میرا قصور نہیں ہے۔ اس کی قسمت ہے اور اس کا قصور ہے۔اگر وہ مری شوق سے پڑھتا تو آج اسے یہ دن نہ دیکھنا پڑتا اب کبھی کہتا ہے مجھے مری بھیج دو اور کبھی لکھ دیتا ہے مری نہیں جاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ اپنا رحم وکرم کرے اور اسے کامیابی دیوے

آمین!

یہاں پر روزہ ۲۲ر سے شروع ہوا لیکن میں نے ۲۳ر کا پہلا رکھا ہے کیونکہ میں دورے پر تھا۔ عزیزم سعید کو اگر چھٹیاں ملیں تو گھر میں بیٹھ کر اپنی پڑھائی کرتا رہے۔

بخدمت جناب خلیفہ صاحب کو سلام علیکم عرض کریں۔ سب پرسان احوال کو السلام علیکم۔

جواب جلدی دیویں۔

احقر

طفیل محمد

*

۷۸۶

از اکھوڑا

۲۹ مئی ۱۹۵۸ء

میرے قبلہ کونین وکعبہ دارین جناب والدہ صاحبہ دام ظلکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خیریت کا طالب - بخیریت - احوال یہ ہے کہ نئے کارتوس لینے کے لیے مجھے شکاری گن کے لائسنس کی ضرورت ہے اس لیے آپ مہربانی کر کے اس خط کو دیکھتے ہی لائسنس رجسٹرڈ کر کے مندرجہ ذیل ایڈریس پر بھیج دیویں -

Captain Raja Ali Mohd., R.Q.

H.Q., E.P.R., Dacca.

باقی ہر طرح سے خیریت سے ہوں - جلدی میں یہ لائینیں تحریر کر دی ہیں - مفصل خط بعد میں لکھوں گا -

احقر

طفیل محمد

۴۸۶

از اکھوڑا

۱۳ر جولائی ۱۹۵۸ء

میرے قبلہ کونین وکعبہ دارین جناب والدہ صاحبہ دام ظلکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' - خیریت کا طالب بخیریت - احوال یہ ہے کہ مجھے یہاں پہنچے ہوئے دس روز ہو گئے لیکن کم فرصتی کی وجہ سے آپ کو اپنی خیریت کی خبر نہ دے سکا - مجھے یہاں پہنچتے ہی سلہٹ ایک ضروری کام کے لیے جانا پڑا تھا - کل شام کو واپس آیا ہوں -

آپ سے علیحدہ ہو کر میں دوسرے روز ہی شام کے چار بجے ڈھاکہ پہنچ گیا تھا - راستہ میں بھائی شریف احمد میرے ہمراہ تھے - کوئی تکلیف نہیں ہوئی - دہلی میں جہاز ایک گھنٹہ کے لیے اترا تھا - ہوائی جہاز سے ہی لال قلعہ اور جامع مسجد کو دیکھا -

مجھے افسوس ہے کہ قبلہ جناب ماموں صاحب سے ملاقات نہ ہو سکی - میرے خیال میں میرے چلے آنے کے بعد وہ بھی گھر پہنچ گئے ہوں گے لیکن میں اگر اس گاڑی سے نہ آتا تو ہوائی جہاز نہیں ملنا تھا -

یہاں ہر موسم کافی اچھا ہے - بارش ہو جاتی ہے اور ٹھنڈی ہوا چلتی رہتی ہے - آپ تحریر فرمادیں کہ بارش ہوئی ہے یا کہ نہیں - نہر کا کیا حال ہے - خدا کرے کہ پانی آرہا ہو - ٹیوب ویل کیسا ہے - سب تفصیلات سے مطلع کریں -

امید ہے کہ عزیزان محمد اختر اور محمد سعید اختر خوب پڑھ رہے ہونگے اگر مناسب سمجھیں تو محمد سعید اختر کی ٹیوشن انگریزی کی اس ٹیچر کے پاس

رکھوا دیویں جو غلام محمد ٹھیکیدار نے منگوایا ہے۔ عزیز نذیر اختر کی صحت اور طبیعت کا کیا حال ہے۔

بخدمت جناب خلیفہ صاحب دست بستہ السلام علیکم عرض کریں سب خویش واقارب وعزیزان کو السلام علیکم۔ ہمشیرہ صاحبہ کو پیار و سلام۔

برادرِ عزیز خورشید محمد کا جو منی آرڈر آیا ہے اس کو ابھی تک اپنے پاس رکھ لیویں۔ بعد میں تحریر کروں گا کہ کب دینا ہے۔

احقر

طفیل محمد

*

از اکھوڑا

۷۸۶

۲۶ جولائی ۱۹۵۰ء

میرے قبلہ کونین و کعبہ دارین جناب والدہ صاحبہ دام ظلکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ خیریت کا طالب بخیریت۔ احوال یہ ہے کہ آج عزیزم محمد اختر کا خط موصول ہوا جس سے سب حالات معلوم ہوئے۔ عزیز نذیر اختر کی بیماری کا سن کر دل کو بہت فکر ہو گیا ہے تحریر فرما دیں کہ ابھی کیا حال ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ عزیزم کو جلد شفا بخشے۔ آمین!

بارش اور بھینس کے سُونے کے متعلق سن کر دل کو بہت خوشی ہوئی۔ ابھی اس وقت سے برادرِ عزیز اقبال محمد کو فائدہ اٹھانا چاہیے۔ اور جو کچھ ٹیوب ویل کا درست کروانا ہے کرا لیں۔ نہایت ضروری ہے کہ دوسرا انجن بھی خرید کر لیا جاوے اور لگوا لیا جاوے جیسا کہ میں نے سمجھا دیا تھا۔

قبرستان کے نزدیک والی زمین ٹیوب ویل کے لیے قبلہ جناب ماموں صاحب کو لے دیویں۔ اگر وُہ نہیں لیتے تو خود نہ چھوڑیں۔ گو زمین خراب ہے لیکن پھر بھی اپنا خرچ نکال لے گی۔ گورنمنٹ اب ضرور کسی نہ کسی کو وُہ دے گی۔

برادر عزیز اقبال محمد سے کہیں وُہ لڑکیوں کا سکول چک کے لیے ضرور منظور کرا لیویں۔ آخر ان کے ممبر ہونے کا کچھ نہ کچھ مفاد تو چک کو ہونا چاہیے۔ قبلہ جناب خلیفہ صاحب کے لیے مسجد میں ایک کوٹھڑی

بنوادیں ۔ مسجد کی چھت پڑ گئی ہے یا کہ نہیں ۔ اگر چھت پڑ جائے تو آہستہ آہستہ لوگوں کو مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے راغب کریں ۔

عزیزان محمد اختر اور محمد افضل کو اگر اللہ تعالیٰ کامیاب کرے تو انہیں کالج میں داخل کرانے کی ابھی سے کوشش کریں ۔ فارم داخلہ اور پراسپکٹس اُمید ہے کہ سکندر لے آیا ہوگا ۔ اگر نہیں تو منگوا لیویں ۔ اگر دیر ہو گئی تو ممکن ہے داخلہ نہ ملے پرائیویٹ امتحان میں شامل ہونے کی وجہ سے عزیزم اختر کو Provisional Certificate کون دے گا ۔ لارنس کالج یا گورنمنٹ سکول پاک پٹن عزیزان کو داخل کرانے کے لیے بہت تیزی اور کوشش کی ضرورت ہوگی ۔

بخدمت جناب خلیفہ صاحب دست بستہ السلام علیکم عرض کریں ۔ سب خویش اقارب و عزیزان کو السلام علیکم ۔

ابھی ابھی برادر عزیز خورشید محمد کا خط ملا ہے کہ برادر عزیز فتح محمد ایک ماہ کی رخصت پر چلا گیا ہے ۔ رخصت کہاں گزارنا چاہتے ہیں اور ان کی صحت کیسی ہے جلد اطلاع دیویں ۔

ایک چھوٹا بکس میں نے شریف احمد کے ہمراہ بھیجا ہے ۔ اگر لاہور جاویں تو لے لیویں ۔ اس میں شیشے کا فانوس ہے ۔ ٹوٹ نہ جاویں ۔

احقر

طفیل محمد

۴۸۶

از اکھوڑا
۶ر اگست ۱۹۵۸ء

میرے قبلۂ کونین و کعبۂ دارین جناب والدہ صاحبہ دام ظلکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مجھے بہت ضروری کام پر جانا ہے ۔ سخت جلدی ہے ۔ عزیزم محمد اختر کو کچھ کہنا تھا سو لکھ دیا ہے ۔ اپنی خیریت سے مطلع کریں ۔ عزیزم کے نتیجے سے مطلع کریں ۔
زندگی رہی تو انشاء اللہ تعالیٰ دو تین روز میں خط لکھوں گا
میرے لیے دعا کریں ۔

آپ کا فرمانبردار بیٹا

طفیل محمد

*

۷۸۶

میجر طفیل محمد
ونگ کمانڈر نمبر ا ونگ، ایسٹ پاکستان رائفلز
اکھوڑا - ضلع کومیلا - مشرقی پاکستان

۹ر فروری ۱۹۵۸ء

میرے پیارے بیٹے

کافی عرصے کے بعد مجھے آج تمہارا خط موصول ہُوا۔ ایک خط چچا جی نے بھی ارسال کیا۔ انہوں نے تفصیل سے تمہاری مشکلات کا تذکرہ کیا ہے۔ مجھے ان مشکلات کا پہلے سے علم ہو گیا تھا۔ اسی وجہ سے میں نے ان کی مخالفت کی تھی۔ تمہارا پاک پٹن جانے کا خیال؟ بہرحال قدرت کو یہ منظور تھا کہ ایسا ہو ورنہ صرف تمہاری خاطر میں مغربی پاکستان میں رہتا جہاں اپنی نگرانی میں تمہاری ٹیوشن کا بندوبست کرتا۔

بہرحال، انسان کو زندگی میں اس قسم کے حالات کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ اور ایک اولوالعزم اور نوجوان آدمی کو اس قسم کے چھوٹے چھوٹے واقعات سے متاثر نہیں ہونا چاہیے بلکہ حاصل زندگی پا لینے کے لیے چٹان بن کر ان کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔

میں نے تمہارے لیے ایک بہت بڑا نصب العین قائم کیا ہے لہٰذا تمہیں اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے مشکل ترین حالات میں کام کرنا ہو گا۔

موجودہ حالات میں تمہارے لیے میری یہی نصیحت ہے کہ ہر چیز سے اپنے آپ کو الگ رکھو اور اپنا کام کیے جاؤ۔ آخر کار ایک مہینہ ہی تو رہ گیا ہے۔ جیسے بھی ممکن ہو اسے کسی پریشانی کے بغیر گزار دو۔ میں نے اباجی کی خدمت میں تحریر کر دیا ہے کہ وہ تمہارے کھانے کا انتظام کر دیں۔

فزکس کے مطالعہ اور تجربات کے سلسلے میں تم نے کیا کیا انتظامات کیے ہیں؟ اور تمہارا ٹیوٹر کیسا ہے؟

مولوی رحمت علی اور محمد افضل کو بہت بہت تسلیمات و آداب!

مجھے اُمید ہے کہ تم دوسرے مضامین کی دہرائی بھی کر رہے ہو گے؟

تمہارا تایا جی

طفیل محمد

نوٹ: میرا تبدیل شدہ پتہ نوٹ کر لو۔

*

[illegible]
6.9.58

[illegible] والدہ [illegible]

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

[illegible]

[illegible]

[illegible] مطلع ہوں۔

زندگی رہی تو [illegible]

[illegible] دعا کریں۔

زیادہ کیا عرض کروں [illegible]

مخلص

[illegible]

786

AKHAURA
6 Aug 58

My dear son

I got your letter two days ago but I will reserve my Congratulations till I hear the University results. Punjab University result is not published in paper here therefore let me know telegraphically your result.

People advise me that you should study science subjects in your higher studies. I am only worried about physics, but if you can ~~gut~~ gird up your loins to study it thoroughly & seriously, it should not be difficult for you. It is up to you to decide. I do not want to force you. Think over it & decide. I shall be happy what ever decision you make. I know you will be a success

Principal has not sent your character certificate, if it is necessary and better that you go personally to bring certificate [illegible]

۲۸۶

میجر طفیل محمد
نمبر ا ونگ، ای - پی - آر - اکھوڑا،
ضلع کومیلا - مشرقی پاکستان
۱۵ مارچ ۱۹۵۸ء

برادرِ محترم چوہدری عبدالرحمٰن صاحب زاد عنایتہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ - بہت مدت کے بعد عریضہ تحریر کر رہا ہوں بلکہ اتنی مدت گزر چکی ہے کہ شاید آپ کی حیرانی کا موجب بھی ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ آپ کی عزت اور یاد ہمیشہ دل پہ رہی اور گاہ بگاہ واقف کاروں سے آپ کی خیریت کا پتہ چلتا رہا - آخری پتہ چلا تھا کہ آپ چچا مرحوم کی رحلت کے بعد گھر کی دیکھ بھال کرتے ہیں اور کچھ لالے موسے میں کپڑے کا بزنس ہے - وقت کیسے گزر رہا ہے - دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو عزت اور آرام سے رکھے - آمین!

میں اڑھائی سال کوئٹہ انفنٹری سکول میں گزارنے کے بعد پلٹن ۱۳ پنجاب میں آیا - پلٹن بمشکل دس ماہ گزارے تھے کہ

East Pakistan Rifles.

کی تعیناتی آ گئی - اس جگہ تین سو روپیہ مزید الاؤنس ملتا ہے اور اس کے لیے میں نے ۱۹۵۴ء میں نام دیا تھا - ۱۹۵۴ء ۱۹۵۸ء کی نسبت مختلف تھا - اس وقت میں جونیئر تھا اور ایک دو سال باہر

لگا لینے بڑے نہیں تھے - اب میں کافی سینئر ہو چکا ہوں - لوگوں کی افواہ کے مطابق ممکن ہے اس سال کے آخیر تک نمبر کمان کا آ جاوے - اس لیے میرے لیے میرے خیال میں پلٹن سے باہر رہنا اچھا نہیں - خدا جانے M.S. نے اس وقت مجھے یہاں کیوں بھیجا ہے - اب واپسی کے لیے میں نے Representation لکھ لی ہے لیکن بھیجنے سے پہلے میجر غلام حیدر سے مشورہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کروں یا نہ کروں اور ایسا کرنا میرے لیے بہتر ہوگا یا نہیں - یہ وقت گزار رہا ہوں اور یہ میرے خلاف نہیں جاویگا M.S. میں رہ کر غلام حیدر کو کافی خاموشی کی ضرورت ہے - اگر اسے خط لکھوں تو وہ جواب نہیں دے گا - کسی دوسرے کے ذریعہ میں اس سے پوچھنا نہیں چاہتا - اس لیے آپ مہربانی کر کے راولپنڈی کسی فرصت کے روز تشریف لے جایئے اور اس سے مشورہ لے کر مجھے تحریر فرماویں کہ میں کیا کروں - مجھے علم ہے کہ آپ کو تکلیف ہوگی خاص کر روزوں کی وجہ سے لیکن اُمید ہے کہ آپ وقت نکال لیں گے - میں آپ کا جواب نہ آنے تک Representation نہیں بھیجوں گا - یہ بھی پوچھ لیں گے اگر Representation کی ضرورت ہو تو کن لائینوں پر تحریر کروں -

اگر ان کے خیال میں میرے پروموشن میں کوئی رکاوٹ نہ ہوگی تو میں خاموش رہوں گا -

ادھر سب لوگ آج کل ، سمگلنگ کی ڈیوٹی پر ہیں -

اسی سلسلہ میں میں بھی اکھوڑا میں ہوں ورنہ میرا مستقل ہیڈ کوارٹر کاکس بازار میں ہے۔ ادھر بزنس کے کافی مواقع ہیں۔ بہت Projects شروع ہیں ممکن ہے کوئی نوکری بھی تلاش کرنے سے مل جاوے اگر ارادہ ہو تو مطلع کریں تاکہ کوشش کر کے دیکھ لوں۔

گھر میں بچوں کا کیا حال ہے۔ سارے کنبہ کا بوجھ ابھی آپ کے سر پہ ہوگا۔ ادھر سے اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو مطلع کریں۔

احقر

طفیل محمد

*

نمبر ۸۹ سگنل، ای - پی - آر   ۷۰۸۶

اکھوڑا

ضلع کومیلا

۱۵ر اپریل ۱۹۵۸ء

برادر محترم چوہدری عبد الرحمٰن صاحب دام اقبالہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ - آج صبح آپ کا خط ملا - میں آپ کی یاد آوری کا بہت بہت مشکور ہوں - گو آپ کی مجبوریاں بجا ہیں اور آپ نے جو کچھ کیا اچھا کیا لیکن مجھے آپ کے ڈھور بہ سے چلے آنے پر صدمہ ہوا - آپ کی وجہ سے ڈھور بہ کے ساتھ مجھے کافی محبت ہو چکی تھی -

اگر آپ مناسب نہ سمجھیں تو غلام حیدر کے پاس بالکل نہ جاویں - خاص کر اب ربوہ سے جانے میں آپ کو تکلیف ہو گی - میجر عبد الرحمٰن اور میجر راحت شاہ میرے دوست ہیں - غلام حیدر کے دفتر میں ہی کام کرتے ہیں - گو ڈیوٹیاں مختلف ہیں - اُن کے خطوط مجھے آتے ہیں کہ مجھے فکر نہیں کرنا چاہیئے اگر کچھ میری قسمت میں ہوا تو یہیں پر مجھے مل رہے گا - مجھے بھی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہے کہ وہ جو کچھ کریں گے میرے لیے بہتر ہو گا -

اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم رہا ہے - میرا ریکارڈ کوئی اتنا بُرا نہیں - میری عمر بھر میں آج تک کوئی رپورٹ Above average

یا Outstanding سے نیچے نہیں ہوئی۔ مدت سے کمان کے لیے سفارش ہوتی چلی آ رہی ہے اس لیے اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ساتھ ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ مجھے موقعہ نہ ملے لیکن اگر قسمت میں نہیں ہے تو غلام حیدر کچھ نہیں کر سکتا۔

غلام حیدر پر میں نے اس کی ابتدائی کمشن سروس میں احسان کیے ہیں۔ میرے ہوتے ہوئے کوئی ان کی طرف نظر اُٹھا کر نہیں دیکھ سکتا تھا ورنہ سکھ ان کو نگل جاتے۔ اس کے بعد بھی میں نے اس کے ساتھ کوئی برائی نہیں کی۔ خدا جانے وُہ خواہ مخواہ کیوں ناراض ہے۔ جہاں تک اس کی مہربانیوں کا تعلق ہے۔ اس نے گجرات کے جاٹوں پر بہت مہربانیاں کی ہیں۔ کرنل بشیر وڑائچ اور افتخار احمد چوہدری جہاں چاہتے ہیں پوسٹنگ کروا لیتے ہیں۔ بہرحال ہمیں اس سے تعلق نہیں۔ وُہ اپنے کردار کا مالک ہے۔ میں نے اس سے پوچھ لینا اس لیے مناسب سمجھا تھا کیونکہ میجر سے اوپر والے کاغذات سے اس کا تعلق ہے۔

فوجی ملازمت سے ابھی تنگ بھی چکا ہوں۔ یہ ملازمت اب وُہ پرانی ملازمت نہیں رہ گئی۔ ہر دن خدا خدا کر کے گزارنا پڑتا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی جانتا ہوں مگر گھر پہ بھی وقت گزارنا مشکل ہو جاتا ہے۔ منٹگمری شہر میں زمین لی ہے وہاں مکان بنانے کا ارادہ ہے۔

آپ کو بھلا پنشن کتنی ہوئی ہے۔ تجارت کس چیز کی کرتے

ہیں - میں دعاگو ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو خوش و خرم رکھے۔
میرے لائق اگر کوئی خدمت ہو تو ضرور یاد فرمادیں - میرے
لیے یہ فخر ہوگا کہ میں آپ، کے کسی کام آسکوں -

احقر

طفیل محمد

*

۷۸۶

نمبرا ونگ ۔ ای ۔ پی ۔ آر

اکھوڑا ۔

۱۹ ۔ جون ۱۹۵۸ء

برادرِ محترم چوہدری عبد الرحمٰن صاحب زاد عنایتہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ ۔ پرسوں آپ کا خط ملا ۔ میں آپ کی تکلیف کے لیے جو آپ نے میرے لیے گوارا فرمائی بہت مشکور ہوں لیکن مجھے بالکل افسوس نہیں ہے کہ میں نے آپ کو تکلیف دی کیونکہ میں اسے اپنا حق سمجھتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کا وقت اپنی رحمت سے عزت اور آرام سے گزاریں ۔ آمین !

حیدر صاحب کے الفاظ تسلی بخش ہیں اور ان حالات میں میرے خیال میں میرے لیے یہاں ہی رہنا بہتر ہے ۔ آپ خوش ہوں گے ہمارے کمانڈنٹ بریگیڈیر صاحبداد صاحب آرہے ہیں ۔ تقریباً ایک ہفتہ تک یہاں پہنچ جاویں گے ۔ دعا فرماویں کہ میرا وقت ان کے ماتحت خوش اسلوبی سے گزر جائے ۔ میری اپنی طرف سے انشاء اللہ تعالیٰ انہیں کوئی شکایت نہیں ہو گی ۔

حیدر صاحب نے خدا جانے دوسرے کن دوستوں کے متعلق کہا جنھوں نے انہیں میرے متعلق کہا کیونکہ میں نے سوائے میجر عبد الرحمٰن جو کہ M.S. میں ہی ہیں اور میری پلٹن سے ہیں اور کرنل نصر اللہ جو کہ میرے دوست ہیں اور آج کل ۱۵ پنجاب کی کمان کر رہے

ہیں کسی کو نہیں لکھا۔ ان سے بھی یہ نہیں لکھا تھا کہ وہ حیدر کو ملیں بلکہ
اُن سے ذاتی تعلقات کی بنا پر پوچھا تھا کہ مجھے اس وقت E.P.R. میں
کیوں بھیجا جا رہا ہے۔ ممکن ہے انہوں نے اس سے بات کی ہو یا کسی
دوسرے ہمدرد نے ذکر کیا ہو۔ بہرحال میں نے کسی سے نہیں کہا کہ اُن
سے پوچھا جاوے۔

میرا خیال ہے کہ شاید ایک سال تک نمبر آ دے۔ اگر کہیں پنڈی
جانے کا اتفاق ہو اور مناسب سمجھیں تو ان سے کہیئے کہ اگر پروموشن ملے
تو یا تو یہیں رہنے دیویں اگر نہیں تو کسی آرام کی جگہ پر بھیج دیویں کیونکہ
عمر کا پنتالیسواں سال شروع ہونے والا ہے اور بڑھاپا محسوس کر رہا ہوں

ٹیوب ویل خدا کے فضل سے خوب اچھی طرح سے چل رہا تھا۔
معقول آمدنی بھی تھی۔ لیکن ابھی پرسوں خط ملا ہے کہ جس جگہ پر انجن فٹ
کیا ہُوا تھا وہ جگہ نیچے دھس گئی جس سے انجن ٹوٹ گیا۔ انجن ۱۹۵۳ء
میں تیرہ ہزار روپیہ کو لیا تھا۔ ابھی چٹاگانگ سے پتہ کیا ہے ۲۲۵۰۰ روپے
کو ملتا ہے۔ اتنا بڑا خرچ پھر آ گیا ہے۔ دوسرے ویسٹ پاکستان میں آسانی
سے ملتا نہیں ہے۔ فصل کا موقعہ ہے۔ سب کچھ سپرد خدا ہے۔

احقر

طفیل محمد

۲۸۶

سکول آف انفنٹری اینڈ ٹیکٹکس

کوئٹہ

۹ ـ نومبر ۱۹۵۶ء

مائی ڈیر ڈاکٹر

ایک ماہ قبل آپ کا خط ملا تھا ـ یہ وُہ وقت تھا جب میں راولپنڈی اور فرنٹیئر وغیرہ کے یونٹوں پر ایک مہینے کے دورے پر جا رہا تھا ـ میں نے آپ کا خط اس خیال سے اپنے ساتھ لے لیا کہ کسی جگہ بیٹھ کر تفصیلی جواب تحریر کروں گا لیکن خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا ، مجھے وقت ملا اور نہ ہی اس موڈ میں تھا کہ آپ کو خط لکھتا ـ چنانچہ قدرتی بات ہے میں منتظر رہا ـ یہاں تک کہ واپس کوئٹہ آ گیا ـ

۲۹ ـ اکتوبر کو میں یہاں پہنچا کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بہت بڑا انبار میرا انتظار کر رہا ہے ـ ایک ماہ کا کام مکمل کر چکنے کے بعد فارغ ہو کر آپ سے مخاطب ہوں ـ مجھے یقینِ کامل ہے کہ آپ حسبِ معمول تاخیر محسوس نہیں کریں گے ـ کیونکہ ہزاروں میل کے فاصلے کے باوجود آپ میرے بہت قریب رہے ہیں ـ

یہ جان کر آپ کو خوشی ہو گی کہ کرنل مظفر کو ترقی دے کر بریگیڈیئر بنا دیا گیا ـ انہوں نے سیالکوٹ میں ایک بریگیڈ سنبھال لی ہے ـ جب وُہ بٹالین سے رخصت ہوئے تو انہیں الوداع کہنے کے لیے میں مالاکنڈ میں موجود تھا ـ چوہدری شریف احمد کا

کیا حال ہے ؟ انہیں میری جانب سے سلام کہیئے۔ انور کی راولپنڈی تبدیلی ہو گئی ہے۔

آپ کے اہل و عیال کا کیا حال ہے ؟ کیا وہ بھی آپ کے ہاں پہنچ گئے ہیں ؟ اگر کوئی مشکل درپیش ہو تو مجھے بتائیے۔ کیا میں آپ کی کوئی خدمت کر سکتا ہوں ؟

اپریل ۱۹۵۷ء میں میری یہاں مدت پوری ہو رہی ہے۔ دیکھیے اب کہاں تقرر ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے میں مشرقی پاکستان چلا جاؤں۔ میرے خیال میں آپ تو ابھی دو سال تک انگلستان میں رہیں گے۔ آپ رخصت پر تو نہیں آرہے ؟

مصر غریب پر بزدلانہ اور وحشیانہ حملے کی وجہ سے انگریز اب یہاں قابل اعتماد اور مقبول نہیں رہے۔ لوگ تو اب ان سے نفرت کرتے ہیں۔ برطانوی عوام کا اس سلسلے میں کیا ردِ عمل ہے ؟

پاکستان میں ہمارے تمام دوست بخیریت ہیں اور آپ کی کامیابی کے لیے دعا گو۔ جواب جلدی دیجیئے گا۔

نیک خواہشات کے ساتھ

مخلص

طفیل محمد

۴۸۶

میجر طفیل محمد

۱۳ر پنجاب ، جیسور

(مشرقی پاکستان)

یکم جولائی ۱۹۵۷ء

مائی ڈیر ڈاکٹر

ایک عرصے سے آپ کی طرف سے کوئی خط نہیں آیا۔ مجھے اُمید ہے آپ خوش و خرم ہوں گے ۔ براہِ کرم کبھی کبھار لکھتے رہیئے تاکہ مجھے آپ کی خیر خیریت کا پتہ چلتا رہے ۔

میں ۲۰ر مارچ کو دو مہینے کی رخصت پر کوئٹہ سے روانہ ہو گیا تھا چھٹی کے دوران میں میں نے ماسٹر فضل کریم کے صاحبزادے کی شادی خانہ آبادی کی تقریب میں شرکت کی۔ چک نمبر ۲۳۲/ جی ۔ بی میں مجھے آپ کے والد محترم سے ملاقات کا شرف بھی حاصل ہُوا ۔ وُہ بہت خوش و خرم اور صحت مند تھے ۔

رخصت ختم کر کے میں مالاکنڈ میں اپنی بٹالین سے جا ملا۔ میں نے بمشکل وہاں دو ہفتے قیام کیا ہو گا کہ مجھے اسّی آدمیوں کی معیت میں مشرقی پاکستان جانے کے احکامات ملے ۔ نوروز کے خوشگوار سفر کے بعد میں یہاں پہنچ گیا ہوں اور آج کل چارج لے رہا ہوں ۔ جولائی کے وسط تک میری بٹالین بھی یہاں پہنچ جائے گی ۔

مشرقی پاکستان کے بارے میں جو تھوڑا بہت میں نے دیکھا ہے

وہ نہایت دلفریب ہے۔ ہر طرف ہریاول ہی ہریاول ہے اور چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں پر ناریل کے درخت سر تانے کھڑے ہیں۔ مسلسل بارش ہوتے رہنا اور ہر جگہ نمی کا احساس مجھے نہیں بھایا۔ مجھے اُمید ہے اور خداوند کریم سے دعاگو ہوں کہ یہاں میرا وقت اچھا کٹے۔

آپ کے مزاج کیسے ہیں۔ آپ کے بچے بھی ابھی وہاں نہیں پہنچے کیا؟ آپ نے مختصر سے دورے پر پاکستان آنے کے بارے میں کہا تھا؟

براہ کرم مجھے بتائیے کہ میں آپ کے کس کام آسکتا ہوں۔ کیا ولایت میں کوئی اور گوجر بھی قیام پذیر ہے؟

نیک خواہشات اور تمناؤں کے ساتھ

مخلص

طفیل محمد

*

۷۸۶

حیدر آباد (سندھ)
۱۴/ اکتوبر ۱۹۴۷ء

ڈیر طفیل

السلام علیکم - اُمید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے - بندہ نے پہلے بھی ایک خط آپ کی خدمت میں لکھا تھا - اُمید ہے جناب کو مل گیا ہو گا - خط میں دیری اس لیے ہو گئی ہے کہ میں بیمار رہا ہوں - علاج کروا رہا ہوں - پہلے سے تھوڑا آرام ہے لیکن تکلیف ابھی بھی ہے - امید ہے کہ آپ بھی تندرست ہوں گے - خدا تعالیٰ آپ کو ہر طرح سے محفوظ رکھے - آپ کی پلٹن کے افسر اکثر یہاں آتے رہتے ہیں اور ملاقات ہوتی رہتی ہے - جب وہ آپ کی بابت مجھے باتیں بتاتے ہیں تو میرا دل بہت ہی خوش ہوتا ہے - بھائی صاحب کام کرنے والے کی قدر ہر جگہ پر ہوتی ہے - آپ کی تعریف آپ کے کرنل سے لے کر سب کرتے ہیں - خدا جانتا ہے کہ میرا دل سُن کر بہت ہی خوش ہوتا ہے -

میں نے ان کو بتایا ہے کہ طفیل وہاں پر بھی بہت اچھا کام کر رہا ہے -

تابعدار

نذر حسین

میرا پتہ

۲/۸ پنجاب رجمنٹ حیدر آباد
(سندھ)

۴۸۶

چک نمبر ۲۵۳ / ای-بی

۱۹ ر اکتوبر ۱۹۴۸ء

جناب اخوانصاحب چودھری طفیل محمد صاحب دام اقبالہٗ

السلام علیکم - احوال آنکہ - عرصہ ایک ماہ سے آپ کی خیریت کی کوئی اطلاع نہیں آئی ہے - پتہ نہیں کیا وجہ ہے - بہت فکر ہو رہا ہے - بہت جلد اپنی خیریت سے مطلع کریں -

جس کام کے لیے آپ گلگت تعینات ہوئے ہیں اگر اس سے جلد واپسی کی اُمید ہے تو خیر - ورنہ بہت جلد رخصت لے کر ایک دفعہ گھر ضرور پھر جاویں - والد صاحب اور والدہ صاحبہ دونوں کی طرف سے سخت تاکید ہے - اگر کوئی ضروری امر مانع ہو تو تکلیف نہ کریں -

جناب اخوان صاحب تاکید فرماتے ہیں کہ اگر آسانی سے رخصت مل سکے تو مل جاؤ ورنہ کسی خاص کوشش کی ضرورت نہیں ہے اور وہ دعاگو ہیں کہ خداوند کریم نے جب کام کے لیے بھیجا ہے اس میں آپ کو کامیابی ہو -

آمین !

اقبال محمد

ریاست چترال

۲۴۔ دسمبر ۱۹۴۸ئہ

میرے عزیز دوست

آپ کے خط ڈی۔ او۔ آر۔ ایچ ۷۰ مورخہ ۳۰ ر نومبر ۱۹۴۸ئہ کے لیے بے حد مشکور ہوں۔ میں اپنے باڈی گارڈ خادمی دستگیر کی اسلام اور پاکستان کی خدمات کے سلسلے میں آپ کی ذاتی تعریف سن کر بہت خوش ہوا۔ مجھے ابھی تک وہ رائفلیں واپس نہیں ملیں جو میرے باڈی گارڈ کی پہلی جماعت نے پیچھے چھوڑ دی تھیں۔ میں آپ کا بے حد مشکور ہوں گا اگر آپ اُن کی بازیابی میں مدد کرسکیں

آپ کا مخلص

ہزہائنس مہتر آف چترال

*

۴۸۶

میجر نذر حسین
2/8 پنجاب رجمنٹ
ملیر کینٹ
۲۲ر جنوری ۱۹۴۹ء

ڈیر طفیل صاحب

السلام علیکم - اُمید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے - کافی عرصہ ہُوا بندہ خط نہ لکھ سکا - وجہ یہ ہے کہ میں پہلے بیمار رہا ہوں اور بعد میں رخصت پر گیا ہُوا تھا - اب رخصت کاٹ کر حاضر ہُوا ہے - گھر پر بھی بچے بیمار تھے - اچھا خدا رحم کرے گا -

آپ اپنی خیریت سے مطلع کریں - بہت فکر ہے - خدا صاحب خیریت کی خبر آئے - آپ لکھیں کہ کرنل صاحب بھی وہاں ہی ہیں یا کہیں اور ہیں اللہ تعالیٰ آپ کے کام میں برکت دے - انشاء اللہ فتح ہماری ہو گی اور کفاروں کو شکست ہو گی -

ہماری پلٹن حیدر آباد سے تبدیل ہو کر ملیر چھاؤنی آ گئی ہے - ہم لوگ آج ہی یہاں پہنچے ہیں - آپ خط کا جواب ملیر کے پتہ پر ہی دیں -

اچھا خدا حافظ

تابعدار

نذر حسین

بنام اللہ تعالیٰ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ط

از استور

صانہا اللہ تعالیٰ و بلاد المسلمین

عن الحور بعد الکور

(اللہ تعالیٰ استور اور مسلمانوں

کے تمام شہروں کو آبادی کے

بعد بربادی سے محفوظ رکھے)

(مُہر)

مورخہ

۲۸ ماہ مبارک صفر

۱۳۶۹ھ

یوم متبرک دوشنبہ

۱۲

ابوالحسنات

محمد عبدالحی بونجوی

عفی عنہ

بگرامی خدمت عالی جناب جامع الاوصاف والکمالات

المستغنی عن وصف کل واصف و مدح کل مادح العادل المنصف

مخدومنا ومعظمنا ومکرمنا ومحترمنا جناب اعلیٰ حضرت میجر

صاحب اسمہ الشریف طفیل محمد ادام اقبالہٗ واظلہٗ اللہ الصمد

(اوصاف حمیدہ اور کمالات اپنے اندر رکھنے والا جو کہ ہر تعریف

کرنے والے کی تعریف سے اور ہر مدح کرنے والے کی مدح

کے محتاج نہیں ہیں، جو کہ عادل اور انصاف کرنے والے ہیں

ہمارے مخدوم اور ہمارے بزرگ اور قابل اکرام اور ہمارے

محترم جن کا اسم شریف یہ ہے۔ اللہ الصمد آپ کے اقبال اور

سایہ کو ہمیشہ رکھے، آمین صمد اللہ تعالیٰ کا صفاتی اسم شریف ہے جس کے معنی تمام دنیا کا محتاج الیہ ہے یعنی تمام دنیا اس کا محتاج ہے وُہ کسی کا محتاج نہیں - ابو الحسنات محمد عبدالحی بونجوی عفی عنہ)

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ تعالیٰ وبرکاتہٗ

امابعد بکمال آداب گزارش خدمت عالی ہے کہ نوازش نامہ بذریعہ ڈاکٹر عبدالرشید صاحب دام اقبالہٗ موصول ہو کر نہایت مسرت کا باعث ہوُا۔ تمام کوائف مندرجہ سے آگاہی ہوئی - یاد آوری کے صدق دل سے شاکر ہیں - آنجناب کی ترقی اقبال وجاہ ومرتبہ کے لیے اور سعادت دینوی ودنیوی کے واسطے مدام بدرگاہِ قاضی الحاجات بہ کاتب الحروف اور مولانا صاحب عبدالمنان سلمہٗ ہاتھ پھیلائے ہوئے ہیں - انشاء اللہ تعالیٰ ہم امید کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آنجناب کو ہر قسم کی ترقی دیں گے -آمین! باقی میری عربی ٹیچری کی تقرری کے متعلق پولیٹکل ایجنٹ صاحب بہادر گلگت دام اقبالہٗ کی طرف سے تاہنوز کوئی حکم موصول نہیں ہوُا، تعجب ہے کہ باوجود اتنی کاوشوں کے اور اتنی تاخیر کے جناب موصوف منظوری نہیں بھیجتے -معلوم نہیں کیا وجہ ہے - اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے ہاں، البتہ ترقی تنخواہ کے متعلق تقرری کی درخواست کے بہت بعد جو درخواست دی گئی تھی -اس کی عدم منظوری صاحب موصوف کے دستخط سے مزیّن ہو کر آگئی ہے -جس کا ترجمہ بجنسہٖ یہ ہے -

"نقل چھٹی" - از پولٹیکل ایجنٹ گلگت - تا اے پی اے استور
واپس ہوئے - جو حالات آپ نے تحریر کیے ہیں ان کے مطابق
کوئی خاص تنخواہ منظور نہیں کی جا سکتی - تاہم جب آپ سنہ ۱۹۵۱، ۵۲
کے بجٹ کا اندازہ بھیجیں اس وقت اس معاملے کو بھی پیش کیا
جاوے - تب غور ہو سکتا ہے - دستخط دبجروف انگریزی،
پی - اے گلگت"

باقی آپ کا یہ فرمانا کہ سر سید مرحوم کا کام سونپا ہو یہ آنجناب کا
حسن ظن ہے ورنہ :

من آنم کہ من مے دانم

اللہ تعالیٰ ہم تمام مسلمانوں کو اپنے کام میں لگاوے اور مصیبت
دینی میں مبتلا نہ کرے آمین ! باقی آنجناب کا ہمارے متعلق دعائے
نیک کرنا سو اس پر ہم آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور بفحوائے
"احسان کا بدلہ احسان ہے" آنجناب کے لیے وہ دعائیں مانگتے
ہیں جن کو ہم اوپر لکھ آئے ہیں - اللہ تعالیٰ قبول فرمائے ! ہماری
منظوری ہمارے بونجی جانے سے پہلے دلوا دیجئے گا ورنہ خطرہ
ہے کہ بونجی جانے کے بعد ہمارے گھر والے ہم کو استور آنے
نہیں دیں گے - پہلے بھی ہم بغیر ان کی اجازت کے اکابر قوم کی
استدعا پر آئے تھے - اب تو ان کے لیے ایک بہانہ ہاتھ آئیگا
اور قیام بونجی کے زمانے میں مدرسہ اسلامیہ چلاس کے مہتمم مولانا
میر سبحان صاحب نے بھی مجھ کو اس مدرسہ میں پڑھانے کے لیے
اصرار کیا تھا اور کئی مرتبہ کہلا بھیجا تھا اور جوابی تار بھی دیا تھا لیکن

اس کاتب الحروف نے وہاں جانے سے انکار کر دیا اور اس خطہ کو اختیار کیا کیونکہ یہاں علم دین پھیلانے کی زیادہ ضرورت ہے۔ اگر جناب پولٹیکل صاحب ہماری منظوری میں پس و پیش کریں گے تو بہت ممکن ہے کہ مدرسہ بالا کے اراکین اپنے مدرسہ کی تدریس کا کام سنبھالنے کے لیے مجھ کو مجبور کریں گے۔ باقی زیادہ لکھنا فضول ہے پولٹیکل صاحب کا اختیار ہے آں جناب کے ذمہ کوشش کرنا ہے اب میں اپنی عادت کے مطابق چند ایک دو نصیحتیں زیب قلم کرتا ہوں کیوں کہ :

ارشاد خداوندی ہے "نصیحت کے لیے کیونکہ نصیحت مومنوں کو فائدہ دیتی ہے"۔ مال والوں کی مال اور اولاد والوں کی اولاد جس کے پیچھے لوگ اپنی تمام عمر صرف کرتے ہیں یہ سب دنیا میں چھوڑ جانے کی چیزیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے پاس ہر انسان ویسا ہی اکیلا جانے والا ہے جس طرح اکیلا دنیا میں آیا تھا۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قبر تک ہر انسان کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں۔ اولاد[1] مال[2] اور عمل[3]۔ پھر اولاد اور مال تو اس کو قبر میں اکیلا چھوڑ کر پلٹ آنے والے چیزیں ہیں۔ صرف ایک عمل اس کے ساتھ رہنے کی چیز ہے۔ ترمذی شریف میں حضرت انس اور حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ دنیا میں رہ کر جو شخص دین کے کاموں میں لگا رہتا ہے اس کا دل دنیا سے غنی رہتا ہے اور بغیر کوشش کے بقدر ضرورت دنیا بھی اس کے ہاتھ آتی ہے اور جو شخص بالکل دنیا کی طرف راغب

ہو جاتا ہے وہ ہمیشہ پریشان حال رہتا ہے اور مقدر سے زیادہ کچھ اس کو نہیں ملتا۔ فقط۔ مولانا صاحب اور تمام طلباء کی طرف سے سلام مسنون۔

ستارۂ اقبال تاباں رہے۔

الراقم جناب کا دعاگو خادم محتاج رحمت پروردگار قوی

ابوالحسنات محمد عبدالحی بونجوی عفی عنہ

عربی ٹیچر مڈل اسٹور ۵

*

باسمہٖ تعالیٰ

الٰہی باری خدایا بطفیلِ محمد　　الٰہی بطفیل محمد بخش!
اقبالِ مکتوب الیہ را بلند کن　　تمام بلاد ہندیہ دارالاسلام باد
پاکستان زندہ باد

بگرامی خدمت عالی جناب مکرمم و محترمم و مشفقم و مہربانم
عالی شان میجر طفیل محمد صاحب

آپ کو سلامت رکھے اور آپ کے اقبال میں دن دوگنی رات چوگنی ترقی عنایت کرے اور آپ کو اپنے دین کے کام میں لگا دے اللہ الصمد آمین! فآمین ثم آمین!

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ و مغفرتہٗ و رضوانہٗ

اما بعد دعائے ترقی اقبال و زیادتی عمر و سلامتی از آفات دارین کے بعد عرض خدمت عالی ہے کہ مدت مدید گزری کہ آنجناب کی جانب سے کوئی عنایت نامہ موصول نہیں ہوُا اور کاتب الحروف کو بھی آپ سے خط و کتابت کرنے کا موقع نہیں ملا جس کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ اس سال اس حقیر پر یکے بعد دیگرے مختلف مصائب اللہ تعالیٰ کے حکم سے نازل ہوئے۔ شاید جناب کے پاس ڈاکٹر رشید صاحب سلمہ ابوالحسنات محمد عبدالحی بونجوی عفی عنہ نے ذکر کیا ہو گا ؎

ہر چہ خسرو کند آں شیریں بود

انہی مصائب کی وجہ سے خط لکھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ دوسری وجہ یہ

یہ ہوئی اور یہ وجہ خط زیادہ لکھنے کے ساتھ مخصوص ہے کہ ہم آنجناب کو بار بار خط لکھ کر تکلیف دینا مناسب نہیں سمجھتے کیونکہ آپ کو غالباً اپنے اہم فرائض کی وجہ سے فرصت کم ملتی ہے۔ یہ حقیر ماہ مارچ کو لونجی میں جب کہ ان مصائب مذکورہ بالا کے سلسلے میں آیا تھا ٹیلیفون پر آپ سے ملاقات کا بے حد متمنی اور مشتاق تھا لیکن آپ اپنے فرائض کی انجام دہی کی وجہ سے مل نہ سکے۔ انہی وجوہ سے آپ کو خط لکھنے کی ہمت نہ ہوئی۔

خط نہ لکھنے کا یہ مطلب ہرگز نہ سمجھیئے گا کہ ہم آپ کو بھول گئے ہیں۔ یہ تو انشاء اللہ تعالیٰ ناممکن ہے۔ آپ جیسے انصاف پیشہ اور با اخلاق اور نیک اور مہربان افسر کو بھولنا کمینوں کا کام ہے۔ الغرض بھولے آپ کو نہیں ہیں بلکہ آپ کی یاد برابر رہتی ہے اور رہے گی اور دعا میں بھی انشاء اللہ تعالیٰ کوتاہی نہ ہو گی اور مدرسہ تعلیم الفرقان اللہ تعالیٰ کے توکل پر چل رہا ہے...

خدا خود میر سامان ست ارباب توکل را

باقی خدائے تعالیٰ کی مہربانی سے اس طرف خیریت ہے۔ اُمید ہے کہ آنجناب بھی خیریت سے ہوں گے۔ مولوی صاحب عبدالمنان کی طرف سے سلام مسنون عرض باد۔ سردست آنجناب کو ایک بات کی تکلیف دیتا ہوں امید ہے کہ آں جناب اس کام کو انجام دے کر اجر دارین حاصل کرو گے ؎

بر آوردن کار امیدوار — بہ از قید بندی شکستن ہزار

(سعدیؒ)

فقط۔ ستارہ اقبال تاباں رہے!!

جناب کا دعاگو خادم اور آنجناب کی ترقی اقبال کا خواہاں

مولوی ابوالحسنات محمد عبدالحی بونجوی عفی عنہ

عربی ٹیچر مڈل سکول و انچارج تعلیم مدرسہ تعلیم الفرقان

استور ضلع گلگت

(پاکستان)

۷۰/۹/۹ ھ

مُہر

*

ای - پی - آر ہیڈ کوارٹرز

فیلخانہ - ڈھاکہ

۱۳ راگست ۱۹۵۸ء

برادرِ محترم

السلام علیکم - میں کل رات پہاڑ جیسا پتھر دل پر رکھے واپس ڈھاکہ پہنچ گیا ہوں -

ہمارا جہاز انجن کی خرابی کی وجہ سے لاہور سے کافی دیر سے چلا - لہٰذا شام کو یہاں پہنچنا پڑا - واپس آیا تو بچوں کی طبیعت بہت پریشان تھی - میری بیوی کے تین بھائی کوئٹہ زلزلہ میں فوت ہو گئے تھے - لہٰذا اس خلا کو میجر صاحب نے پورا کیا ہوا تھا - میرا بڑا بچہ منصور اب بھی بار بار اپنے تایا جی کے لیے پوچھتا ہے - لیکن ہمارے پاس سوائے آنسوؤں کے اور کچھ جواب نہیں بن پڑتا - جب ہم لوگ اپنی حالت دیکھتے ہیں - تو آپ لوگوں کا خیال آتا ہے - خاص کر ماں جی کا - میجر صاحب تو آپ لوگوں کا خون تھے! ہماری دعا ہے کہ خدا آپ کو اس صدمۂ جانکاہ کے برداشت کرنے کی توفیق دے - میری آپ سے عرض ہے کہ آپ اختر اور ماں جی کو بیٹھ کر اس مایۂ ناز ہستی کی دل کھول کر باتیں کیا کریں - ممکن ہے اس طرح سے آپ کے دل کا غبار ہلکا ہو جایا کرے - میں جانتا ہوں کہ یہ وہ صدمہ ہے جو اس طرح باتوں سے نہ بھلایا جا سکے گا - لیکن اس کے

سوا چارہ ہی کیا ہے۔ موت اور زندگی دونوں اس رب العالمین کے ہاتھوں میں ہیں جس نے دو جہاں بنائے ہیں۔ انسان کے بس میں ہے صرف صبر اور شکر! چنانچہ ہم سب کے لیے موزوں یہی ہے کہ اس غم کو برداشت کرنے کی کوشش کریں۔ اور خدا سے مرحوم کے لیے ہر گھڑی دعا کریں۔ ہمارے لیے صرف یہی سہارا کافی ہے کہ اس فرشتہ سیرت انسان نے اپنے ملک کے لیے اپنی جان کی بھی قربانی دے دی یہ نقصان آج صرف ہمارا ہی نہیں۔ پوری قوم کا نقصان ہے اور ہمارے غم میں ہزاروں لوگ شریک ہیں۔ جناب چودھری صاحب کی بھی اس وقت کمر ٹوٹ گئی ہے۔ لہٰذا آپ پر یہ عائد ہوتا ہے کہ اپنے حوصلہ اور صبر سے سب کا غم مٹائیں۔ اور مرحوم کی روح کو تکلیف نہ دیں۔

میں آج شام کو ڈاکٹر کے پاس گیا تھا لیکن وہ گھر نہ مل سکا۔ اپنے کرنل صاحب نے اس ڈاکٹر سے ملاقات کی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ میجر صاحب نے کوئی خاص بات وصیت کے طور پر نہیں کہی۔ آخری دم تک میجر صاحب نہایت ہشاش بشاش تھے اور یہی کہتے تھے کہ میں انشاءاللہ ٹھیک ہو کر جلد اپنے جوانوں کے پاس واپس چلا جاؤں گا۔ کسی کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ میجر صاحب اس طرح اچانک داغ مفارقت دے جائیں گے۔ ڈاکٹروں کو کافی اطمینان تھا۔ ہسپتال میں ۱۵۰ آدمیوں کا خون ٹیسٹ کرنے کے بعد دو آدمی ایسے ملے جن کا خون میجر صاحب سے ملتا تھا۔ ان کا خون لیا گیا اور میجر صاحب کو کلوروفارم دیا گیا۔ یہ خون اُن کے جسم میں جانے بھی نہ پایا تھا کہ وہ شہید ہو گئے۔ ان کے پیٹ میں دو نہیں چار گولیاں پھنسی ہوئی

ملیں۔ اصل میں ان کا زیادہ خون اس وقت نکلا جب وہ اس کمانڈر سے گتھم گتھا ہوئے۔ آپ نے دیکھا ہو گا۔ میجر صاحب کے سر پر بھی خون کے نشان تھے۔ یہ اس کافر نے میجر صاحب کی لوہے کی ٹوپی ہیں ان کے سر پر ہاتھوں ہاتھ لڑائی میں ماری تھی۔ میں نے خود اسے آنکھوں سے یہاں دیکھا تھا۔ اس کے کپڑے خون سے لتھڑے پڑے تھے۔ حالانکہ اسے ظاہراً کوئی چوٹ نہ لگی تھی۔ میں حیران تھا یہ خون کہاں سے آیا۔ اب معلوم ہوا اور اُس نے بیان بھی دیا کہ یہ میجر صاحب کا خون تھا جو ہاتھوں ہاتھ لڑائی میں اسے میجر صاحب کے زخمی ہونے کے بعد ان سے لگا!

میجر صاحب کا اردلی اقبال یہاں میرے گھر آیا تھا۔ اسی دن میری بیگم نے سامان لینے کے لیے بھیج دیا تھا۔ وہ ابھی تک واپس تو نہیں آیا۔ آج اُسے ٹیلیفون بھی کیا تھا۔ لیکن ملاقات نہ ہو سکی۔

وہ میجر صاحب کے ساتھ آخری دم تک رہا۔ جمعہ کی رات بھی ان کے ساتھ تھا اور ہسپتال میں بھی ان کے ساتھ رہا جب کہ ان کا اپریشن ہو رہا تھا۔ وہ ان سے تھوڑی دیر کے لیے علیحدہ ہوا اور کمرے کے باہر بیٹھا رہا۔ اُس نے بھی یہی بتایا کہ میجر صاحب نے گھر کے بارے میں کچھ خاص بات نہیں کی بلکہ وہ اسے اور دوسرے لوگوں کو ہر لمحہ یہی تسلی دیتے رہے کہ وہ جلد ٹھیک ہو جائیں گے۔

بہرحال میں ڈاکٹر سے خود ملوں گا اور اس سے زیادہ اگر کچھ معلوم ہو گیا تو آپ کو لکھ بھیجوں گا۔ میرا بھی یہ ایمان ہے کہ میجر صاحب کی ہر خواہش کا احترام کیا جائے۔

مجھے افسوس ہے کہ گھر پر پریشانی اور حالات کے خراب ہونے کی وجہ سے مجھے جلدی واپس آنا پڑا۔ کاش کہ میں چند دن آپ لوگوں کے ساتھ اور ٹھہر کر آپ کا غم بٹا سکتا۔ میں جب وہاں سے چلا تو میجر صاحب کی ایک بات مجھے بار بار یاد آئی اور اب بھی آرہی ہے میں کوئٹہ میں اکثر میجر صاحب کے پاس رات بڑی دیر بیٹھا گپیں لگایا کرتا تھا۔ جب میں اٹھنے لگتا اور اجازت چاہتا کوئی مجبوری ظاہر کرتا تو میجر صاحب مجھے یہ کہہ کر زبردستی بٹھا لیتے کہ میں بہانہ کر رہا ہوں اور ان سے بھاگ رہا ہوں۔ کئی دفعہ اگر میں انہیں دو چار دن نہ مل سکا تو وہ ناراض ہو جایا کرتے تھے۔ بڑی مشکل سے ان کو منایا کرتا تھا۔ اب جب سوچتا ہوں کہ وہ تو مجھ سے ہمیشہ کے لیے ناراض ہو گئے ان کو کیسے مناؤں گا تو کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ اس دن آتے ہوئے بھی یہی خیال بار بار آتا تھا کہ میجر صاحب کہتے ہونگے کہ میں ان سے بھاگ رہا ہوں۔ خدا کرے کہ ان کی روح کو کبھی یہ خیال نہ آئے۔ لہٰذا عرض ہے کہ ہر دوسری جمعرات یعنی چودھویں دن آپ مجھ پر احسان کر کے ان کی قبر پر جا کر میری طرف سے دعا مانگا کریں۔ میرے دل کو کم از کم یہ تسلی رہے گی کہ میں نے اپنے دوست کی آدھی زیارت کر لی ہے۔

آج ریڈیو پر آپ لوگوں نے سن لیا ہوگا اور کل اخباروں میں بھی پڑھ لیں گے کہ حکومت نے میجر صاحب کو ان کی بہادری کے سلسلہ میں پاکستان کا سب سے بڑا تمغہ نشانِ حیدر جو Victoria Cross کے برابر ہے عطا فرمایا ہے۔ کاش وہ یہ دن اپنی آنکھوں سے دیکھتے!

میں آتی بار اختر کو بول آیا تھا کہ میجر صاحب کا ایک بڑا فوٹو مجھے بذریعہ ڈاک بھیج دینا - اس کو یاد دلا دیں - مجھے افسوس ہے کہ اس دن افراتفری میں اس کا رول نمبر بھی معلوم نہ کر سکا - اُمید ہے وُہ پاس ہو گیا ہو گا - آپ اسے ضرور کالج میں داخل کروا دیں اور کوشش کریں کہ میڈیکل کے مضمون لے - اگر سرف آرٹس ہی پڑھا تو بس فوج ہی فوج کی نوکری ہے - بہتر ہے کہ وُہ ڈاکٹر بنے اور خدمت خلق کر کے اپنے تایا جی کی روح کو ٹھنڈک پہنچائے - ان کی بڑی خواہش یہ تھی کہ اختر علم حاصل کرے اور بڑا آدمی بنے - خدمت خلق تو ان کی گھٹی میں پڑی تھی - لہٰذا ان کی روح کے لیے یہ سب سے بڑی خوشی ہو گی کہ اختر ڈاکٹر بن کر غریبوں کے کام آئے -

منصور اور اس کی والدہ - آپ کے لیے - ماں جی - چودھری صاحب اختر اور تمام لواحقین کے لیے اظہارِ افسوس لکھوا رہے ہیں - میری طرف سے ماں جی کو آداب - چودھری صاحب - اختر - نیاز علی صاحب اور شریف صاحب کے والد صاحب کو السلام علیکم - اگر میں آپ کے کسی کام آسکوں تو مجھے اُمید ہے کہ آپ مجھے میجر طفیل کی خاطر اس کا موقع ضرور دیں گے -

مخلص

راجہ علی محمد

*

ای - پی - آر ہیڈ کوارٹرز

ڈھاکہ

۲۰ ر اگست ۱۹۵۸ء

برادرِ محترم

السلام علیکم - نوازش نامہ آپ کا ملے دو دن ہو گئے ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ فرصت کم ملنے کی وجہ سے آج جواب تیسرے دن دے رہا ہوں۔

مجھے یہ سن کر حیرانی ہوئی کہ آپ کو میرا خط ابھی تک نہیں ملا۔ حالانکہ یہاں پہنچتے ہی دوسرے دن میں نے آپ کو اور برادر شریف کو اکٹھے خط لکھے تھے۔ اُمید ہے اب تک وُہ خط مل گیا ہو گیا۔ شریف صاحب کو تو گزشتہ اتوار دستی رقعہ بھی بھیجا تھا۔ شریف صاحب نے یہ خبر بھیجی تھی کہ بردار خورشید اور عزیز اختر ان کے پاس آتے ہوتے ہیں۔ اختر کی کامیابی کی انہوں نے پہلے ہی اطلاع دے دی تھی۔ کاش اختر کے "تایا جی" اس دن زندہ ہوتے۔

کل جمعرات ہے اور میجر صاحب کو شہید ہوتے دو ہفتے ہو گئے ہیں۔ میری نظروں میں ان کا مسکراتا ہُوا چہرہ ہر وقت رہتا ہے۔ دعا کریں ہم سب کو خدا صبر کی توفیق دے۔ اُمید ہے میری عرض کے مطابق کل آپ ان کے مزار پر جا کر میری طرف سے فاتحہ خوانی کریں گے۔

میں نے گزشتہ خط میں آپ کو لکھا تھا کہ میں ڈاکٹر سے بھی ملاقات کر کے اگر کوئی اور تفصیل معلوم ہوئی تو آپ کو اطلاع دوں گا۔ میں ڈاکٹر صاحب

سے ملا تھا انہوں نے بھی یہی بتایا تھا کہ میجر صاحب نے کوئی بات خاص آخری وقت نہیں کہی - ڈاکٹر نے مجھ سے آپ کا پتہ لے لیا تھا کہ وُہ خود آپ کو خط لکھے گا - امید ہے اس کا خط بھی آپ کو مل گیا ہوگا - میجر صاحب کا اردلی بھی میرے پاس ہی ہے - وُہ آخری وقت تک میجر صاحب کے ساتھ رہا جو باتیں میں نے آپ سے عرض کی تھیں - اس سے زائد میجر صاحب نے کچھ نہیں فرمایا - کوئی شخص بھی نہیں کہتا کہ سوائے لڑائی کی باتوں کے میجر صاحب نے کچھ اور فرمایا ہو - بس اب یہی ہے کہ ہم میجر صاحب کے اعلیٰ اصولوں کو برقرار رکھیں - یہی ان کی زندگی تھی اور اسی میں ان کی روح کو خوشی ہو گی -

میجر صاحب کا سامان یہاں پہنچ گیا ہے - اس تمام کی لسٹ وغیرہ یہاں بنالی ہے - اس کے علاوہ چند ایک سرکاری کارروائیاں ہیں جو مکمل کرنی ہیں - اس سلسلہ میں دو دن ہوئے آپ کو ایک سرکاری خط بھیجا گیا ہے چونکہ میجر صاحب کی بیگم ہی ان کے کاغذات میں ان کی وارث ملی ہے - لہذا ان کے نام یہ خط بھیجا ہے - آپ ان سے دستخط کروا کر یا انگوٹھا لگوا کر بھیج دیں - مندرجہ ذیل الفاظ میں ان کی طرف سے تحریر آنی چاہیئے -

I———————w/o Late Maj. Tufail Mohd. of E. P. R. do hereby undertake to pay any amount outstanding against the name of my husband.

Sign. or T.I.

یہ تحریر سرکاری طور پر بھیجنی لازمی ہے۔ جب یہ تحریر ہمیں مل جائے گی تو ہم اس کو ان کی پنشن کے کاغذات کے ساتھ بھجوا دیں گے اور پنشن وغیرہ کا جلدی فیصلہ ہو جائے گا۔ فکر کچھ نہ کریں۔ میجر صاحب نے کسی کا کچھ لینا دینا نہیں تھا۔ یہاں ان کے -/۱۰۰۰ روپے پڑے ہوئے ہیں، جس میں ایک ٹھیکیدار کابل کوئی ۴۰۰ سے اوپر ان کے نام تھا۔ وہ ان -/۱۰۰۰ میں سے ادا کر دیا جائے گا۔ اس کے علاوہ کوئی سرکاری رقم میرے خیال میں ان کے ذمہ نہ تھی۔ یہاں سے ویسے .G.H.Q کو بھی لکھا گیا ہے کہ ان کی فیملی کو Benevolent Fund سے فوری مدد دی جائے۔ حکومت ایسٹ پاکستان کو بھی چٹھی لکھی ہے کہ کم ازکم -/۱۰،۰۰۰ روپیہ ان کی فیملی کو دیا جائے۔ ویسے اخباروں میں آپ نے دیکھا ہوگا کہ کسی تاجر نے کراچی میں بھی پریذیڈنٹ کو -/۵۰۰۰ کا چیک، میجر صاحب کی فیملی کے لیے دیا ہے۔ خیر روپیہ کوئی بات نہیں خدا کا آپ لوگوں پر بڑا فضل ہے۔ بہرحال اس سے ہمدردی کا اظہار ضرور ہوتا ہے اور یہ صرف میجر صاحب کے اپنے حسن اخلاق کا نتیجہ ہے کہ آج ہر پاکستانی کے منہ پر میجر صاحب کا ذکر ہے۔ پتہ نہیں یہ خبر ادھر کی اخباروں میں نکلی ہے یا نہیں کہ یہاں سیاسی جماعتوں کے کافی جلسے جلوس ہوئے اور ایک جلسے میں یہ ریزولیوشن پاس کیا گیا کہ لکشمی پور گاؤں کا نام "طفیل پور" رکھ دیا جائے۔ دوسرے کسی جلسے میں ۷ اگست کو "یوم شہید" منانے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔

میجر صاحب کا پسٹل اور گن تو یہاں آگئے ہیں لیکن لائسنس بدل کر آپ کے نام ابھی تک نہیں آئے۔ میں نے آج ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو ملا

کو اطلاع بھیجی ہے کہ اس معاملہ میں جلدی کرے۔ یہ ہتھیار اور باقی سامان ہم اس وقت شریف بھائی کے پاس بھیج دیں گے جب آپ کی طرف سے سرکاری چھٹی کا جواب آ جائے۔

میں نے شریف بھائی کو بھی لکھا تھا اور آپ سے بھی عرض ہے کہ اگر آپ کو زمین یا کسی مدد کی ضرورت ہو تو مجھے ضرور اطلاع دیں۔ ایک دن بریگیڈیر صاحب بھی کہہ رہے تھے کہ میں آپ سے زمین کے بارے میں تمام معلومات معلوم کروں۔ میں نے انہیں بتایا تھا کہ یہ قصہ شائد اب Federal Court کے پاس ہے۔ لہذا انہوں نے کہا کہ آپ ضرور تفصیلات سے ہم کو آگاہ کریں تاکہ کراچی میں پرائیویٹ طور پر یا سرکاری طور پر کسی کو خط لکھا جائے تاکہ آپ کو اس معاملہ میں زیادہ دقت نہ ہو۔

ماں جی کی طبیعت اب کیسی ہے۔ انہیں میری اور میرے بچوں کی طرف سے آداب کہہ دیں۔ چودھری صاحب۔ بابو نیاز علی۔ والد شریف صاحب۔ پیر صاحب و دیگر پرسان احوال کو السلام علیکم کہیں۔ میجر صاحب کا فوٹو ان کی البم سے نکال کر ضرور بھیجیں۔ تاکید ہے۔ میں اس کی کاپی بنوا کر فوٹو آپ کو واپس کر دوں گا۔

مخلص

علی محمد

*

۷۸۶

ایسٹ پاکستان رائفلز
فیل خانہ - ڈھاکہ
۱۲ر دسمبر ۱۹۵۸ء

فرسٹ بٹالین
۸ پنجاب رجمنٹ

مکرمی و معظمی جناب چودھری صاحب

السلام علیکم -

آپ کا نوازش نامہ صادر ہوا - بہت بہت شکریہ!

میجر صاحب مرحوم کا سامان ہم نے پچھلے ماہ روانہ کر دیا تھا- امید ہے آپ کے پاس پہنچ چکا ہو گا جو لوگ یہاں سے سامان لے کر گئے تھے ان کو -/۱۸۰ روپے دیے گئے تھے کہ آخر راستہ میں کچھ سامان کا کرایہ وغیرہ خرچ ہو تو اس رقم سے ادا کریں اور منزلِ مقصود پر پہنچ کر بقایا آپ کے حوالے کریں- برائے مہربانی اطلاع دیویں کہ کیا سامان پہنچ گیا ہے اور کتنے روپے اس -/۱۸۰ روپے میں سے آپ کو دیے گئے ہیں-

میجر صاحب کی چند دنوں کی تنخواہ اور کچھ T.A. کے بل پاس ہونے کے لیے گورنمنٹ کے پاس روانہ کیے ہوئے ہیں- پاس ہونے پر آپ کی خدمت میں روانہ کر دیے جائیں گے- آپ کو میجر صاحب کی پنشن کے متعلق جو کاغذات C.M.A. لاہور چھاؤنی سے موصول ہوئے ہیں ان کو آپ یہاں E.P.R. میں رجسٹر کر کے روانہ کر دیویں- یہ ٹھیک ہے کہ پنشن یہاں کی صوبائی حکومت دے گی- اگر آپ

کو E.P.R. سے خط و کتابت کرنی پڑے تو مندرجہ ذیل پتہ پر کریں۔

The Director General, East Pakistan Rifles,
Dacca.

جب بھی آپ کوئی خط وغیرہ E.P.R. کو روانہ کریں تو اس کی کاپی میرے پاس روانہ کر دیا کریں یا صرف اطلاع دے دیا کریں تاکہ میں یہاں اس کا پیچھا کر سکوں۔ مجھے براہِ راست بھی آپ بھیج سکتے ہیں لیکن ہو سکتا ہے کہ میں کہیں باہر جاؤں تو بعد میں آپ کو دقت ہوگی۔ اس لیے بہتر ہوگا کہ مذکورہ پتہ پر E.P.R. کو روانہ کریں تاکہ جو افسر اس پنشن کے کام کو انجام دینے کے لیے مقرر ہیں ان کو آپ کے خطوط ملیں اور جب مجھ کو اطلاع بھی مل جایا کرے گی تو میں خود ان آفیسرز سے ذاتی طور پر مل کر جلدی کر دیا کروں گا۔

نشانِ حیدر کے عنایت ہونے کے متعلق آپ کو سرکاری طور پر اطلاع دی جائے گی اور اس ساتھ تمام تفصیلات سے بھی آپ کو مطلع کیا جائے گا۔

یہاں سے تقریباً ۸۰ میل کے فاصلہ پر میجر صاحب مرحوم کی یاد میں برہمن باریا Brahman Baria کے مقام پر ایک بہت بڑا ٹورنامنٹ فٹ بال کا ہو رہا ہے۔ لکشمی پور گاؤں اس برہمن باریا تحصیل میں واقع ہے۔ ٹورنامنٹ کا نام۔

Maj. Tufail-Azam Memorial Tournament

یہ ٹورنامنٹ تقریباً ایک ماہ سے شروع ہے - کل اس کا فائنل میچ ہے
ہماری E.P.R کی ٹیم کل فائنل میں کھیل رہی ہے - میں بھی .E.P.R
کی ٹیم میں کھیلتا ہوں - اس سے پہلے چار میچوں میں بھی جا کر کھیلتا رہا ہوں
اور اب انشاء اللہ تعالیٰ کل صبح جا رہا ہوں - کل آخری میچ بہت بڑی تقریب
کے ساتھ کھیلا جا رہا ہے - بہت بڑے بڑے آفیسرز جا رہے ہیں اور
.E.P.R کا بینڈ بھی جا رہا ہے اور .E.P.R کے بہت لوگ ہر رینک
کے جمع ہوں گے - اُمید ہے کہ کیپٹن راجہ علی محمد صاحب بھی وہاں تشریف
لاویں گے - جیتنے والی ٹیم کو آدمی کے قد جتنی بڑی شیلڈ ملے گی - ہماری ٹیم
بہت جوش سے کھیلنے کا ارادہ رکھتی ہے - بلکہ سب کھلاڑی کہتے ہیں کہ
ہماری عزت کا سوال ہے اور اس شیلڈ کا جیتنا ہم پر فرض ہے اور اُمید
ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ ہم خداوند کریم کی مہربانی اور آپ کی دعا سے جیت
جائیں گے اگرچہ ہمارے مقابلے میں ایسٹ پاکستان سے چنی ہوئی ٹیم ہوگی -

آپ کی دعا سے باقی ہر طرح سے خیریت ہے -

فقط آداب - بزرگوں کی خدمت میں السلام علیکم عرض کریں -

بچوں کو پیار

آپ کا مخلص

نواز

*

کیمپ

۶۸-۱۲-۱۶

برادر مکرم.

السلام علیکم۔ خط آپ کا ملے کوئی چار دن ہوئے لیکن فرصت کم ہونے کی وجہ سے جلد جواب نہ دے سکا۔ گزشتہ سنیچروار میں میجر طفیل محمد فٹ بال ٹورنامنٹ دیکھنے برہمن باریہ گیا تھا۔ یہ جگہ اکھوڑا کے نزدیک کوئی دس میل پر ہے اور سب ڈویژن ہے۔ شاید وہاں سے S.D.O. نے آپ کو بھی دعوت نامہ بھیجا تھا یہ میچ E.P.R. ٹیم اور ایک لوکل کلب کی ٹیم کے درمیان تھا۔ میچ نہایت شاندار تھا E.P.R. کی ٹیم نے پانچ گولوں پر یہ میچ جیتا ہے اور شیلڈ حاصل کی ہے۔ انعامات جنرل امراؤ صاحب نے تقسیم کیے تھے جو شیلڈ اس ٹورنامنٹ کے لیے بنائی گئی ہے وہ واقعی تعریف کے قابل ہے۔ اس پر کوئی چار پانچ ہزار روپے لاگت آئی ہے۔ یہ قریباً چھ فٹ اونچی ہے اور اس کے سنٹر میں چاندی سے اس جگہ کا نقشہ بنایا گیا ہے جس جگہ پر میجر صاحب گولی کھا کے گرے تھے اور وہ خیمہ اس میں نمایاں طور پر ظاہر کیا گیا ہے جس سے میجر صاحب نے زخمی ہونے کے بعد گھتم گھتا لڑائی سے دشمن کے کمانڈر کو قیدی کیا گیا۔ ٹورنامنٹ سے پہلے جنرل صاحب نے اسی شہر میں ایک Monument کا افتتاح کیا جو وہاں کے لوگوں نے میجر صاحب کی یادگار میں بنایا ہے یہ کوئی ۳۰ فٹ اونچا ہے اور دیکھنے کے قابل ہے۔ اس موقع پر جنرل صاحب

نے پنشن اور دوسرے انعام کا بھی ذکر کیا جو گورنمنٹ آف ایسٹ پاکستان نے ان کی فیملی کو دیا ہے ۔ یہ اُمید ہے آپ نے اخباروں میں پڑھ لیا ہوگا ۔ بہرحال اس کی Cuttings میں اخبار سے نکال کر آپ کو بھیج رہا ہوں ۔ اُمید ہے سرکاری طور پر آپ کو اس کی خبر مل جائے گی ۔

ادھر اکھوڑا میں بھی میجر صاحب، کی یادگار میں ایک ڈسپنسری بن رہی ہے جو شاید مہینہ ڈیڑھ تک، مکمل ہو جائے گی ۔ اس موقع پر بریگیڈیر صاحب بھی آئے ہوئے تھے لیکن جنرل صاحب کے ساتھ ان رسومات میں اتنے مشغول تھے کہ میں اُن سے علیحدگی میں آپ کے متعلق کوئی بات نہ کر سکا ۔ کیپٹن محمد نواز بھی کھیل کے لیے آئے ہوئے تھے ۔ یہ ہماری فٹ بال ٹیم کے کپتان تھے ۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ اُن سے آپ کی خط و کتابت شروع ہو گئی ہے ۔ میں نے ان کی باتیں ان کو نوٹ کروا دی تھیں اور اب یہاں سے دوبارہ ان کو خط بھی لکھوں گا ۔ آپ، بے شک انہیں بلا روک ٹوک خط لکھ دیا کریں ۔ کیونکہ ہیڈ کوارٹرز میں ہونے کی وجہ سے وہ کام جلدی سرانجام دے سکتے ہیں بہرحال وہ آپ کو میجر صاحب کے تمام حساب کتاب، کی نقل وہاں سے بھجوا دیں گے وراثت نامے کے خط کا جو میں نے اُن سے پوچھا تو کہنے لگے اس کے متعلق انہیں معلوم نہیں ۔ وہ چیک کر کے مجھے اطلاع دیں گے میں نے جیسے پہلے آپ کو لکھا تھا اس کی نقل یہاں پلٹن سے G.H.Q. کو بھجوا تو دی تھی ۔ رائفل اور سٹیل کے بارے میں بھی ان کو بتا دیا تھا ۔ یہ آپ شریف بھائی کو بھی بتا دیں گے ۔ ڈھاکہ جب آئیں تو خود G.H.Q. سے جا کر حاصل کر لیں تو آسانی رہے گی ۔

شریف بھائی کل ہمارے کیمپ میں ہوائی جہاز کے ساتھ آئے تھے ۔

دو چار گھنٹے ساتھ رہے۔ ہم لوگ کرنل بشیر کو بھی ملنے گئے تھے جو حملہ کے وقت میجر صاحب کا بڑا کمانڈر تھا اور آخری وقت بھی اکھوڑا پر میجر صاحب کے ساتھ تھا۔ کوئی نئی بات تو اس نے نہیں بتائی۔ بہرحال شریف صاحب سے اس کی تفصیل آپ کو معلوم ہو جائے گی۔

اخبار کی جو Cuttings میں آپ کو بھیج رہا ہوں اس میں ۱۹۰۰ روپے سالانہ کا ذکر کیا گیا ہے اور ساتھ یہ لکھا ہوا ہے کہ یہ آرمی کی پنشن کے علاوہ ہے لیکن جہاں تک میرا خیال ہے ریکارڈ والوں نے ایک دفعہ آپ کو لکھا تھا کہ پنشن کا فیصلہ ایسٹ پاکستان گورنمنٹ ہی کرے گی۔ اگر یہ بات ہے تو ۱۹۰۰ روپے سالانہ پنشن بہت کم ہے۔ اس کے بارے میں بھی میں کیپٹن نواز صاحب کو لکھ رہا ہوں کہ تفصیلات معلوم کر کے آپ کو اطلاع دیں Cuttings میں آپ دیکھیں جنرل صاحب سے کیپٹن نواز ہی شیلڈ حاصل کر رہے ہیں۔

آپ کا بھائی

علی محمد

*

ای - پی - آر

سلہٹ

۱۵ اپریل ۱۹۵۹ء

برادرِ عزیز

السلام علیکم

خط آپ کا ملا - حالات سے آگاہی ہوئی - شکر ہے کہ آپ خیریت سے ہیں - آپ نے اپنی سروس کے بارے میں مجھ سے مشورہ مانگا ہے - اگر میری مانیں تو میں یہی کہوں گا کہ آپ سروس جاری رکھیں - مانا کہ خدا نے آپ کو گھر پر اچھے گزارہ کے لیے کافی دیا ہُوا ہے لیکن ملازمت میں رہنے سے آپ کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ دل لگا رہے گا - پھر اختر کی دیکھ بھال بھی آپ کر ہی رہے ہیں - آہستہ آہستہ خدا کرے گا ترقی بھی مل جائے گی - گو میں آپ سے ملا نہیں لیکن مرحوم میجر صاحب (خدا ان کی روح کو ٹھنڈک پہنچائے) کی زبانی اور آپ کے خطوط سے آپ کی طبیعت کا مجھے کچھ نہ کچھ اندازہ ہو گیا ہے - آپ گھر جا کر نکمی زندگی سے بہت پریشان ہو جائیں گے - خاص کر ان حالات میں کہ آپ کے عزیز بھائی آپ سے جدا ہوئے ہیں باہر ادھر ادھر لوگوں میں گھل مل کر اور اپنی ڈیوٹی میں وقت کٹ ہی جاتا ہے - وہاں گھر میں آپ کے دل پر بھائی کی جدائی بہت اثر کرے گی اور آپ خواہ مخواہ پریشان ہوں گے - ہاں اگر بھائی اقبال کو گھر پر بہت تکلیف ہے اور ماں جی بھی آپ کو مجبور کریں کہ آپ کا گھر آنا از حد ضروری ہے تو پھر بے شک چلے جائیں - بہر حال میرا خیال ہے کہ وُہ بھی یہی چاہیں گے کہ آپ ملازمت میں ہی

رہ کر خوش رہیں۔

فوٹو بھیجنے کا شکریہ: ابھی تک وہ ملے تو نہیں۔ اُمید ہے دو چار دنوں میں وہ خط بھی مل جائے گا۔ میں انشاء اللہ جون میں رخصت پر آرہا ہوں۔ ضرور فوٹو ساتھ لیتا آؤں گا۔ ڈھاکہ والوں نے میجر صاحب کے ایک فوٹو کی بہت کاپیاں بنالی ہیں اور ہر سیکٹر کے آفس میں ان کو لگایا ہے۔ ویسے اگست میں .G.H.Q میں میجر صاحب کا "یوم وفات" بھی منایا جا رہا ہے۔ گزشتہ اتوار اکھوڑا میں میجر صاحب کے نام پر ایک ڈسپنسری کا افتتاح ہوا ہے۔ اس پر کوئی ۴۰,۰۰۰ کی لاگت آئی ہے۔ مجھے بھی اس رسم پر بلایا گیا تھا لیکن پتھاریہ میں گڑبڑ ہونے کی وجہ سے افسوس ہے کہ نہ جا سکا۔

اس سے پیشتر برہمن باریہ میں میجر طفیل محمد فٹ بال ٹورنامنٹ کے فائنل پر گیا تھا۔ اس وقت ایک Monument کا افتتاح بھی ہوا تھا۔ میرے دوست نے اس رسم کی چند فوٹو لی تھیں جو آپ کو بھیج رہا ہوں۔ اس رسم پر جنرل صاحب اور بریگیڈیر صاحب داد حاضر تھے۔ ہماری .E.P.R کی ٹیم نے یہ فائنل جیتا تھا۔ اس میچ کی شیلڈ جو آپ فوٹو میں دیکھتے ہیں بے نظیر ہے۔ اس پر لاگت کوئی ۴۰۰۰ روپے آئی ہے اور یہ ۶ فٹ بڑی ہے۔ سنٹر میں جو Tent آپ دیکھتے ہیں۔ یہ وہ Tent ہے جس میں دشمن کا کمانڈر رہتا تھا، اور باقی Panorama لکشمی پور کا ہے جس میں ہمارے مہربان شہید نے اپنی جان کی بازی دی تھی۔ Tent سے نکلے ہوئے دشمن کے ساتھ میجر صاحب زخمی ہونے کے باوجود بھی گتھم گتھا ہوئے تھے اور

آخر زخموں کی تاب نہ لاکر وہاں گرے تھے Double Banel.

گن کا لائسنس شاید ڈھاکہ والوں کے پاس ہے۔ ان کو میں نے لکھا تھا کہ

جلد بھیج دیں لیکن بعد میں پتہ نہیں کیا ہُوا۔ بہرحال ان کو دوبارہ لکھ رہا ہوں

کہ وُہ بھیج دیں۔ مجھے پتہ ہے کہ بھائی اقبال نے مجھے اس کے بارے میں

ایک دفعہ لکھا تھا۔ کیپٹن نواز صاحب دو دنوں تک یہاں آرہے ہیں۔ ان کو

میں بولوں گا کہ وُہ گھر چٹھی لکھ دیں تاکہ پستول کا لائسنس آپ کو پہنچا دیا جائے۔

مخلص

علی محمد

*

یادگاریں

باب ۔ ۸

یادگاریں

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

ڈسپنسری :

میجر طفیل محمد شہید کے لازوال کارنامے کی یادگاریں مشرقی پاکستان میں جابجا دکھائی دیتی ہیں۔ اکھوڑہ ریلوے سٹیشن سے باہر آئیں تو "اگرتلہ" روڈ پر ایک سرخ عمارت آپ کو نظر آئے گی جس پر یہ کتبہ لگا ہوا ہے۔

"میجر طفیل اعظم میموریل ڈسپنسری"

یہ ڈسپنسری پبلک کے چندہ سے قائم کی گئی ہے اور اب اُسے بڑھا کر ہسپتال کی صورت دینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اس ڈسپنسری کا اپریل ۱۹۵۹ء میں افتتاح ہوا تھا۔ اس پر کوئی ۰۰۰ر۴۰ روپے کی لاگت آئی ہے اور ڈیڑھ دو ماہ کی مدت میں مکمل ہوئی ہے۔

یادگار مینار :

برہمن باریہ کے عین مرکز میں بڑے نمایاں مقام پر پچاس فٹ بلند "میجر طفیل و جمعدار اعظم یادگار" تعمیر کی گئی ہے۔ یہ یادگار بڑے ڈاک خانے کے نزدیک ہے۔

اسے دونوں شہیدوں کی یاد تازہ کرنے اور انہیں خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے تعمیر کیا گیا ہے۔ یہ یادگار برہمن باریہ میونسپلٹی نے قائم کی ہے۔ اس قصبے میں آنے والا ہر شخص سب سے پہلے اس یادگار پر پھول چڑھا کر ان بہادروں کو خراج تحسین پیش کرتا ہے۔



یادگار کا کتبہ ۔ (دائیں سے دوسرے) کیپٹن علی محمدؒ ۔ شہید کے دوست

۱۲ دسمبر ۱۹۵۸ء کو مشرقی پاکستان کے مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور جی۔ او۔ سی میجر جنرل محمد امراؤ خان نے اس کا افتتاح کیا۔ اس مقصد کے لیے ایک کمیٹی کا قیام بھی عمل میں آیا تھا۔ جس میں ایس۔ ایس خان، ایس۔ ڈی۔ او بھی شریک تھے۔

۱۳ دسمبر ۱۹۵۸ء کو مشرقی پاکستان کے مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر میجر جنرل محمد امراؤ خان

نے میجر طفیل محمد اور جمعدار محمد اعظم کی یادگار کی نقاب کشائی کی اور انہیں زبردست خراجِ عقیدت پیش کیا - یہ یادگار برہمن باریہ میونسپلٹی نے قائم کی ہے اس موقعہ پر بڑی تعداد میں لوگ موجود تھے - بعدازاں میجر جنرل نے یادگار پر پھولوں کی چادر چڑھائی اور فاتحہ خوانی کی -

انہوں نے اپنی تقریر میں فرمایا -

"لکشمی پور کی فائرنگ میں شہید ہونے والے ان بہادروں پر قوم کو فخر کرنا چاہیئے جنہوں نے ملک کا وقار بلند کرنے کے لیے اپنی جانوں کی قربانی دی"۔

انہوں نے تقریر کے آخر میں بتایا کہ حکومت مشرقی پاکستان نے میجر شہید کے خاندان کو دو ہزار دو سو پچیس روپے کی سالانہ پنشن دی ہے نیز ان کے خاندان کو دس ہزار روپے کی رقم نقد دی ہے - نشانِ حیدر - پچاس روپے ماہوار الاؤنس الگ ہوگا - پاکستان آرمی کے کمانڈر انچیف نے ان کے خاندان کے لیے "بناوولنٹ فنڈ" سے ڈھائی سو روپے کی ماہانہ رقم علیحدہ منظور کی ہے -

میجر جنرل موصوف نے بتایا کہ جمعدار محمد اعظم خان کے خاندان کو پانچ ہزار روپے نقد دیے گئے ہیں نیز صوبائی حکومت نے ۶۷ روپے ماہوار پنشن دی ہے - ۳۰ روپے ماہوار انہیں "ستارۂ جرأت" الاؤنس ملا کرے گا -

میجر جنرل محمد امراؤ خان کی تقریر کا خلاصہ درج ذیل ہے -

"یہ دونوں بہادر میدان میں کھیت رہے لیکن انہوں نے آخری سانس لینے سے پہلے دشمن کو جس نے ہماری مقدس سرزمین میں مورچے بنالیے تھے شکست دے کر بھاگنے پر مجبور کر دیا —— دنیا میں کوئی محبت، وطن کی محبت سے زیادہ شدید اور دیرپا نہیں ہوتی اور میجر طفیل اور جمعدار اعظم

نے وطن کے لیے اس شان سے اپنی جانیں دے کر اپنے ناموں کو زندہ جاوید بنا لیا ہے۔

ان شہیدوں کی یادگاروں کی نقاب کشائی میرے لیے انتہائی فخر اور اعزاز کا باعث ہے۔ یہ ایک قومی تقریب ہے جو ہمارے دلوں میں اپنے سورماؤں کے کارناموں کی یاد کو ہمیشہ روشن رکھے گی۔

"اپنے تمام عجز کے باوجود آج ہم مفتخر اور سربلند ہیں اور اس کی سب سے بڑی وجہ یہ حقیقت ہے کہ ہماری قوم ای۔ پی۔ آر کے میجر طفیل اور جمعدار اعظم خان جیسے فرزند پیدا کر سکتی ہے۔ انہوں نے اپنے وطنِ عزیز کی سربلندی کے لیے اپنی زندگیوں تک کی قربانی دینے سے دریغ نہیں کی۔ وہ موت، موت نہیں ہوتی جو کسی شریفانہ مقصد کے حصول ــــ مثلاً جارحیت کے مقابلے یا انسانی حقوق کے دفاع کی جدوجہد میں نصیب ہو ــــ یہ موت درحقیقت زندگی ہے ــــ ایک شہید کی زندگی یہی وہ سبق ہے جو اسلام کے عظیم مفکرین نے ہمیں دیا ہے اور ہمارا نصب العین یہی ہونا چاہیئے کہ اس زندگی کے حصول کے لیے زندہ رہیں اور اسی کے لیے مریں۔

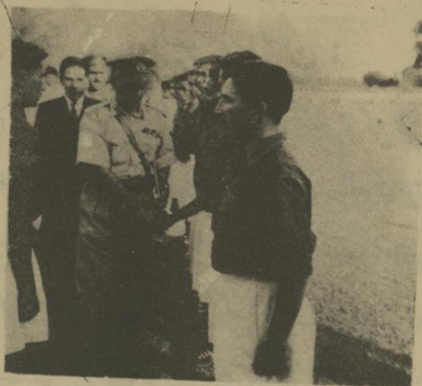
"میجر طفیل نے جس غیر معمولی شجاعت کا اظہار کیا ہے اس کے اعتراف کے طور پر انہیں پاکستانیوں کا اظہار شجاعت کے لیے سب سے بڑا اعزاز "نشانِ حیدر" عطا کیا گیا ہے۔

"ان دونوں بہادروں نے انتہائی جرأت، خلوصِ نیت اور ناقابلِ تسخیر عزم کا مظاہرہ کر کے ہمیں ان مسائل کو حل کرنے کی ایک نئی راہ دکھائی ہے جن سے آج ساری قوم عہدہ برآ ہو رہی ہے۔ یہ دونوں یہاں نہیں

پیدا ہوئے تھے لیکن وہ پاکستانی ضرور تھے اور انہوں نے ساری دنیا کو دکھا دیا ہے کہ وہ سچے پاکستانی تھے۔ جب پاکستان کے دفاع کا سوال ان کے سامنے آیا تو وہ اپنی ذات ---- اپنے بچوں ---- اور دنیا سے اپنی تمام دلچسپیوں کو فراموش کر گئے اور انہیں فرض کے سوا کچھ بھی یاد نہ رہا۔ انہوں نے اپنی قربانی سے ہمیں یہ سبق دیا ہے کہ قوم کے مفاد کو ہمیشہ دوسرے تمام مفادات پر ترجیح دینی چاہیئے اور ملک کا ایک ایک چپہ ہر شخص کی متاع عزیز ہونا چاہیئے۔ خواہ اس کا تعلق کسی جگہ سے کیوں نہ ہو"

فٹ بال ٹورنامنٹ :

برہمن باریہ میں "میجر طفیل محمد و جمعدار اعظم" کی یاد میں ایک فٹ بال ٹورنامنٹ بھی کھیلا جاتا ہے۔ برہمن باریہ اکھوڑہ سے دس میل دور ایک سب ڈویژن ہے۔ دسمبر ۱۹۵۷ء میں یہ میچ ای۔پی۔آر کی ٹیم اور ایک لوکل کلب کی ٹیم کے درمیان تھا۔ میچ نہایت شاندار تھا۔ ای۔پی۔آر کی ٹیم نے پانچ گولوں سے یہ میچ جیت لیا اور شیلڈ حاصل کی۔ انعامات جناب میجر جنرل محمد امراؤ خاں نے تقسیم کیے۔ اس تقریب میں بریگیڈیر صاحبداد صاحب اور کیپٹن علی محمد صاحب نے بھی شرکت فرمائی۔ جو شیلڈ اس ٹورنامنٹ کے لیے بنائی گئی ہے وہ واقعی قابل تعریف ہے۔ اس پر کوئی چار ہزار روپے لاگت آئی ہے۔ یہ قریباً چھ فٹ اونچی ہے اور اس کے مرکز میں چاندی سے اس جگہ کا نقشہ بنایا گیا ہے جس جگہ میجر شہید گولی کھا کر گرے تھے اور وہ خیمہ اس میں نمایاں طور پر ظاہر کیا گیا ہے جس سے میجر شہیدؒ نے زخمی ہونے کے بعد دست بدست لڑائی سے دشمن کے کمانڈر کرنل برمن کو گرفتار کیا تھا۔ اس خیمے میں دشمن کا کمانڈر رہتا تھا۔



میجر جنرل محمد امراؤ خان او۔ پی۔ آر کی ٹیم سے مصافحہ کر رہے ہیں۔ جنرل صاحب کے دائیں جانب کیپٹن نواز کی آدھی تصویر ہے۔ جنرل صاحب کے پیچھے مسٹر شعیب ، ایس۔ ڈی او برہمن بار یہ ہیں یہ میجر شہیدؒ کے جگری دوستوں میں سے تھے۔



شیلڈ اور رنرز کپ ،

برہمن باریہ سپورٹنگ ایسوسی ایشن :

یہ ایسوسی ایشن آج سے قریباً پچاس سال قبل منظم کی گئی تھی لیکن ۱۹۵۸ء میں میجر طفیل محمد اور جمعدار اعظم خاں کو خراج عقیدت پیش کرنے کی غرض سے "میجر طفیل و جمعدار اعظم میموریل شیلڈ" قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا جو آئندہ نسلوں کے لیے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھے گا۔ میجر جنرل محمد امراؤ خان کھیل دیکھنے تشریف لے گئے اور انہوں نے ازراہِ کرم انعامات بھی تقسیم کیے۔

علاوہ ازیں "میجر طفیل و جمعدار اعظم میموریل شیلڈ ٹورنامنٹ" ۱۹۵۸ء میں ہوا۔ اس میں مشہور و معروف ٹیموں نے حصہ لیا۔ جن میں چٹاگانگ محمڈن سپورٹنگ ایسوسی ایشن، چٹاگانگ سپورٹ آزاد کلب ڈھاکہ اور دیگر بہت سی ٹیموں نے شرکت کی۔ تمام کھیل نہایت کامیابی سے اختتام پذیر ہوئے۔

نشانہ بازی کے مقابلے :

۱۴ ستمبر ۱۹۵۸ء کو آل پاکستان فیڈریشن رائفل کلب ڈھاکہ نے فیصلہ کیا کہ شہیدانِ وطن میجر طفیل محمد شہیدؒ اور جمعدار اعظم خان کی یاد میں نشانہ بازی کے مقابلے ہوا کریں گے اور ان مقابلوں میں ہر شہری اور فوجی کو شرکت کی اجازت ہوگی۔

طفیل پور :

میجر شہید کی شہادت کے بعد اگست ۱۹۵۸ء میں سیاسی جماعتوں کے کافی جلسے ہوئے اور جلوس نکالے گئے ایک جلسے میں یہ ریزولیوشن پاس کیا گیا کہ لکشمی پور گاؤں کا نام طفیل پور رکھ دیا جائے۔ ایک دوسرے جلسے میں ۷ اگست کو "یومِ شہید" منانے کا مطالبہ بھی

کیا گیا۔

طفیل آباد :

لکشمی پور کے لوگوں نے ریلوے حکام کو یہ تجویز بھی بھیجی کہ لکشمی پور ریلوے اسٹیشن کا نام تبدیل کر کے اُسے "طفیل آباد" رکھا جائے اور ریلوے روڈ کا نام بھی "طفیل روڈ" رکھا جائے۔

علاوہ ازیں مشرقی پاکستان میں بچوں کی درسی کتابوں میں ایک کتاب بنگلہ زبان میں آئو ہے کہانی کے نام سے موسوم ہے۔ جو چند کہانیوں پر مشتمل ہے۔ اس میں ایک طویل کہانی میجر طفیل محمد شہید کے کارنامے کے تفصیلی حالات پر مشتمل ہے۔ آئندہ نسلوں میں جذبہ حب الوطنی اور جانفروشی پیدا کرنے کے لیے قومی ہیروز سے بچوں کی متعارف کرانا نہایت ضروری ہے۔

میجر طفیل محمد شہید روڈ :

لاہور سے ملتان کو جاتے ہوئے جرنیلی سڑک کے ایک سو پچاسویں میل پر چک نمبر ۲۵۳ - ای - بی کا بورڈ نصب کیا گیا ہے۔ اسی بورڈ پر میجر طفیل محمد شہید روڈ تحریر ہے اور یہیں سے بائیں جانب ریلوے لائن میں سے گزرتی ہوئی یہ سڑک شہید کے مزار سے ہوتی ہوئی ان کے آبائی گاؤں تک چلی گئی ہے۔ اس سڑک کا جرنیلی سڑک سے چھ فرلانگ کا فاصلہ ہے۔ حکومت مغربی پاکستان نے ازراہِ کرم اس سڑک کی تعمیر کے لیے چھیاسی ستاسی ہزار روپے منظور کیے ہیں۔ ابتدائی کام شروع ہوچکا ہے اور جلد ہی پایۂ تکمیل تک پہنچ جائے گا۔

شارع طفیل :

حکومت مغربی پاکستان نے پچھلے دنوں " ہارس اینڈ کیٹل شو" کے موقع پر —— یعنی اپریل ۱۹۶۷ء میں تمام شہیدوں کو خراجِ عقیدت پیش کرنے اور ان کی یاد تازہ رکھنے کے لیے لاہور چھاؤنی کی تمام سڑکوں کے نام تبدیل کر کے شہیدوں کے نام رکھ دیے گئے ہیں۔ چنانچہ چھاؤنی سے صدر کو جانے والی سڑک اب " شارع طفیل" کے نام سے مشہور ہے۔ اس سے پہلے لاہور چھاؤنی کی بیشتر سڑکوں کے نام بھارتی شہروں کے ناموں پر رکھے ہوئے تھے اور انگریزی زبان میں لکھے ہوئے تھے لیکن اب یہ نام قومی زبان " اُردو" میں لکھے گئے ہیں۔

*

مسجد کی تعمیر:

جیساکہ بیان کیا جاچکا ہے ۔میجر طفیل محمد شہیدؒ کے خاندان کے تقریباً تمام افراد بڑے متقی، پرہیزگار، ملنسار، خلیق، پابند صوم و صلوٰۃ، غریب پرور اور مہمان نواز ہیں۔ مہمان نوازی کا یہ عالم ہے کہ کوئی شخص جو ان کے گھر گیا کبھی خالی ہاتھ یا بغیر کچھ کھائے پئے نہیں لوٹا ۔ مجھے چند چیدہ چیدہ بزرگوں سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا جن میں قبلہ اقبال محمد، چوہدری رحمت علی، مولوی رحمت علی انور، جناب بشیر احمد، جناب خورشید محمد، محمد افضل، محمد سعید اختر بالخصوص قابل ذکر ہیں۔ ویسے تو بچے، نوجوان اور بزرگ تمام کی تربیت ایسے ماحول میں ہوتی ہے کہ رشک آتا ہے ۔اتنے خوش اخلاق اور اپنے آپ کو عاجز پیش کرتے ہیں کہ باید و شاید ۔خدمتِ خلق تو ان کی گھٹی میں پڑی ہے۔ یہ تمام خصوصیات خدائے بزرگ و برتر کی عنایت کردہ ہیں اور ان کی شخصیات کی تعمیر میں ان کے پیر و مرشد جناب خلیفہ غلام محمد مرحوم کا بہت عمل دخل ہے ۔پیر و مرشد کے اتنے گرویدہ کہ کوئی کام ان کی اجازت کے بغیر نہیں کرتے ۔ یہ تمام خصوصیات میجر طفیل محمد شہیدؒ میں بدرجۂ اتم موجود تھیں ۔بعض اوصاف حمیدہ تو خاص طور پر قدرت کی طرف سے ودیعت کردہ ہوتی ہیں جو عام لوگوں میں نہیں پائی جاتیں اور بعض صفات انسان اپنے اس ماحول سے اخذ کرتا ہے جس میں اس کی شخصیت کی تعمیر ہوتی ہے۔ کسی شخص کی تعمیر شخصیت میں اعلیٰ خاندانی کاروایات کا بہت عمل دخل ہوتا ہے ۔میجر طفیل محمد شہید نے بیشتر صفات اپنے ہی پیر و مرشد اور بزرگوں سے ورثے میں پائیں ۔ وہ باعمل، پکے اور سچے مسلمان تھے ۔ پابند صوم و صلوٰۃ تھے ۔ درود اور وظائف کا ورد فرماتے اور نماز باجماعت ادا کرنے کی سعی کرتے تھے اور دوسروں کو بھی نیک کام کرنے کی تلقین فرماتے ۔

گاؤں کی مسجد کی تعمیر درحقیقت انہی کا زندۂ جاوید کارنامہ ہے ۔جب میں نے

قبلہ اقبال محمد سے پوچھا کہ میجر شہیدؒ کا مسجد کی تعمیر میں کیا اور کتنا حصّہ ہے تو فرمانے لگے۔

"شاہد بھائی، یہ تمام کارنامہ میجر شہید ہی کا ہے۔ انہوں نے ہی اس کا منصوبہ بنایا۔ نقشہ تیار کروایا اور سنگِ بنیاد رکھا۔ وہ بڑے دُور اندیش اور دُور رس تھے، اگرچہ ہمارے چک کی آبادی زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ ہزار نفوس پر مشتمل ہے لیکن یہ مسجد دس ہزار نفوس کی بستی کے لیے بھی کافی ہوگی۔ انہوں نے اس کی تعمیر بڑے سوچ وبچار کے بعد شروع کروائی تھی"۔

مسجد واقعی قابلِ دید ہے اور فنِ تعمیر کا عمدہ نمونہ ہے۔ مسجد کے دائیں جانب قبلہ شاہ صاحب کے لیے حجرے اور دیگر کمروں کے لیے جگہ چھوڑی گئی ہے۔ بائیں جانب بچوں کے لیے کمرے تعمیر ہوں گے جہاں ان کو درس قرآن کے علاوہ دیگر دینی علوم کی تعلیم دی جائے گی۔ مسجد کے صحن میں پانچ سو کے لگ بھگ آدمیوں کے بیٹھنے کی گنجائش ہے۔ پانی کی فراہمی کے لیے ہینڈ پمپ کے علاوہ ایک چھوٹا سا کنواں بھی ہے۔ قبلہ اقبال محمد نے بتایا کہ بجلی آنے پر یہاں ایک چھوٹی سی الیکٹرک موٹر لگائی جائے گی۔ ہینڈ پمپ اور الیکٹرک موٹر دونوں سے کام لیا جائے گا۔ بجلی کے بند ہو جانے یا خرابی کی صورت میں ہینڈ پمپ سے کام لیا جائے گا۔ مسجد کے بیرونی دروازے کے ساتھ دائیں جانب ایک چھوٹے سے کمرے کی تعمیر کا منصوبہ زیرِ غور ہے جہاں گاؤں کے لوگوں کی طرف سے عطا کردہ لنگر، جلانے کا تیل اور دیگر اشیاء کا سٹور ہوگا بائیں جانب جوتے رکھنے کے لیے ایک گیلری یا کمرہ تعمیر کیا جائے گا۔ مسجد کی تعمیر کا بیشتر کام مکمل ہو چکا ہے۔ صرف تعلیمی کمروں۔ حجروں اور میناروں کے

علاوہ بیرونی بڑے دروازے کے ساتھ سٹور روم اور جوتے رکھنے کے لیے کمرہ کی تعمیر باقی ہے۔ قبلہ چوہدری صاحب نے بتایا کہ انشاءاللہ یہ کام جلد پایۂ تکمیل تک پہنچ جائے گا تاکہ نمازیوں کی تکالیف کا ازالہ ہو سکے۔

چونکہ مسجد ایک عبادت گاہ اور خانۂ خدا ہے لیکن جہاں تک ان کی تعمیر کرنے والوں کا تعلق بیشتر مساجد ان کے تعمیر کنندوں کے نام سے موسوم ہیں جیسے بادشاہی مسجد۔ موتی مسجد۔ مسجد شہید گنج وغیرہ۔ چنانچہ میں چک ۲۵۳/ای۔ بی کے عوام سے بالعموم اور سرکردہ شخصیات سے بالخصوص اپیل کروں گا کہ اس مسجد کا نام "طفیل شہید مسجد" رکھا جائے۔ اس اقدام سے شہید کی یاد تازہ رہے گی اور آئندہ آنے والی نسلیں ان کی قربانی اور کارناموں پر فخر کریں گی۔

"طفیل اعظم ڈے"

۷ اگست مشرقی پاکستان کی تاریخ میں ایک اہم دن ہے۔ اس روز پورے مشرقی پاکستان میں ای۔ پی۔ آر کے ہیروؤں کو زبردست خراجِ عقیدت پیش کیا جاتا ہے۔ اس دن کو مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ بعض لوگ تو اسے "ای۔ پی آر شہید ڈے" کہتے ہیں۔ بعض اسے "لکشمی پور ڈے" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اس روز میجر طفیل محمد اور جمعدار اعظم خان کو بہت خراجِ تحسین پیش کیا جاتا ہے۔ ان کے کارنامے دہرائے جاتے ہیں اور جذبہ حب الوطنی، ایثار، قربانی اور جان سپاری اور جان فروشی کی اہمیت پر زور دیا جاتا ہے۔

اس سلسلے میں خاص پروگرام ای۔ پی۔ آر کی جانب سے بنایا جاتا ہے اور اس

پروگرام کے تحت سب کام انجام پاتے ہیں۔ صبح سویرے "پیل خانہ مسجد" میں فاتحہ خوانی ہوتی ہے، جس میں ای۔ پی۔ آر کے تمام افسر شرکت کرتے ہیں۔ بعدازاں شوٹنگ کمپیٹیشن (نشانہ بازی کا مقابلہ) ہوتا ہے۔ جس میں اعلیٰ افسر اور دیگر عہدہ دار بھی حصہ لیتے ہیں۔ شام کے وقت "پاگل جمخانہ" منعقد ہوتا ہے۔ اس میں مذاحیہ اور دلچسپ چیزیں پیش کی جاتی ہیں۔ جن میں فینسی ڈریس، فٹ بال کا کھیل وغیرہ شامل ہیں۔

ڈائریکٹر جنرل ایسٹ پاکستان رائفلز اس تقریب میں خاص طور سے شریک ہوتے ہیں۔ فاتحہ خوانی کے بعد شہیدوں کے یادگاروں پر پھول چڑھائے جاتے ہیں اور ملک ملت کی سلامتی اور بقا کے لیے دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ چنانچہ ۷ اگست ۱۹۶۲ء کو برہمن باڑیہ کے عوام شہیدوں کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے ہزاروں کی تعداد میں میونسپل پارک میں جمع ہوئے۔ میجر جنرل خواجہ وصی الدین جی۔ او۔ سی نے یادگاروں پر چادر چڑھائی۔ کمانڈنٹ ایسٹ پاکستان رائفلز بریگیڈیر محمد احمد اور ڈپٹی کمشنر جناب حسین خواجہ صاحب ان کے ہمراہ تھے۔ جب سے وہ دونوں ہیرو (۷ اگست ۱۹۵۸ء) شہید ہوئے ہیں۔ ہر سال مشرقی پاکستان میں ۷ اگست کو "یوم طفیل و اعظم" منایا جاتا ہے۔ پھولوں کی چادر چڑھانے کے بعد میجر جنرل نے "میجر طفیل و جمعدار اعظم میموریل فٹ بال ٹورنامنٹ" دیکھا اور انعام تقسیم کرنے کی رسم بھی ادا کی۔ میمن سنگھ چٹاگانگ۔ ڈھاکہ۔ راجشاہی کے کمشنر۔ ڈپٹی کمشنر اس موقع پر ایک خاص پیغام نشر کرتے ہیں۔ رنگارنگ پروگرام کا اہتمام ہوتا ہے اور یہ دن بڑے جوش و خروش سے منایا جاتا ہے۔

۳۔ جنوری ۱۹۵۹ء کو مشرقی پاکستان کے گورنر جناب ذاکر حسین اپنی بیگم کے ہمراہ برہمن باڑیہ تشریف لائے۔ لوگوں کا بے پناہ ہجوم تھا۔ انھوں نے سب سے پہلے پھولوں کی چادر چڑھائی اور فاتحہ خوانی کی۔ بعدازاں شہیدوں کو زبردست خراج عقیدت

پیش کرتے ہوئے کہا:

"ان دونوں سورماؤں نے دونوں صوبوں کے درمیان مکمل اتحاد اور یک جہتی کی زندۂ جاوید مثال ثبت کی ہے۔ اگرچہ وہ مغربی پاکستان سے تعلق رکھتے تھے۔ مگر انہوں نے ہنستے کھیلتے وطنِ عزیز کے دفاع میں اپنی جانیں قربان کر دیں۔ اس زندۂ جاوید کارنامے سے پتہ چلتا ہے کہ صوبے کے دونوں بازوؤں کی مثال انسان کے بازول کی سی ہے جنہیں ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔"

آیئے خدائے عزّ وجل سے دعا کریں کہ وہ دونوں بازوؤں —— مشرقی و مغربی پاکستان کے درمیان محبت و اخوت اور بھائی چارے کا مضبوط اور نہ ٹوٹنے والا بندھن قائم و دائم رکھے۔ شہیدوں کی حب الوطنی کی زندہ جاوید مثال لوگوں کے دلوں میں وطن پر قربان ہونے کا جذبہ پیدا کرے اور وہ پاکستان کی سرحدوں کو بچانے اور اپنی سب سے قیمتی متاع قربان کرنے کا عہد کریں اور دشمن کو اس کے تمام منصوبوں میں ناکام اور ذلیل و خوار کریں۔"

میجر چوہدری طفیل محمد شہیدؒ نشانِ حیدرؒ کی زندگی کی ایک جھلک

۲۲ جولائی ۱۹۱۴ء		پیدائش (موضع سارو باد ضلع جالندھر)
اوائل ۱۹۳۰ء	تعلیم	امتحان میٹرک امتیازی حیثیت سے پاس کیا (ہائی سکول موضع شام چوراسی)
۱۹۳۲ء		امتحان ایف۔اے (گورنمنٹ کالج جالندھر)
۲۲ جولائی ۱۹۳۲ء	ملازمت	بحیثیت سپاہی - ۲ پنجاب رجمنٹ
۱۹۳۶ء		″ لانس نائک ″ جالندھر چھاؤنی
۱۹۳۷-۳۶ء		نارتھ ویسٹ فرنٹیر میڈل حاصل کیا
جنوری ۱۹۳۹ء		بحیثیت جمعدار ″ دانا چھاؤنی
فروری ۱۹۴۰ء		″ حوالدار
۱۹۴۱ء		صوبیدار - ۱۶ پنجاب رجمنٹ
۱۹۴۳ء		انڈین ملٹری اکادمی ڈیرہ دون سے کمشن حاصل کیا۔
۱۳ جون ۱۹۴۳ء		سیکنڈ لیفٹیننٹ
ستمبر ۱۹۴۳ء		جونیئر لیڈرشپ کورس (جھانسی)
فروری ۱۹۴۴ء		کمپنی وپنیز کورس - ساگر (بھارت)
۱۹۴۴ء		انسٹرکٹر وپنیز ٹریننگ سکول (سول آرمز سکول)، ساگر
مارچ ۱۹۴۴ء		بیٹل کورس - ساگر
اپریل ۱۹۴۴ء		بیٹل انا کولیشن کورس - ساگر

۹ر ستمبر ۱۹۴۴ء	لیفٹیننٹ انسٹرکٹر - کلاس - سی
۱۱ر نومبر "	لیفٹیننٹ
۲۸ر دسمبر "	کیپٹن انسٹرکٹر کلاس - سی
" "	ایکٹنگ کیپٹن
فروری ۱۹۴۵ء	ڈسٹنگواشڈ انسٹرکٹرز سرٹیفکیٹ - ساگر
۲۸ر مارچ ۱۹۴۵ء	ٹریننگ کیپٹن
۱۴ر اگست "	کیپٹن انسٹرکٹر کلاس - بی
"	جنگ عظیم دوم (برما فرنٹ میڈلز (۲ عدد) حاصل کیے۔
۱۱ر جنوری ۱۹۴۶ء	ایڈجوٹنٹ (ٹی)
اکتوبر "	این - سی - او سلیکشن کورس
جنوری ۱۹۴۷ء	ایڈجوٹنٹ کیپٹن (سیالکوٹ) ۱۶ - پنجاب رجمنٹ -
۱۴ر اگست " / ۲۶ر رمضان ۱۳۶۶ھ	یوم آزادی میڈل حاصل کیا -
یکم ستمبر ۱۹۴۷ء	ڈبلیو - ایس کیپٹن
"	ٹریننگ میجر
جنوری ۱۹۴۸ء	ٹریننگ آفیسر ۱۶ - پنجاب رجمنٹل سنٹر (سیالکوٹ)
۱۱- مئی "	کمپنی کمانڈر ۲/۱۶ پنجاب رجمنٹ
یکم نومبر ۱۹۴۹ء	کمانڈنٹ گلگت سکاؤٹس - گلگت
۹- اکتوبر ۱۹۵۱ء	کمپنی کمانڈر ۱/۱۶ پنجاب رجمنٹ
اپریل ۱۹۵۲ء	آفیسرز سٹینڈرڈ میپ ریڈنگ کورس
ستمبر "	فورتھ کورس آفیسرز ٹریننگ سکول - کوہاٹ

۹-فروری تا ۲ مئی ۱۹۵۳ء	دسواں ٹیکٹیکل کورس - سٹاف کالج - کوئٹہ
۲۶ر اکتوبر ۱۹۵۳ء	سیکنڈ ان کمانڈ
۱۰ر اپریل تا ۲۴ر اپریل ۵۴ء	جی - ایچ - کیو لاء کورس
۱۹ر اکتوبر ۱۹۵۴ء	چیف انسٹرکٹر انفنٹری سکول کوئٹہ
۹ر مئی تا ۴ر جون ۱۹۵۵ء	انسٹرکٹر - کلاس - بی (میجر)
	سپیشل ٹریننگ میجرز کورس - انفنٹری سکول کوئٹہ
۲۳ر مارچ ۱۹۵۶ء	ری پبلک ڈے میڈل حاصل کیا -
۲ر اپریل تا ۱۴ر اپریل ۱۹۵۶ء	کمپنی کمانڈر (سی - او) کورس - انفنٹری سکول کوئٹہ
۳۰- اپریل تا ۲۶ر مئی "	کمپنی کمانڈرز کورس - انفنٹری سکول کوئٹہ
۳- مئی ۱۹۵۷ء	سیکنڈ ان کمانڈ
۱۱ر جون "	کراچی میں تعینات ہوئے -
۲۰ " "	چٹاگانگ میں تعینات ہوا -
۲۲ " "	سی - ایم - ایچ چٹاگانگ میں داخل ہوئے -
۲ جولائی "	ڈسچارج ہوئے -
۳ر ستمبر "	درد شکم میں مبتلا ہوئے -
۱۴ر ستمبر "	سی - ایم - ایچ - جیسور میں داخل ہوئے -
۱۳ر ستمبر "	سیکنڈ ان کمانڈ ۱۳- پنجاب رجمنٹ
"	آفیشیئٹنگ کمانڈر "
۲۱- جنوری ۱۹۵۸ء	ای - پی - آر سے منسلک ہوئے -
۲۵ " "	ونگ کمانڈر نمبر ۱ ونگ - ای - پی - آر
۷- اگست "	شہید ہوئے (لکشمی پور)
۷- نومبر ۱۹۵۹ء	نشان حیدر (آپ کی صاحبزادی نسیم اختر نے) حاصل کیا

کورسز

میجر طفیل محمد شہیدؒ نے مندرجہ ذیل کورسز امتیازی حیثیت سے پاس کیے۔

۱۔ جونیئر لیڈر کورس، جھانسی، ستمبر ۱۹۴۳ء، رزلٹ کیو۔ ۱

۲۔ کمپنی ویپنز، ساگر، فروری ۱۹۴۴ء رزلٹ امتیازی پوزیشن

۳۔ بیٹل کورس، ساگر مارچ ۱۹۴۵ء رزلٹ کیو۔ ۱

۴۔ بیٹل اناکولیشن کورس، ساگر، اپریل ۱۹۴۴ء رزلٹ امتیازی پوزیشن

۵۔ ڈسٹنگوِشڈ انسٹرکٹرز سرٹیفکیٹ، ایس۔اے۔ایس، ساگر، فروری ۱۹۴۵ء، رزلٹ امتیازی پوزیشن

۶۔ این۔سی۔او سلیکشن "اے" کورس، ایس۔پی ڈسٹرکٹ اکتوبر ۱۹۴۶ء

۷۔ آفیسرز سٹینڈرڈ میپ ریڈنگ ۷۔۸ اپریل ۱۹۵۲ء
سی۔او۔آر۔او۔پی۔ٹی۔او۔ ۵/ ۵۲

۸۔ آفیسرز ٹریننگ سکول، کوہاٹ، سی۔این۔سی اینڈ ڈائریکٹنگ سٹاف فورتھ کورس ۱۷ ستمبر ۱۹۵۲ء

۹۔ کوالیفائڈ۔ سی۔او۔آر۔او، پارٹ دوم، آرڈر نمبر ۵۳/ ۸۱ (پی۔اے۔او۔ ۶۸۲/ ۵۰)

۱۰۔ کمانڈ اینڈ سٹاف کالج، کوئٹہ، ٹیکٹیکل ونگ، دسواں ٹیکٹیکل کورس، ۹۔ فروری تا ۲ مئی ۱۹۵۳ء۔

۱۱۔ پروموشن ایگزامینیشن (کیپٹن۔ میجر) پارٹ دوم وسوم، ۲۴۔۲۷ جون

۱۹۵۳ء، سی۔او۔آر۔او۔پی۔ٹی۔او سیکنڈ، نمبر ۹۰/۵۳

دایس۔پی۔اے۔او، ۳۶/۵/۵۳)

۱۲ - جی۔ایچ۔کیو لاء کورس - ۱۰۔اپریل ۲۴، اپریل ۱۹۵۴ء رزلٹ، بی،

۱۳ - پروموشن ایگزامینیشن (کیپٹن۔میجر) جون۔جولائی ۱۹۵۴ء، پی۔اے

او - ۲۵/۵/۱۹۵۴

۱۴ - انفنٹری اسکول، کوئٹہ، سپیشل ٹریننگ میجرز کورس، سیریل نمبر ۴

۹۔مئی تا ۴ جون ۱۹۵۵ء

۱۵ - آئی۔ڈبلیو۔ڈبلیو انفنٹری اسکول۔کوئٹہ، سی۔او۔کورس

۲۔اپریل تا ۱۴، اپریل ۱۹۵۶ء -

۱۶ - انفنٹری اسکول، کوئٹہ ″

۱۷ - آئی۔ڈبلیو۔ڈبلیو۔انفنٹری اسکول، کوئٹہ، کمپنی کمانڈر کورس،

۳۰۔اپریل ۱۹۵۶ء تا ۲۶، مئی ۱۹۵۶ء -

*

کتابیات

براہِ راست ملاقات اور خط و کتابت کے علاوہ مندرجہ ذیل کتب، رسائل اور اخبارات سے استفادہ کیا گیا۔

(۱) علی حسن چوہان : تاریخ گوجر[1] حصہ چہارم

(۲) انجمن ترقی عربی : ہمارے مجاہد، اسلام آباد، ۱۹۶۷ء

(۳) منت علی ایم۔اے : اے نوہے کاہانی (بنگالی) ۱۹۶۷ء

(۴) آفیسرز ریکارڈ آف سروس، آرمی بک نمبر ۴۳۹

(۵) انڈین سولجرز پے بک (نمبر ۱۸۰۱۱)

(۶) شہید کی دو ڈائریاں متعلقہ ۱۹۵۱ء

(۷) ماہنامہ ساقی (کراچی)، نومبر ۱۹۶۶ء

(۸) گوجر گزٹ ۱۸۔ اگست ۱۹۵۸ء

(۹) ہفت روزہ ہلال، راولپنڈی

(۱۰) " قندیل ۹ ستمبر ۱۹۶۲ء

(۱۱) روزنامہ پاکستان ٹائمز (انگریزی) ۱۰۔ جنوری ۱۹۶۵ء

---

[1] مذکورہ کتاب جناب خورشید محمد برادرِ حقیقی میجر طفیل محمد شہید کی وساطت سے دستیاب ہوئی۔

(۱۲)	روزنامہ سٹیٹس مین (انگریزی)		۹ر اگست ۱۹۵۸ء
(۱۳)	"	مارننگ نیوز "	۲۷ر اکتوبر ۱۹۵۹ء
(۱۴)	"	امروز	۱۴ر اگست ۱۹۶۲ء
(۱۵)	"	کوہستان	۱۸ر اگست ۱۹۵۸ء
(۱۶)	"	مشرق	۱۰ر جنوری ۱۹۶۵ء

وغیرہ —— وغیرہ

تاریخ وسیاست

تاریخ فرشتہ تالیف : ملا محمد قاسم ہندو شاہ فرشتہ ترجمہ : عبدالحی خواجہ

عہد اسلامی کی تاریخ کا مستند مرقع (دو جلدوں میں) قیمت -/۴۵ روپے

تاریخ شام تالیف : فلپ کے حتی ترجمہ : غلام رسول مہر

دَورِ قدیم سے دَورِ حاضر تک اہل شام کی مستند تاریخ قیمت -/۲۴ روپے

تاریخ لبنان تصنیف : فلپ کے حتی ترجمہ : غلام رسول مہر

دَورِ قدیم سے دَورِ حاضر تک اہل لبنان کے مکمل و جامع حالات قیمت -/۱۵ روپے

منتخب التواریخ تصنیف : ملا عبدالقادر ملوک شاہ بدایونی ترجمہ : محمود احمد فاروقی

تاریخ مبارک شاہی اور نظام التواریخ کا صحیح انتخاب قیمت -/۱۸ روپے

تاریخ اشاعت اسلام تالیف : شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی

عہد نبوی سے لے کر آج تک اشاعت اسلام کی مکمل و مستند تاریخ قیمت -/۱۵ روپے

تاریخ اسلام عبدالحکیم نشتر جالندھری

اسلام کی صحیح اور جامع تاریخ قیمت ۱۳/۵۰ روپے

ظہیر الدین بابر اور ان کا عہد مصنف : ولیم ارسکن مترجم : حسین انور

بابر اور ان کے عہد پر ایک مستند کتاب قیمت -/۱۵ روپے

واجد علی شاہ اور ان کا عہد رئیس احمد جعفری

واجد علی شاہ تاجدار اودھ کے مکمل حالات قیمت -/۱۵ روپے

بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد رئیس احمد جعفری

۱۸۵۷ء کے ہولناک غدر اور جنگ آزادی کے مفصل حالات قیمت -/۲۵ روپے

تاتاریوں کی یلغار تالیف : ہیرلڈ لیم ترجمہ : عزیز احمد

ہیرلڈ لیم کی شہرہ آفاق تالیف (دوسرا ایڈیشن) قیمت ۱۳/۵۰ روپے

جنگ عظیم (باتصویر) تصنیف وٹیس ایل سنائیڈر ترجمہ : غلام رسول مہر

دوسری عالمی جنگ کی ایک نہایت عمدہ تاریخ قیمت -/۲۰ روپے

قسطنطنیہ تصنیف : ہیرلڈلیم ترجمہ : مولانا غلام رسول مہر

ڈھائی ہزار سال کی سرگزشت (باتصویر) قیمت -/۸ روپے

انسائیکلوپیڈیا (تاریخ اسلام مرتبہ : ولیم ایل لینگر ترجمہ : غلام رسول مہر

مشرق ادنیٰ و مشرق اوسط کے ۱۹ اور ۲۰ ویں صدی کی سرگزشت قیمت -/۱۴ روپے

انسائیکلوپیڈیا (تاریخ عالم) مرتبہ : ولیم ایل لینگر ترجمہ : غلام رسول مہر

جلد دوم ۔ ابتدا سے لے کر عہد نپولین تک کے مستند حالات قیمت -/۱۴ روپے

انسائیکلوپیڈیا مرتبہ : ولیم ایل لینگر ترجمہ : غلام رسول مہر

جلد سوم ۔ انقلابِ فرانس سے لے کر ۱۹۴۵ء تک کے حالات قیمت -/۱۷ روپے

۱۸۵۷ء مولانا : غلام رسول مہر

۱۸۵۷ء تک کی جنگ آزادی پر اردو زبان میں پہلی کتاب قیمت -/۹ روپے

۱۸۵۷ء کے مجاہد مولانا غلام رسول مہر

پہلی جنگ آزادی میں حصّہ لینے والوں کی مکمل سرگزشت قیمت -/۶ روپے

جماعت مجاہدین مولانا غلام رسول مہر

سیّد احمد شہید کی جماعت کے تنظیمی حالات قیمت -/۸ روپے

سرگزشت مجاہدین مولانا غلام رسول مہر

بہادر اور نڈر مجاہدین اسلام کی جاں نثاری کی مکمل داستان قیمت ۱۳/۵۰ روپے

امامت وسیاست رئیس احمد جعفری ندوی

اردو میں اپنی نوعیت کی واحد تصنیف قیمت ۱۷/۵۰ روپے

شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز ادبی مارکیٹ ۔ چوک انارکلی ۔ لاہور

اس سے بچّہ، نوجوان، اور بُوڑھ

کما حقّہ، مستفید ہو سکتا ہے۔

حنیف شاہد صاحب کی

اِس کتاب کی تاریخی اور ملّی اہمیّت سے

انکار نہیں کیا جا سکتا ——— سوانحی ادب

میں یہ ایک اچھا اضافہ ہے۔

اِس میں جیتا جاگتا او

چلتا پھرتا کردار پیش کیا گیا ہے۔

شہیدؒ ——— کی زندگی

ہر اہم موڑ، اور سیرت و کردار

ہر رُوپ دکھائی دیتا ہے۔"

میجر جنرل

محمّد سرفراز خاں

ہلالِ جرأت، مِلٹری کراس

○

جنرل

آغا محمد یحییٰ خاں

صدر مملکت

"اُس بٹالین کی زرّیں تاریخ ایسے عظیم کارناموں سے بھری ہُوئی ہے، جن پر آپ جس قدر فخر و ناز کریں کم ہے.... نشانِ حیدر جیت کر آپ نے اپنی تاریخ میں نئے باب کا اضافہ کیا ہے۔ اِنھوں نے اپنی جان قربان کی تاکہ آپ کا، آپ کی بٹالین کا اور آپ کی جری فوج کا نام زندہ رہے۔ یہ ایک ایسی قربانی ہے جس پر ہر سپاہی بجا طور پر فخر کر سکتا ہے۔

مَیں یہ کہنا ضروری سمجھتا ہُوں کہ اپنی زرّیں تاریخ کو اِس طرح روشن رکھنا آپ کا فرض ہے۔

آیئے! سب مِل کر عہد کریں کہ ہم اِن سنہری روایات کو ہمیشہ روشن رکھیں گے۔"